

# معارفِ صحابہ

— یعنی —

احادیث نبویؐ کا ایک جدید انتخاب  
اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ

جلد دوم

— تالیف —

محمد منظور نعمانی

کتبخانہ افسان لکھنؤ

[www.ownislam.com](http://www.ownislam.com)

”مِخَارِفُ الْحَدِيثِ“  
یعنی

احادیث نبویؐ کا ایک جدید انتخاب  
اردو ترجمہ اور تشریح کیساتھ

جو

اس زمانہ کے تعلیمیافتہ مسلمانوں کی ذہنی و فکری سطح کو  
پیش نظر رکھ کر ————— مرتب کیا گیا ہے

”کتابُ الرِّقَاقِ“  
”کتابُ الاخْلَاقِ“

تالیف: محمد منظور نعمانی

کتابُ نَبَاِ الْفُقَرَاءِ ————— لکھنؤ

غیر مجلد ۱۱/-  
۱۹۵۵ء

(مطبوعہ تنویر پریس لکھنؤ)

قیمت مجلد ۱۳۵۰  
۱۳۵۸ء

نکتہ سنجاب راصلاٹے عام دہ  
از نیٹے آیتے پینام دہ

# پیشکش

اُن سب انخوان دینی کی خدمت میں ————— جو  
”بہی اُمّی“ سیدنا حضرت محمد عربی (قداہ اُمّی و ابی و روحی و قلبی) پر  
ایمان رکھتے ہیں  
اور آپ کی ہدایت اور اسوۂ حسنہ کی پیروی میں اپنی اور تمام اولادِ آدم کی نجات کا  
یقین کرتے ہیں  
اور اسلئے آپ کی تعلیم اور طرزِ زندگی سے صحیح واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں  
آئیے  
علم و تقویٰ کی راستہ سے مجلسِ نبوی میں حاضر ہو کر  
آپ کے ایضادات سنیں!

اور

اس چشمہٴ انوار سے

اپنے تاریک دلوں کے لئے روشنی حاصل کریں!

URL

297.13

M3H

L10578

عاجز و عاجز

محمد منظور نعمانی حفظہ اللہ رحمہ



# فہرست مضامین "معارف الحدیث" جلد دوم بقید صفحہ

صفحہ	عنوان یا مضمون کا اشاریہ	صفحہ	عنوان یا مضمون کا اشاریہ
	ایک گناہ کرنے خوفِ خدا سے مطلوب ہو کر ایک بڑی	۹	دیس چہ ۔۔ (از مولفین)
۳۶	جاہلانہ غلطی کی، اور وہ ہمیشہ گنہگار	۱۱	مقدمہ ۔۔ (از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)
۳۷	خدا کا خوف اور تقویٰ ہی فضیلت کا معیار ہے۔	۲۵	"کنز الجہل للوفاق"
	خوف و خشیت اور فکرِ آخرت کے کاغذ سے	۴۶	خوفِ خدا اور فکرِ آخرت
۵۱	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کمالِ حال		اگر عالمِ غیب ہم پر مشکشف ہو جائے تو ہمارا کیا
۶۰	دنیا کی تحقیر اور مذمت	۲۶	حال ہو ۶۔
	تمہید ۔۔ دنیا کی بے وقعتی اور تحقیر کے بارے میں	۳۰	غفلت کو دور کرنے کیلئے موت کو زیادہ یاد کرو۔
	ایمانی مسلمات اور قرآن مجید کی روشنی میں	۳۳	خوفِ خدا اور فکرِ والے ہی کامیاب ہونے والے ہیں۔
۶۱	اصولی گفتگو۔		موت و آخرت کی تیاری کرنے والے ہی ہوشیار
۶۳	آخرت کے مقابلے میں دنیا کی حقیقت۔	۳۶	اور دور اندیش ہیں۔
۶۶	دنیا مومن کا جہنم اور کافر کی بہشت۔	۳۸	نیکی اور عبادت کر کے ڈرنے والے برتر ہے۔
	مشہور حدیث: "الدنیا مجنون المومن		قیامت کے دن بڑے سے بڑا عبادت گزار بھی
۶۷	وجتہ العکاذی کا صحیح مطلب: اس کا تقاضا۔	۴۰	اپنی عبادت کو پیچ سمجھے گا۔
	دنیا فانی ہے اور آخرت غیر فانی، اسلئے آخرت کے		قیامت کے دن معمولی سمجھے جانے والے گناہوں
۶۸	طالب نبو۔	۴۱	کی بھی باز پرس ہوگی
۶۹	اللہ سے تعلق کے بغیر دنیا قابلِ لعنت ہے۔		گناہوں کے انجام سے ڈرنے والوں اور خدا کی
۷۰	طالبِ دنیا گناہوں سے نہیں بچ سکتا۔	۴۲	رحمت کی امید رکھنے والوں پر خدا کا خاص فضل ہوگا
۷۰	اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو دنیا سے بچاتا ہے۔		جس کے دل میں کسی موقع پر بھی اللہ کا خوف ہو
۷۱	اپنے کو مسافر اور اس دنیا کو مسافر خانہ سمجھو۔	۴۳	وہ دوزخ سے نکلوا لیا جائے گا۔
	دنیا کی حقیقت کیا ہے؟ در رسول اللہ صلی اللہ	۴۴	اللہ کے خوف سے نکلنے والے آنسوؤں کی برکت۔
۷۲	علیہ وسلم کا ایک خطبہ۔		اللہ کے خوف سے جسم کے روگے کھڑے ہو جانے
۷۳	ایسی موضوع پر آپ کا ایک اور خطبہ۔	۴۵	کی سعادت۔

صفحہ	عنوان یا مضمون کا اشاریہ	صفحہ	عنوان یا مضمون کا اشاریہ
۹۳	زادہوں کی صحبت میں رہا کرو۔	۸۱	امت میں دولت کی افراط کا خطرہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آگاہی۔
۹۵	اللہ تعالیٰ کی طرف سے زادہ بندوں کو نقد صلہ۔	۸۲	اس امت کا خاص فتنہ دولت ہے۔
۹۷	خاصانِ خلایش تو نعم کی زندگی نہیں گزارتے۔	۸۳	حبیب اور حبیب جاہ دین کیلئے قاتل ہیں۔
۹۸	جب کسی بندہ کو "شرح صدر" کی دولت نصیب ہو جاتی ہے تو اس کی زندگی میں نیا سے بے غمی اور فخر آخرت نمایاں اور غالب ہو جاتی ہے۔	۸۴	دنیا اور دولت کی محبت بڑھانے میں بھی جوان رہتی ہے۔
۹۹	اس مسئلے کے اصلاح کی بنیاد یقین اور زہد ہے۔	۸۵	دولت میں خافہ کی طرح کسی حد پر ختم نہیں ہوتی۔
۱۰۱	زہد کیا ہے اور کیا نہیں ہے؟	۸۶	طالب آخرت کا دل مطمئن رہتا ہے اور طالب دنیا کا پرانگندہ اور غیر مطمئن۔
۱۰۳	اپنے اور اپنے خاص متعلقین کیلئے حضور کی فقر پسندی حضور کی زندگی میں آپ کے گھر والوں نے کبھی دولت متوازی ہوئی۔ دلی سے بھی پیٹ نہیں بھرا۔	۸۷	دولت میں بندہ کا واقعی حصہ کیا ہے؟
۱۰۴	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں کبھی نہیں اٹھائیں وہ کسی نے بھی نہیں اٹھائیں۔	۸۸	دولت کے پرستار خدا کی رحمت سے محروم۔
۱۰۵	دو دو جیسے گزر جاتے تھے اور آپ کے چوڑے میاں آگ نہیں جلتی تھی۔	۸۹	حضور کا ارشاد کہ "مجھے سوداگری اور دولت اور محاکمہ کا حکم نہیں دیا گیا ہے" اور اس کا مطلب۔
۱۰۶	آپ کے اور آپ کے گھر والوں کے مسلسل غلے۔	۹۰	اللہ تعالیٰ کی طرف سے دولت و ثروت کی بخشش اور آپ کی فقر پسندی۔
۱۰۷	جب آپ کی وفات ہوئی تو آپ کی زرہ ایک یہودی کے ہاں گر رہی ہوئی تھی۔	۹۱	سب سے زیادہ قابل رشک بندہ
۱۰۸	مسلمانوں کے ہوتے ہوئے کسی یہودی سے قرض لینے کی مصلحت۔	۹۲	خوشحالی چاہنے والی بیوی کو بوالہ رذا کا جواب۔
۱۰۹	خوشحالی کیلئے دعا کی درخواست پر حضرت عمرؓ کو آپ کا جواب۔	۹۳	موت اور فلاس میں خیر کا پہلو۔
۱۱۰	آپ کا ارشاد کہ میں اس دنیا میں اس محسافر	۹۴	عقیقت اور عیاں ملازمہ بندہ اللہ کا محبوب۔
		۹۵	اپنی فاقہ زدگی اور محتاجی چھپانے والے بندہ
		۹۶	اللہ کا وعدہ۔
		۹۷	زہد اور اس کے ثمرات و برکات
		۹۸	خیر اختیار کرو، اللہ کے اور بندوں کے محبوب بن جاؤ گے۔
		۹۹	

صفحہ	عنوان یا مضمون کا اشاریہ	صفحہ	عنوان یا مضمون کا اشاریہ
۱۷۲	رحمدی ویبہ رحمی۔	۱۱۲	کی طرح ہوں، جو سایہ لینے کے لئے کسی درخت کے نیچے بیٹھ گیا ہو۔
۱۷۲	دوسروں پر رحم کھانیو لہٰذا اللہ کی رحمت کے مستحق ہیں۔	۱۱۳	دولت اگر صلاح و تقویٰ کے ساتھ ہو تو وہ بھی اللہ کی نعمت ہے۔
۱۷۳	ایک شخص پیاسے کے کوپانی پلانے پر ہی بخشد یا گیا۔	۱۱۴	نیک معاہدہ کیلئے دنیا کی دولت حاصل کرنے کی فضیلت
۱۷۵	اپنے پالے ہوئے جانوروں کے چارے پانی کی خبر گیری کا حکم، اور انہیں تکلیف دینے کی ممانعت۔	۱۱۵	صحبت کی زندگی کے ساتھ اگر کسی کو دیر میں نصیحتیں ملی رہی ہیں تو یہ اس کا راج ہے۔
۱۷۷	بچڑیوں اور چوٹیوں تک کوستانے کی ممانعت۔	۱۲۱	کافروں فاجروں کی خوشامی پر رشک نہ کرو۔
۱۷۸	اُنکی کو باندھ کے بھوکا مار ڈالنے والی ایک سنگدل عورت دوزخ میں گئی۔	۱۲۲	کسی کی ظاہری خیرت عالی اور عزت کی وجہ سے اس کو حقیر نہ سمجھو۔
۱۷۸	کسی بد بخت ہی کا دل رحم کے مادہ سے خالی ہوتا ہے۔	۱۲۳	بہت سے غریب اور خستہ حال ایسے ہیں کہ ان کی برکت اور دعا سے نذوق ملتا ہے۔
۱۷۹	دل کی تسکوت اور سختی کا علاج۔	۱۲۸	اپنے سے کم درجہ والوں کو دیکھ کر صبر و شکر کا سبق لیا کر اگر حسن عمل کی توفیق ہو تو زندگی بڑی نعمت ہے
۱۸۰	سخاوت اور نخل	۱۳۱	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع نصیحتیں اور اہم وصیتیں۔
۱۸۳	انتقام نہ لینا اور صحت کر دینا۔	۱۳۷	[ اس عنوان کے تحت حصہ ۱۳ سے ۱۳۳ تک ۱۶ حدیثیں ہیں، ہر حدیث ایک مستقل موضوع اور مؤثر خطبہ ہے۔ ]
۱۸۵	اللہ کو سب سے زیادہ عزیز و بندہ ہے جو بد لے لینے اور سزا دینے کی قدرت رکھنے کے باوجود صحت کر دے۔		
۱۸۶	خادم اور نوکر کو معافی دو، اگرچہ وہ ایک نہ میں شر تو قصور کرے۔		
۱۸۶	”احسان“		
۱۸۷	اللہ کو سب سے پیارا وہ بندہ ہے جو اس کی مخلوق کی تھپا احسان کرے۔		
۱۸۸	(ف) اس قسم کی بشارتوں کا تعلق صرف اُن بندوں سے ہوتا ہے جو کسی بڑے سنگین جرم کے مجرم نہ ہوں۔		
۱۸۸	صرف احسان کرنے والوں کے ساتھ ہی احسان نہ کر دے۔	۱۶۴	دین میں اخلاق کا درجہ۔
۱۹۱	چھوٹے سے چھوٹے احسان کی بھی اللہ کے نزدیک بڑی قیمت ہے۔	۱۶۵	خوش اخلاق کی فضیلت و اہمیت۔
		۱۷۲	اچھے اخلاق اور بُرے اخلاق

صفحہ	عنوان یا مضمون کا اشاریہ	صفحہ	عنوان یا مضمون کا اشاریہ
۲۱۰	دینی اخوت اور اسلامی بھائی چارے	۱۹۲	ایثار (ایثار کی حقیقت)
۲۱۰	مسلمانوں میں باہم کیسی محبت اور کیا تعلق ہوتا ہے۔	۱۹۳	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایثار کی ایک مثال
۲۱۳	باہم نفرت و عداوت، بغض و حسد اور بدگمانی و شہادت کی ممانعت۔	۱۹۳	ایک صحابی (ابو طلحہ) اور ان کے گھر والوں کے ایثار کا ایک سبق آموز واقعہ اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت۔
۲۱۵	اہل ایمان کو ستانے والوں اور رسوا کرنے والوں کی سمجھوتہ تہیہ۔	۱۹۶	انس و جنّت اور بیگانگی و عداوت
۲۱۶	حسد کے بارے میں خاص اہتمام۔	۱۹۶	مومن کو الفت و محبت کا مرکز ہونا چاہئے۔
۲۱۸	بغض و کینہ کی خواہش۔	۱۹۷	اللہ کے لئے محبت اور اللہ ہی کیلئے بغض و عداوت۔
۲۱۹	شہادت کی سزا۔	۱۹۷	اللہ کے لئے محبت دراصل اللہ تعالیٰ کی تعظیم و عبادت ہے۔
۲۲۰	زرم مزاجی اور درشت خوئی	۱۹۸	اللہ کے لئے باہم محبت کرنے والے اللہ کے محبوب ہو جاتے ہیں۔
۲۲۱	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرم مزاجی۔	۱۹۸	صرف اللہ کے تعلق سے انس کے ایک بندے کی زیارت کو جانے والے شخص سے خشتہ کی ملاقات اور اللہ کی محبت کی بشارت۔
۲۲۲	علم و بردباری، یعنی خشتہ نہ کرنا اور خشتہ کوئی جاننا۔	۱۹۹	اللہ کے لئے محبت کرنے والوں کا قیامت کے دن خاص امتیاز۔
۲۲۸	خشتہ میں نفس پر قابو رکھنے والا حقیقی پہلوان ہے۔	۲۰۱	اللہ کے لئے محبت کرنے والے قیامت کے دن عرش کے سایہ میں۔
۲۲۹	خشتہ کے وقت کیا کیا جائے۔	۲۰۳	محبت ذلیل و قرب و محبت۔
۲۳۱	اللہ کے لئے خشتہ کوئی جاننے کی فضیلت اور اس کا صلہ	۲۰۴	محبت کی وجہ سے محبت کا مطلب۔
۲۳۲	علم و بردباری اللہ کی محبوب صفات میں سے ہے۔	۲۰۷	محبت کے لئے اطاعت لازم۔
۲۳۳	اطمینان اور مسانہت سے کام کرنے کی فضیلت اور جلد بازی کی ممانعت۔		
۲۳۵	یرا نہ زوی۔		
۲۳۶	خوش کلامی اور بد زبانی		
۲۳۷	کم بولنا اور بڑی اور فضول باتوں سے زبان کی حفاظت کرنا۔		

صفحہ	عنوان یا مضمون کا اشاریہ	صفحہ	عنوان یا مضمون کا اشاریہ
۲۹۲	قناعت و استغناء اور حرص و طمع	۲۵۰	کرکھ والا یعنی۔
۲۹۳	اصل دولت مند کی دل کی دولت مند ہے۔	۲۵۱	چٹوڑی۔
	صبر و قناعت اللہ کی وسیع ترین اور عظیم ترین نعمت ہے۔	۲۵۳	خیبت اور ہتان۔
۲۹۶	دولت کی حرص کے بارے میں حکیم بن حزام کو حضورؐ کی نصیحت، اور ان پر اس کا ناشی اثر	۲۵۷	دور و خیر کی کافحت۔
۲۹۷	حرص و طمع کی تباہ کاریوں اور بد انجامیوں کے متعلق انتباہ۔	۲۵۹	صدق و امانت اور کذب و خیانت
۲۹۸	حرص انسان کی بدترین حاصلتوں میں سے ہے۔	۲۶۲	تجارت میں صدق و امانت۔
۲۹۹	صبر و شکر	۲۶۳	بھوٹ اور خیانت ایمان کے منافی ہیں۔
	پسے سونے کے لئے ہر حال میں خیر ہی خیر ہے، نعمت پر شکر کرے تو خیر ہے، مصیبت پر صبر کرے تو خیر ہے۔	۲۶۴	بھوٹ کی گندگی اور شراہند۔
۳۰۰	شروع صبر میں ہر کرنے والے کو رحمت کی بشارت۔		جو تمہیں سچا سمجھے اُس سے بھوٹ بولنا بڑی سخت
۳۰۱	اپنی مصیبت کسی پر ظاہر نہ کرے اُس کیلئے بخشش کا وعدہ ہے۔	۲۶۵	خیانت ہے۔
۳۰۲	ایک نواسہ کی وفات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنی مہاجرادی کو صبر کی تلقین۔	۲۶۷	بھوٹ کی قسم۔
۳۰۳	آکھوں سے آنسو بہنا صبر کے منافی نہیں بلکہ رحمت کے معاذ ہیں جب تک کے صاحبزادے کے انتقال پر ان کے نام حضورؐ کا نہایت ثناء اور ایمان کی قربت نہ ہو۔	۲۶۸	بھوٹ کی بعض خفیہ قیس۔
۳۰۴	انہی محدثی کے صبر و شکر کا سرچشمہ انکی عقلیت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اُس کی خاص عطا ہے۔	۲۶۹	خیانت کی بعض خفیہ قیس۔
		۲۷۰	اختلاف اور فتنہ کو ختم کرنے کے لئے اپنی طرف سے
		۲۷۱	پاکہ کہہ کرنا بھوٹ نہیں۔
		۲۷۲	ایفاء و وعدہ اور وعظ و تلاقی
		۲۷۳	تواضع و خاکساری اور غرور و تکبر
		۲۷۴	شرم و حیا
		۲۷۵	حیا کی خاص اہمیت اور اسکے معنی کی وسعت

صفحہ	عنوان یا مضمون کا اشاریہ	صفحہ	عنوان یا مضمون کا اشاریہ
۳۲۳	اخلاص کی برکت اور تاثیر و طاقت (غار میں بند ہو جانے والے تین شخصوں کا واقعہ)۔	۳۰۷	توکل اور رضا یا القضا
۳۲۸	ریا ایک درجہ کا شرک اور ایک قسم کا نفاق ہے۔	۳۰۷	توکل کی حقیقت۔
۳۲۱	جس عمل میں شرک کی ذرا بھی آمیزش ہوگی وہ قبول نہ ہوگا۔	۳۰۸	توکل اور ترک اسباب۔
۳۲۲	ریا کاروں کو فضیلت و رسوائی کی سزا۔	۳۰۸	رضا یا القضا کا مطلب۔
۳۲۳	دین کے نام پر دنیا کمانے والے ریاکاروں کو سخت تنبیہ۔	۳۱۳	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کہ اپنی ضرورتوں کے لئے صرف اللہ پر نظر رکھو اور جیسی اپنی حاجتیں طلب کرو۔
۳۲۴	ریا کار عالموں اور عابدوں کو سخت ترین عذاب۔	۳۱۳	ایک صحابی اور اس کی بیوی سے سخت حاجتندی کے وقت اللہ تعالیٰ سے رزق کی دعا کی اور ان کو اسی وقت خزانہ غیبی سے رزق ملا۔
۳۲۵	قیامت کے دن دوزخ میں ڈالے جانے کا پہلا فیصلہ	۳۱۷	اللہ کے فیصلوں پر دل سے راہنی رہنا بندے کی سعادت و خوش نصیبی ہے اور ناراض رہنا شقاوت و بد بختی ہے۔
۳۲۶	ریا کار عالم و عابد، ریا کار مجاہد و شہید اور ریا کار سخی کے بارے میں ہوگا۔	۳۱۹	اخلاص و اللہیت اور نام و نمونہ
۳۲۷	اعمال صالحہ کی وجہ سے دنیا میں خود بخود اچھی شہرت ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ سے لوگوں کا محبت و عزت بڑھتا	۳۲۱	اخلاص کی حقیقت اور اس کی اہمیت۔
۳۲۹	کوئی بری بات نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔	۳۲۱	

## دُبَايَچَہ

از مؤلف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۱﴾ اَللّٰهُمَّ ثَمِّیْکَ وَ لَکَ  
 "عارفِ الحریث" کی پہلی جلد (کتاب الایمان) ۱۳۸۵ھ میں شائع ہوئی تھی، دوسری جلد اب ۱۳۸۶ھ کے  
 اواخر میں شائع ہو رہی ہے۔ پہلی جلد میں ایمان اور آخرت سے متعلق ایک سو پچاس حدیثوں کی شرح ہو چکی  
 ہے اس دوسری جلد میں جو کتاب "رِیَاق" اور کتاب "اخلاق" پر مشتمل ہے دو سو ساٹھ حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے۔  
 ناچیز مؤلف کا خیال ہے کہ ان حدیثوں کے بعد جن کا تعلق ایمان یا ائمہ یا الہامی یا رسول اور ایمان یا آخرت سے ہر  
 دینی و دنیوی تہذیب اور تعمیرِ مہمیرت میں سب سے زیادہ مؤثر وہ حدیثیں ہوتی ہیں جن کو حضراتِ محدثین اپنی کتابوں کے  
 ابواب و رفاق اور ابوابِ اخلاق میں درج کرتے ہیں، اسی بنا پر اس ناچیز نے اس دوسری جلد میں انہی حدیثوں  
 کو مرتب کر کے پیش کیا ہے۔

اس جلد میں تین سو حدیثیں سلسلہ "رفاق" کی ہیں اور باقی ایک سو ساٹھ سلسلہ "اخلاق" کی۔ رفاق سے مراد  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات و خطبات و مواظبات و احکام و آپ کی زندگی کے وہ حالات و واقعات ہیں  
 جن کے پڑھنے اور سننے سے دل میں رقت و خشیت اللہ گواہ کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور دنیا کی وقعت نظر میں  
 کم ہوتی اور آخرت کی فکر بڑھتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیوی زندگی میں ایک مومن کا مطمح نظر انصافِ العین  
 کیا ہونا چاہئے اور کس طرح یہاں اس کو زندگی بسر کرنا چاہئے، کھانسیزوں سے دل لگانا چاہئے، اور کن چیزوں  
 کی طرف سے دل اور نگاہ کو ہٹانا چاہئے۔

انسانی وجود میں سب سے اہم اور اہل کا دُعا و منصرف و قوت ہے جس کو قلبِ یاد دل کہا جاتا ہے، اس کا رُخ  
 اگر صحیح ہو تو انسان کی پوری زندگی صحیح رُخ پر چلتی ہے، اور اس کا رُخ غلط ہو جائے تو پوری زندگی غلط ہو جاتی ہے  
 رفاق کی حدیثوں کا نام موضوع اور خاص کام یہی ہے کہ وہ دل کے رُخ کو صحیح کرتی ہیں اور دل کا رُخ صحیح ہونے کے  
 بعد ہی وہ اعلیٰ اخلاق پیدا ہو سکتے ہیں جن سے آراستہ ہو کر انسان خلیفۃ اللہ بننا ہے، اور جن کا انسانی معاشرہ  
 میں مکمل طور سے برپا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا اہم مقصد قرار دیا ہے (اِنَّمَا بُعِثْتُ  
 لِاتَقِیْمَ مَسْکَاةَ الْاَخْلَاقِ)۔ ہر حال ناچیز نے اپنے اسی خیال کی بنا پر اس دوسری جلد میں  
 "رفاق" اور "اخلاق" کی حدیثوں کو مرتب کر کے پیش کیا ہے۔

پہلی جلد کی طرح اس دوسری جلد کی حدیثیں بھی عملاً شکرۃ الصالحین سے لگائی ہیں۔ چند حدیثیں جمع الخوارج  
 سے بھی لی گئی ہیں اور ان کی تخریج میں بھی اعلیٰ دونوں کتابوں کے مؤلفین پر امتکا و کیا گیا ہے۔ صرف دو چار  
 حدیثیں ایسی بھی ہیں جو صحاح کی ایک ہی کتابوں سے لی ہیں جن سے ان کی تخریج کی گئی ہے۔

لے سینا لے بھاگیا ہوں کہیں سے دیرِ بیکارم الاخلاق کی تکمیل ہو۔ (کنز العمال ج ۲) بحوالہ موطا امام مالک (نوی)

جو حدیثیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے لی گئی ہیں وہ اگرچہ حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی ہوں لیکن صاحب مشکوٰۃ کے طریقہ پر ان حدیثوں کی تخریج میں صرف ان ہی دو کتابوں کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے۔ لیکن کسی سرپرست کا ان دونوں میں سے کسی ایک میں بھی ہونا اس کے صحیح اور مقبول ہونے کی ضمانت کے لئے کافی ہے۔ احادیث کی ترتیب ترجمہ و تشریح اور حسانات میں دہماریا تیس طوفا لکھی گئی ہیں اور ان ہی اصولوں کی پیروی کی گئی ہے۔ جن کا ذکر پہلی جلد کے دیباچہ میں کیا جا چکا ہے۔ اس لئے اب یہاں ان کے احادیث کی ضرورت نہیں۔ اس دوسری جلد پر مقدمہ فقیر محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے لکھا ہے جس میں انہوں نے حدیث و سنت کی اہمیت پر ایک بالکل نئے انداز میں گفتگو کی ہے اور اس مسئلہ پر خود کرنے کے لئے ایک نئی راہ کھولی ہے۔ امید ہے کہ جو لوگ ایمان اور عقل سلیم کی دولت سے بالکل محروم نہ کر دیئے گئے ہوں گے ان کو مستحقہ کے ان چند صفحات کے مطالعہ سے یہ یقین انشاء اللہ ضرور حاصل ہو جائے گا کہ حدیث و سنت کی عظمت و عظمت کا انکار اور اس کے بارے میں بے اعتمادی پھیلانے کی کوشش اسلام کے ساتھ دیرین دشمنی ہے۔

## اپنے باتوفیق ناظرین سے آخری گزارش یا وصیت

پہلی جلد کے دیباچہ میں بھی یہی لکھی گئی تھی اہل ادب بھی یہی ہے۔ کہ حدیث نبوی کا مطالعہ صرف اضافہ معلومات کے لئے اور علمی سیر کے طور پر ہرگز نہ کیا جائے بلکہ آغوشِ رحمت علیہ وسلم کے ساتھ اپنا ایمانی تعلق کو تازہ کرنے کے لئے اور رشد و ہدایت حاصل کرنے اور عمل کرنے کی نیت سے کیا جائے۔ نیز درس و مطالعہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت کو دل میں میداد کیا جائے۔ اور اس طرح ادب اور تہجد سے بڑھایا سنا جائے کہ گویا حضور اقدس کی مجلس مبارک میں ہم حاضر ہیں، اور آپ فرما رہے ہیں اور ہم سنا رہے ہیں۔ اگر ایسا کیا گیا تو قلب و روح کو ان انوار و برکات اور ان ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ انشاء اللہ ضرور نصیب ہوگا جو مہربانی کے ان خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست روحانی استفادہ کی دولت عطا فرمائی تھی۔

آخری کلمہ اللہ کی حمد ہے، اور اس خدمت کے اتمام کے لئے اُس سے حسنِ توفیق کی استدعا اور گستاخی ہوں کی معافی کی التجا۔

اللہ کی رحمت اعلیٰ کے بندوں کی دعاؤں کا محتاج و ظہکار  
عاجز و گنہگار بندہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ  
ذی الحجہ ۱۴۰۶ھ



# مقدمہ

(از۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَلْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ خَلَقَ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و تعلیم کے مقاصد و نتائج جمال قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں وہاں صراحتاً ان چار چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

(۱) تلاوت آیات (۲) تعلیم کتاب (۳) تعلیم حکمت (۴) تزکیہ نفوس

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ  
رُسُلًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ  
وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ  
وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ  
لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝ (المجمہ ۱۶)

کَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ  
يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ  
وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ  
وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۝

جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے بھیجا، جو تم پر ہمارے آیتیں پڑھتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے، اور تمہیں کتاب و انجیل داتا ہے۔

جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے بھیجا، جو تم پر ہمارے آیتیں پڑھتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے، اور تمہیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

\_\_\_\_\_ (البقرہ۔ ۱۲۹)

درحقیقت بعثت محمدیؐ ان چاروں شعبوں پر مشتمل تھی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطرح دنیا کو نیا آسمانی صحیفہ عطا کیا، نیا علم و حکمت عطا کیا، اسی طرح نئے اخلاق، نئے جذبات، کیفیات، نیائیں و ایمان، نیا ذوق و شوق، نئی بلذ نظرئی، نیا جذبہ ایثار، نیا شوق آخرت، نیا جذبہ زہد و قناعت، دنیا کی متاع حقیر اور دولت فانی کی تحقیر، نئی محبت و الفت، شہسوار ملک و ہمدردی، پروموسات، مقام و مقام اسی طرح سے نیا ذوق عبادت، خوف و خشیت، قرب و انابت، اُرد و اغتراب کی دولت عطا فرمائی۔ اور انہیں غرض کی بنیاد پر وہ نیا اسلامی معاشرہ (اور دینی ماحول قائم ہوا جس کو عہد رسالت اور عہد صحابہ کے لفظ سے عام طور پر تعبیر کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام ان مقاصد و نتائجِ بعثت کے کامل ترین نمائندہ اور بہترین نمونہ تھے۔ اگر ان شعبہ ہائے نبوت کو عام زندگی میں جلوہ گرد کیجنا ہو تو صحابہ کرام کی جماعت کو دیکھ لیا جائے۔

یوں تو آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و رسالت، تعلیم ان ہم سادوں کا سرچشمہ تھی اور اُسی سے یہ پوری زندگی اور قرنِ اولیٰ کا اسلامی معاشرہ وجود میں آیا، لیکن اگر اس کے طریق عمل کی تفصیل اور اس کے ذرائع و وسائل کی تحلیل کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس بحرِ حقول انقلاب کا ذریعہ اور اس نئے معاشرہ اور نئی امت کی تشکیل کے عناصر و ارکان یہ تین چیزیں تھیں۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی، آپ کی زندگی و سیرت و اخلاق

(۲) قرآن مجید

(۳) آپ کے ارشادات و ہدایات، مواظبت و نصح و تعلیم و تلقین

اگر غور کیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ بعثت نبویؐ کے مقاصد و نتائج کے کامل طور پر اس اہم جد و جہد کی تعبیر و تشکیل میں ان تینوں عناصر و ارکان کا دخل ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ان تینوں کے بغیر ایک مکمل معاشرہ، مکمل زندگی، اور ایک ایسی سیرت اجتماعی جس میں عقائد، اعمال، اخلاق، جذبات، اذواق، رجحانات، تعلقات سبھی موجود ہوں و جمع ہیں نہیں آسکتی۔ زندگی کے لئے زندگی شرط ہے، یہاں دیئے سے دیا جلتا ہے۔ صحابہ کرام اور ان کے صحیح جانشینوں کی زندگی میں ہمیں مقاصد و اعمال کے ساتھ جو خالص اسلامی اخلاق، اور اس کے ساتھ جو اعلیٰ اذواق اور گہرے دینی جذبات اور دینی کیفیات نظر آتی ہیں وہ

تنہا تلاوت کتاب لایق نہیں بلکہ اس کامل ترین، سوتر ترین، محبوب ترین زندگی کا بھی اثر ہے جو شب و روز اُن کے سامنے رہتی تھی۔ اُس سیرت و اخلاق کا بھی نتیجہ ہے جو اُن کی آنکھوں کے سامنے تھے اور اُن کے ہاں اور مجتہدوں کا بھی فیض ہے اور اُن ارشادات و نصائح و تلقین کا بھی جس سے وہ حیات طیبہ میں برابر مستفید ہوتے تھے۔ اس سب کے مجرہ سے اسلام کا وہ مزاج خاص وجود میں آیا جس میں صرف قواعد و ضوابط اور اُن کی قانونی پابندی نہ تھی، بلکہ اُن پر عمل کرنے کے محرکات و ترغیبات اور عمل کی صحیح کیفیات اور روح بھی تھی۔ حدود کی پابندی اور حقوق کی ادائیگی کے ساتھ لطیف احاسات اور مکالم اخلاق کے وقتائق بھی تھے۔

انہوں نے قرآن مجید سے "اقامت صلوٰۃ" کا حکم پایا تھا اور "الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ" کی تعریف بھی سنی تھی مگر انہوں نے اس کی صحیح کیفیت اُسی وقت معلوم کی جب آپ کے رُتے نمازیں پڑھیں اور آپ کے رکوع و سجود کی کیفیت دیکھی۔ جن کو انہوں نے "لَسْتُمْ لَهُ أَزِيزٌ كَارِزٌ" (ہم آپ کے سینے کی آوار اس طرح نہیں تھے جیسے انڈی میں اُبال آتا ہے) کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے۔ انہوں نے قرآن مجید سے بھانپا کہ نماز میں کا ایک محبوب فعل ہے لیکن جب تک انہوں نے نہ اپنی برکت سے "تَوَدُّعٌ عِنْدِي فِي الصَّلَاةِ" (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) اور بیقراری اور اہمیت شوق و اضطراب کے ساتھ "أَرِحْنِي يَا بَلَدَ لَیْلٍ" (بلال! اذالہ دے کر مجھے آرام پہنچاؤ) نہیں سنا، اُن کو نماز کے ساتھ اُس عیش و شغف کا اندازہ نہیں ہوا۔ اِسی طرح جب تک انہوں نے خاصانِ امت کے سلسلے میں "وَقَدْ بَدَأَ مُعَلِّقٌ فِي الْمَشْجِدِ حَتَّى يَتَوَدَّكَ الْيَتِيمُ" (اُن کا دل یتیموں کا رہتا ہے، مسجد سے لگ کر جب تک وہ وہ مسجد نہیں آئے، اُن کو یتیم نہیں آتا) کے الفاظ نہیں سنے اُن کو مسجد اور قلبِ بوسن کا باہمی تعلق معلوم نہیں ہو سکا۔ انہوں نے قرآن مجید میں بار بار دُعا کی ترغیب دیکھی تھی، دُعا کرنے والوں پر کتاب بھی سُنا تھا، اور تضرع و اہتِمال (گریہ و زاری اور الحاح و اصرار) کے الفاظ و معنوم سے بھی وہ آشنا تھے لیکن اس کی حقیقت انہوں نے اُس وقت جانی جب انہوں نے میرا دل یتیم میں آپ کو خاک پر سر رکھے یہ الفاظ کہے سنا کہ: "اللَّهُمَّ أَنْتَ لَدُنْكَ عَهْدٌ لَكَ وَوَعْدٌ لَكَ"

اللَّهُمَّ ارْدَ شَيْئَتِ لَمْ تَحْبِدْ لِهٖ (اے اللہ! میں تجھے تیرے عہد اور وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں: اے شہزادہ اگر تو چاہے اس منہی بھر جا صحت کو ہلک کرنا) تو تیری عبادت نہ ہوگی) اور پیرا دی کی وہ کیفیت، دیکھی جو حضرت ابو بکرؓ سے نہ دیکھی جاسکتی یہاں تک کہ انہوں نے عرض کیا: خَبِّئْ (یاد رکھو! اللہ کافی ہے) اُن کو معلوم تھا کہ دُعا کی رُوح، بندگی اور اپنی عجز و درماندگی کا اظہار ہے۔ اور جس دُعا میں یہ جوہر جس قدر زیادہ ہو اُسی قدر وہ دُعا قسیمی ہے، لیکن بندگی اور عجز و درماندگی کی حقیقت ان کو جب معلوم ہوئی حسب انہوں نے عرفات میں آپؐ کو یہ کہتے سنا،

اے اللہ تو میری بات کو سنتا ہے اور میری  
 بگڑ کو دیکھتا ہے اور میرے پوشیدہ اور ظاہر کو  
 جانتا ہے، تجھ سے میری کوئی بات چھپی نہیں  
 رہ سکتی، میں مصیبت زدہ ہوں، محتاج ہوں،  
 فریاد کا ہوں، پناہ جو ہوں، پریشان ہوں،  
 ہراساں ہوں، ایسے گناہوں کا اقرار کروں والا ہوں  
 اعتراف کرنے والا ہوں، تیرے آگے سوال  
 کرتا ہوں، جیسے کسی سوال کرتے ہیں، تیرے  
 آگے گڑگڑاتا ہوں، جیسے گنہگار و ذلیل و خوار  
 گڑگڑاتا ہے، اور تجھ سے طلب کرتا ہوں جیسے  
 خونت زدہ، آفت زدہ طلب کرتا ہے، اور جیسے  
 وہ شخص طلب کرتا ہے جس کی گردن تیرے  
 سامنے جھکی ہو، اور اُن کے آنسو بہ رہے ہوں

اللَّهُمَّ ارْدَ شَيْئَتِ لَمْ تَحْبِدْ لِهٖ  
 وَتَرَى مَكَانِي وَتَعْلَمُ سِرِّي  
 وَعَلَانِيَتِي لَا يَخْفَى عَلَيْكَ  
 شَيْءٌ مِنْ أَمْرِي وَأَنَا الْبَائِسُ  
 الْفَقِيرُ الْمُسْتَغِيثُ الْمُسْتَجِيرُ  
 الْوَجِلُ الْمَشْفِقُ الْمَقْرُ  
 الْمَغْتَرِبُ بِدَنْبِي  
 أَسْأَلُكَ مَسْأَلَةَ الْيَسْكِينِ  
 وَأَبْتَهِلُ إِلَيْكَ ابْتِهَالًا  
 الْمُدْنِبِ الدَّلِيلِ  
 وَأَذْغُولُكَ دُعَاءَ الْغَائِبِ  
 الصَّغِيرِ وَدُعَاءَ مَنْ  
 خَضَعَتْ لَكَ رَأْسَهُ

وَقَاَصَتْ لَكَ عَذْرَتَهُ وَذَلَّ  
لَكَ جِسْمُهُ وَسِرِّعَ لَكَ  
أَنْفُهُ اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْنِي  
بِذُعَايَاكَ شَقِيًّا وَكُنْ لِي  
سَائِدًا وَفَائِزًا يَا خَيْرَ الْمُسْتَوَلِينَ  
اور تین بدن سے وہ سیرے آگے خود تکی کیے  
ہوئے ہوا اپنی ناک تیرے سامنے ڈکرا رہا ہو اے  
اللہ تو مجھے اپنے سے دُعا مانگنے میں ناکام نہ  
رکھ اور میرے حق میں بڑا مہربان غایت  
رحم کرنے والا ہو جائے سب مانگنے والوں کے  
یا خیر المعطین

انہوں نے قرآن مجید میں دنیا کی بے حقیقی اور آخرت کی پائیداری کا ذکر پڑھا تھا، اور مَا الْخَلْقُ  
الَّذِينَ لَا لَهُمْ دَرَجَاتٌ وَإِنَّ اللَّهَ أَرَا الْأَخِرَةَ لَيْسَ الْخَيَوَانُ (دنیا کی زندگی محض کھیل  
تماشہ ہے، اور آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے) کے الفاظ اُن کو یاد تھے، مگر اُس کی حقیقت اور عملی  
ان کو آپ کی زندگی ہی سے معلوم ہوئی اور آپ کے طرز زندگی اور گھر کے نقشہ کو دیکھ کر یہی وہ سمجھے کہ آخرت کو اصل زندگی  
سمجھنے کا کیا مطلب ہوتا ہے اور آخرت کو اصل زندگی سمجھنے والوں اور اللَّهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ  
الْآخِرَةِ پر ایمان رکھنے والوں کی ناگہانی زندگی اور معیشت کیا ہوتی ہے۔ اس عملی نقشہ اور اجمالی ترغیب کے  
ساتھ جب ان کے سامنے ارشادات نبوی میں انہم کے شراذم و مصائب اور حجت کے انکشاف لہذا اذ کی تفصیل  
اور تصویر آتی تو ان کے اندر خوف و شوق کی ملی جلی کیفیت پیدا ہوتی اور ان دونوں کا نقشہ اُن کی آنکھوں کے سامنے ہر وقت  
کھینچا رہتا۔

اسی طرح وہ رحمت، تواضع، عفت، رفق، جیسے اطلاق و تعلیمات کے مفہوم سے آشنا تھے، صاحبِ ایمان بھی تھے اور  
قرآن مجید میں صاحبِ نظر بھی تھے، لیکن ان الفاظ کی وسعت، عملی زندگی میں ان کی تطبیق، تفسیر صحیح علیٰ ان کو  
صرف اُس وقت معلوم ہوا جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار و عہد توں، تجویز و ہدایتوں  
غریبوں، یوڑھوں اور اپنے عام رفقاء و صحابہ اہل خانہ اور غلام کے ساتھ برتاؤ دیکھا اور آپ کی اس باریکی  
ہدایات و نصیحتیں اور ارشادات سنے، اُن کو عامۃ المسلمین کے حقوق ادا کرنے کی اجمالی ہدایت قرآن سے مل چکی تھی مگر

لے کثر الحال عن ابن عباس

لے ملاحظہ ہو معارف الخیر بطور دوم صفحہ کتاب الترقاق زیر عنوان "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فقر پسندی"

حدیث کے شعبہ معاشرت و اخلاق کی یہ حدیث مثالیں ہیں جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حدیث زندگی کے مختلف شعبوں میں کس قدر رہنمائی کرتی ہے اور کیسا بڑا علم عطا کرتی ہے، اسی حدیث سے انسانیت کے لئے کیا بیش بہا خزانہ ہے۔

دوسری طرف مذاہبِ اربعہ کی تاریخ کا یہ طویل و سلسل تجربہ ہے کہ محض ایک جہلی اور قانونی حکم اور ضابطہ کی شکل کو اپنی صحیح نفع اور کیفیات کے ساتھ جوہر میں لائے کیلئے کافی نہیں ہوتا اور درحقیقت یہ نہیں کہتا جو اس عمل کو مؤثر بنا دے۔ نتیجہ بنانے کے لئے وہ کارہے مثال کے طور پر اقامتِ صلۃ کا اجلائی حکم وہ ذہنیت، اصول اور نفاذ میں پیدا کر سکتا جو نفاذ کی نفع و جہم کی حفاظت، اس کی پابندی اور اس کے صحیح روحانہ و ذہنی تقویٰ، اجتماعی اور اخلاقی نتائج و اثرات کے بروئے کار آنے کے لئے مساویں وہ نگاہ ہے، اس کے لئے ان بڑی اور مقدمات، آداب و ہدایات کی ضرورت ہے جو اس عمل کو 'ہتم، الشان' و 'قیع و مؤثر بنائیں' اس کا ناپر نفاذ کے لئے خود قرآن مجید میں دستور، طہارت، شہور، تعقل، خشوع و خضوع، سکوت و خفت اور جماعت کا حکم دیا گیا ہے، لیکن اہل نظر سے مخفی نہیں کہ اس میں ضروری و قابل عمل حد تک جس قدر آداب و فضائل اور خارجی استقامت کا اضافہ ہوگا وہ نفاذ اور احوال تیار ہوگا جس نفاذ اپنے پورے اثرات اور روحانی و مادی کامیابی و اخلاقی اثرات ظاہر کرے گی، اور حدیث و سیرت کا مطالعہ کرنے والے

ان پر غور رکھنے والے جانتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے عمل اور آپ کے ارشادات و ہدایات نے اس میں وہ معقول اضافہ کیا ہے جس سے نماز تزکیہ نفس، تربیت اخلاق اور توجہ الی اللہ و انقطاع عن الخلق، نیز اُمت کی تعلیم و تربیت اور نظم و وحدت کا موثر ترین ذریعہ بن گئی ہے۔ مثلاً و تقویٰ کی نیت و فیصلت اور اس کا استحضار مساجد کی طرف جانے اور اس کے راستہ میں پڑنے والے قدیموں کی فیصلت و راستہ کی دعا، مسجد میں داخل ہونے کا ادب اور ذکر و تحمید و تسبیح رات و روز کے انتظار کی فیصلت اور بیٹھنے کا ادب، جماعت کا ثواب، آذان و اقامت کا ثواب، اُمت کی فیصلت و منصفانہ اس کے احکام، امام کے اتباع کی تاکید، صفوں کی ترتیب اور صفوں میں کھڑے ہونے والوں کی ترتیب، مساجد میں تعلیم و تعلم کے حلقوں کی فیصلت، ذکر کے حلقوں کی فیصلت، مسجد سے نکلنے کا ادب اور اس کا ذکر و غیو و غیو۔ ظاہر ہے کہ ان فضائل نیز ان آداب ہدایات کے علم و عمل سے نماز کتنی اہم و بالمشان چیز اور تزکیہ و اصلاح تعلیم و تربیت اور انابت و توجہ الی اللہ کا کیسا موثر ذریعہ بن جاتی ہے۔ پھر اس کے ساتھ آنحضرتؐ کی نمازوں کی کیفیت، نوافل کے ذوق، قرآن مجید پڑھنے میں رقت و محویت کے واقعات کا جو احادیث میں اہتمام کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، اضافہ کیجئے، اس مجموعہ اُمت کی نماز کس مقام تک پہنچ جاتی ہے اور اس کے لئے کیسا ذہنی اور روحانی ماحول تیار ہوتا ہے۔ صوم و زکوٰۃ و حج کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے، اور حدیث سے ان کے آداب فضائل و معمولات نبویؐ اور واقعات زندگی کو سمجھ کر کے فوراً کرنا چاہئے کہ اگر ان عبادات کو ان آداب فضائل اور واقعات سے مجرّد و منقطع کر لیا جائے اور ان کو اس ماحول سے جدا کر لیا جائے جو حدیث ان کے لئے تیار کرتی ہے (اور جو اب حدیث کی بنا پر ان کے ساتھ لازم ہو گیا ہے) تو ان کی تاثیر کہیں تک باقی رہتی ہے، اور ان میں جذبات کو ابھارنے، ذوق و شوق کو پیدا کرنے، استقامت عطا کرنے اور قلب و دماغ کو غذا اور جلا عطا کرنے اور ایک ایسے نئے معاشقہ کی تعمیر کی (جس کے اندر عبادت و تقویٰ و انابت کی مدوح سرایت کئے ہوئے ہو) کہاں تک صلاحیت باقی رہ جاتی ہے۔

در حقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور ارشادات و ہدایات جن کے مجموعہ کا نام حدیث و سنت ہے، دین کے لئے وہ فضا اور ماحول تیار کرتے ہیں جس میں دین کا پورہ سرسبز و بار آور ہوتا ہے۔ دین کسی خشک اخلاقی





جنہوں نے پہلے پر تیر بندھا ہوا وہ شہید یا ایک پرچائی کے نشانات پڑے ہوئے دیکھے جس نے سونے سے پہلے  
 بیقراری کے ساتھ صدمہ کا بچا ہوا سونا مارا ہوا غلام میں فروج ہوتے دیکھا جس نے عرضِ ذوات میں چراغِ گاتیل پڑوسی کے  
 گھر سے عرض آتے دیکھا اس پر دنیا کی حقیقت کیسے چھپ سکتی ہے اور نہ کہ جذبہ اس کے اندر کیسے ابھر نہیں سکتا؟  
 جس نے آپ کو اپنے مگر وہاں کی خدمت اپنے بچوں کے ساتھ محبت اپنے خادموں کے ساتھ رعایت اپنے رفقا و رفیقہ  
 عنایت ادا اپنے دشمنوں کے ساتھ عملِ خیرانے ہوئے دیکھا وہ سکھانِ اخلاق اور انسانیت کا مکمل کا درس اس در کو چھوڑ کر  
 اور کھلا سے لینے جائے گا۔۔۔۔۔ پھر اس ماحول میں صرف کائناتِ نبوت ہی کا درحافہ نہیں کھلا ہوا ہے  
 جس سے دیکھنے والوں کو یہ سب نظر آتا ہے بلکہ صحابہ کرام کے گھروں کے دروازے بھی کھلے ہوئے ہیں اور ان کے  
 گھروں کی زندگی و معاشرت ان کے دنوں کی تیش ان کی شبوں کی گنگنازا ان کی بازاروں کی مصروفیت اور مسجدوں کی  
 فراغت ان کی بے نفسی و ولایت اور ان پر نفسِ انسانی کے سبلے ان کا انقیاد و کمال اور ان کی بشری لغزشیں سب عیاں ہیں  
 یہاں حضرت ابو طلحہ انصاریؓ کے ایشاک کا واقعہ بھی آنکھوں کے سامنے گزرتا ہے اور کعب بن مالکؓ کے غزوہ تبوک سے  
 بکھر جانے کا قصہ بھی پیش آتا ہے غرض یہ ایک ایسا طبیعی و قدرتی ماحول ہے جس میں زندگی اپنے پورے نوعیات  
 و حقائق اور انسانی فطرت اپنے تمام خصائص کے ساتھ موجود ہے اور حدیث نے اس کا پورا عکس یا کرباہت تک  
 کے لئے درِ نبویؐ کو محفوظ کر دیا ہے۔۔۔۔۔ قرآن مجید کے ساتھ حدیثِ نبویؐ کی اس تصویر کا باقی رہنا اور  
 نبوت کے کلام اور ماحول کا محفوظ رہنا اسلام کا ایک اعجاز اور ایسا امتیاز ہے جس میں کوئی مذہب کوئی امت  
 اس کی شریک و ہم نہیں۔ ایک ایسا مذہب جس کو قیامت تک باقی رہنا اور تمام آنے والی نسلوں کو اعلیٰ فزونیوں  
 عمل کے ہدایات و محرکات اور قلبِ داغ کو خدا فراہم کرنا ہے ماحول کے بغیر نہیں رہ سکتا یہ ماحولِ حدیث کے  
 ذریعہ محفوظ ہے۔ تدوینِ حدیث کی تاریخ پر حکمرانِ اسلام ہوتا ہے کہ یہ ایک اتفاقی نام اور درستیٰ کی کوئی  
 صورت نہیں ہے صحابہ کرامؓ کا حدیثِ نبویؐ میں کتابت حدیث کی طرف متوجہ ہونا اور بہت بڑی تعداد  
 میں احادیث کا محفوظ کر لینا پھر انھیں کے احمد و رد میں تاہمین کا تدوین و ترتیب کی طرف توجہ کرنا پھر ان  
 خواہاں اور کتبستان کے طالبین علم کے مسند کا امتداد ملنا اس کا جمع و حفظ حدیث سے عشق و شغف ان کا  
 غیر معمولی حافظہ ان کا عزم و علیٰ آہی پھر اس اور حال و فن روایت کے مجتہدین کا پیدا ہونا جن کو کل کھلا کر

اور بصیرت کا حاصل تھی پھر ان کا انہماک خود خراشوں، پھر اُمت کی حدیث کی طرف توجہ اور اس کی جامعیت پر  
 میں مقبولیت اور اشاعت کے سبب واقعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ جس قرآن کی طرح اللہ کے اس میرے زندگی  
 کو محفوظ کرنا مقصود تھا۔ اسی کی بدولت حیات طیبہ کا استداد و تسلسل باقی رہا بعد اُمت کو اپنے ہر دور میں  
 وہ روحانی، ذوقی، علمی و ایمانی میراث ملے یہی جو صحابہ کرام کو عبادہ راستہ حاصل ہوئی تھی، اس طرح جنت  
 عقائد و احکام بھی میں "توارث" کا سلسلہ جاری نہیں رہا، بلکہ ذوق و مزاج میں بھی توارث کا سلسلہ جاری رہا  
 حدیث کے اثر سے عبد صالح کا "مزاج و مذاق" ایک نسل سے دوسری نسل میں ایک جگہ سے دوسرے جگہ تک  
 منتقل ہوتا رہا، اور اُمت کی طویل تاریخ میں کوئی تقسیم تقسیم نہ ہو سکی تھی۔ "مزاج و مذاق"  
 کی سرپرست اور مددگار ہو گیا۔ ہر دور میں ایسے افراد رہے جو صحابہ کرام کے مزاج و مذاق کے حامل رہے جاسکتے ہیں۔  
 وہی جملہات کا ذوق، وہی تقویٰ و خشیت، وہی استقامت و عزیمت، وہی تواضع و احتساب نفس، وہی  
 شوق آخرت، وہی دنیا سے بے رغبتی، وہی جذبہ برام باطن و نفی عن المنکر وہی بدعات سے نفرت اور جذبہ  
 اتباع سنت، جو حدیث کے مطالعہ و شغف کا نتیجہ ہے یا ان لوگوں کی صحبت و قربت کا فیض ہے جنہوں نے وہی  
 مشکوٰۃ نبوت سے روشنی حاصل کی ہو، اور اس سیرت نبوی سے حشر پایا ہو۔ اُمت کا یہ ذہن و مزاجی تواریف  
 قویٰ بقی سے اس چھوٹے صدی ہجری کے عہد غلط و مادیت تک برابر قائم ہے۔ اور سفیان ثوری، محمد بن حنفیہ، یحییٰ  
 اور امام محمد بن حنفیہ سے لے کر مولانا فضل الرحمن گئے مراد آبادی، مولانا رشید احمد گلگندہ اور مولانا سید عبداللہ غزنوی  
 رحمۃ اللہ علیہم تک کی زندگی اور سیرت و اخلاق میں ان کا ہر توصیف نظر آتا ہے، اور جب تک حدیث کا یہ ذخیرہ  
 باقی رہا، اس سے استفادہ کا سلسلہ جاری رہا، اس کے ذریعہ عبد صالح کا اصول منظر ہے۔ دین کا یہ صحیح مذاق  
 جس میں مکتوت کا خیال دنیا پر اُمت کا اثر و رسوم و مزاج پر حاکمیت کا اثر مادیت پر غالب رہا، باقی رہے گا۔  
 بھی اس اُمت کو دنیا پرستی، "مزاج و مذاق"، اخلاق و خیرات اور بدعات و تحریفات کا پورے طور پر شک و شبہ نہ ہو  
 بلکہ اس کے اثر سے جیسے اس اُمت میں اصلاحی و تجدیدی تحریکیں اور دعوتیں اُٹھتی رہیں گی، اور کوئی ان کی مخالفت  
 نہ کی، علم و ادب و سنت و شریعت کے فروغ کے لئے انہیں بردوش رہے گی، جو لوگ اُمت کو زندگی و ہدایت اور

تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے۔ مولانا محمد امجد علی خان کی فاضلہ تصنیف "تدوین حدیث" سے

قوت کے اس سرچشمہ سے محروم کرنا چاہتے ہیں اور اس میں اس ذخیرے کی طرف سے بے اعتمادی اور شک و  
 ادنیٰ باہم پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ وہ امت کو کیا نقصان پہنچا رہے ہیں اور اس کو کس عظیم مضر  
 اور کتنی بڑی دولت سے محروم کر رہے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ وہ اس امت کو اُسی طرح سے ”محروم الارث“  
 منقطع الاصل ادا وادارہ کر دینا چاہتے ہیں جس طرح یہودیت اور عیسائیت کے دشمنوں یا حواریوں نے  
 نے ان عظیم مذاہب کو کر دیا۔ اگر وہ سوچ سمجھ کر ایسا کر رہے ہیں تو ان سے بڑھ کر اس امت اور اس دین کا  
 دشمن کوئی نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ پھر اس ”مزاج و مذاق“ کو دوبارہ پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں جو صحابہؓ  
 کا امتیاز تھا، اور جو بالکل طور پر براہ راست صحبت نبویؐ سے پیدا ہو سکتا ہے یا بالواسطہ حدیث کے ذریعہ  
 جو اس عہد کا جیتا جاگتا مرقع اور حیات نبویؐ کا بولتا چالتا روزنامہ ہے اور جس میں عہد نبویؐ کی کیفیت پیش کی گئی ہے۔

ہندوستان میں ہر دور میں قرآن مجید کے ترجمہ کیساتھ حدیث کے ترجمہ اور اس کی ترتیب اشاعت کا  
 کام جاری رہا۔ جہاں تک ہم کو معلوم ہے یہاں سب سے پہلے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے مشکوٰۃ کا فارسی  
 میں ترجمہ و تشریح کی جو (تختہ المصنف) کے نام سے چھپا ہوا ہے۔ فارسی کا وہ ختم ہو جانے کے بعد غالباً سب سے  
 پہلے مولانا خرم علی صاحب لدویؒ (۱۲۷۷ھ) نے امام صفائی کی مشہور کتاب ”مشارق الانوار“ کا ترجمہ مع  
 تشریح اُردو میں ”تحفۃ الانبیاء“ کے نام سے کیا۔ اس کے متابعانِ دین ولی اللہی کے شاگرد و شیدائے اب  
 قطب الدین خانؒ (م ۱۳۸۹ھ) نے مشکوٰۃ کا اُردو میں ترجمہ ضروری تشریح کیساتھ ”مظاہر حق“ کے نام سے لکھا، جو اپنی  
 تحقیق، ترجمہ کی پیشگی اور صحت اور اپنے مصنف کے اخلاص کی وجہ سے بہت مقبول تھا۔ اس دور کے ختم ہو جانے  
 کے بعد اُردو میں حدیث کے متعدد نئے مجموعے شائع ہوئے جن میں مولانا محمد ابراہیم اردوئی کا مجموعہ ”طریق الشیخ“  
 خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ————— ہمارے اس زمرے میں اُردو میں حدیث کی خدمت کا ایک کام اتنی سچا  
 اور وسیع پیمانے پر مولانا بدر عالم صاحب کر رہے ہیں ان کی تالیف کتاب ”ترجمان السنۃ“ لکھی تین جلدیں تیار  
 ہو کر شائع ہو چکی ہیں، ہماری نظر میں یہ اس سلسلہ کی ایسی فاضلانہ کتاب ہے کہ علماء اور اصحاب درس بھی اس سے  
 استفادہ کر سکیں گے لیکن اُنہوں میں حدیث کی قدیم و جدیدان سب خدمتوں کے بعد بھی ضرورت تھی کہ اس



# معارفُ الحديث



کتابِ اِتِّقَاق

۱

کتابِ الاخلاق

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
نَظَرَ اللَّهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِي فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَأَدَّاهَا  
فَرُبَّ حَامِلٍ فِقْهٍ غَيْرِ فَقِيهٍ وَرُبَّ حَامِلٍ فَقِيهٍ لَمْ يَلِ  
مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ

(مرآۃ الترمذی و ابوداؤد عن زبیل بن ثابت)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: —  
اللہ تعالیٰ اپنے اُس بندے کو شاد و شاداب رکھے جو میری بات سنے، پھر  
اُسے یاد کر لے اور محفوظ رکھے اور دوسروں تک اسے پہونچائے پس بہرے  
لوگ فقہ (یعنی علم دین) کے حامل ہوتے ہیں مگر خود فقیہ نہیں ہوتے۔ اور  
بہت سے علم دین کے حامل اس کو ایسے بندوں تک پہونچا دیتے ہیں جو  
ان سے زیادہ فقیہ ہوں۔ (جامع ترمذی و سنن ابی داؤد)

کیسے خوش نصیب ہیں ان لوگ کہ وہ بندے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کے ارشادات کو سینہ یا سینہ میں محفوظ رکھیں، اور دوسروں کو سنا کر اور  
پہونچا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کے مصداق بنیں۔  
اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ناظرین کو اس خیر عظیم میں حصہ لینے کی توفیق دے۔



## کِتَابُ الرِّقَاقِ

حدیث کی کتابوں میں جس طرح کتاب الایمان، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الکساح، کتاب البیوع وغیرہ عنوان ملت ہوتے ہیں، جن کے تحت ان ابواب کی حدیثیں درج کی جاتی ہیں، اسی طرح ایک عنوان ”کتاب الرِّقَاقِ“ کا ہوتا ہے، جس کے ذیل میں وہ حدیثیں درج کی جاتی ہیں جن سے دل میں رقت اور گداز کی کیفیت پیدا ہو، دنیا سے وابستگی کم ہو، اور آخرت کی فکر بڑھے، اور آدمی اللہ تعالیٰ کی رضا اور اخروی فلاح کو اپنی زندگی کا نصب العین بنائے، اسکے علاوہ اسی عنوان کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤثر خطبات و نصائح اور بواغظ بھی درج کئے جاتے ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ حدیث کے ذخیرے میں سب سے زیادہ مؤثر اور زندگی کے رخ کو بدلنے کی سب سے زیادہ طاقت رکھنے والا حصہ یہی ہوتا ہے، جو کتب حدیث میں ”کتاب الرِّقَاقِ“ کے زیر عنوان درج ہوتا ہے، اسلئے اس کی خاص اہمیت ہے، اور کہا جاسکتا ہے کہ حقیقی اسلامی تصوف کی یہی اساس و بنیاد ہے۔

ہم اس سلسلہ کو حق حدیثوں سے شروع کرتے ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا خوف و خشیت اور آخرت کی فکر دلوں میں پیدا کرنے کی کوشش فرمائی ہے، یا کسی عنوان سے اُس کی فضیلت اور اہمیت بیان فرمائی ہے۔

وہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کے جو اثرات ان جنسب اہل ایمان کے قلوب پر پڑتے تھے جنہوں نے سب سے پہلے خود حضور کی زبان مبارک سے یہ ارشادات





لَضَحِكْتُمْ فَلَيْفَ ————— رواہ البخاری۔

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، سیدنا ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم اُس ذاتِ پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر (اللہ کے) قہر و جلال اور قیامت و آخرت کے لرزہ خیز ہولناک احوال کے متعلق تمہیں وہ سب معلوم ہو جائے، جو مجھے معلوم ہے، تو تمہارا ہنسنا بہت کم ہو جائے، اور روتا بہت بڑھ جائے۔

(بخاری)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی، اور اس کے قہر و جلال، اور قیامت و آخرت کے ہولناک لرزہ خیز احوال کے متعلق جو کچھ مجھے معلوم ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مجھ پر منکشف کر دیا ہے، اگر تم کو بھی اس کا پورا علم ہو جائے، اور تمہاری آنکھوں کو بھی وہ سب نظر آنے لگے جو میں دیکھتا ہوں، اور تمہارے کان بھی وہ سب کچھ سننے لگیں جو میں سنتا ہوں، تو تمہارا چین و سکون ختم ہو جائے، تم بہت کم ہنسو، اور بہت زیادہ روؤ۔ ————— اس کی مزید تفصیل حضرت ابو ذر غفاریؓ کی اگلی حدیث سے معلوم ہوگی۔

(۲) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ مَا لَا تُرَوْنَ وَأَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُونَ أَطْلَبُ السَّمَاءَ وَحَتَّى لَهَا أَنْ تَأْطَا وَالْأَرْضَ نَقِصِي بِبَدَا مَا فِيهَا مَوْضِعَ أَزْبَحِ أَحْبَابَةٍ وَلَا وَمَلَكٍ وَاضِعٌ جَبْهَتَهُ سَاجِدًا لِلَّهِ، وَاللَّهُ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَحَلَّمَكُمُ اللَّهُ فَلَيْلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا وَمَا تَكَلَّدَ ذَمُّرُ الْبَشَاءِ عَلَى الْفُرْشَاتِ وَلَحَنَ حَمْدُهُ لِكُلِّ الصُّعْدَاتِ تَجَارُؤُنَ إِلَهًا اللَّهُ — قَالَ أَبُو ذَرٍّ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ نَجْرًا تَعْصُدُ

(رواہ احمد و الترمذی و ابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت ابو ذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا۔ میں عالم غیب کی وہ چیزیں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے، اور وہ آوازیں سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے، آسمان پر چرار ہا ہے، اور حق ہے کہ وہ جبر چرائے۔ قسم ہے اُس ربِّ ذوالجلال کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، آسمان میں چار انگلی جگہ بھی نہیں ہے، جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ اللہ کے حضور میں اپنا ماتھا رکھے سجدے میں نہ پڑا ہو، اگر تم وہ باتیں جانتے، جو میں جانتا ہوں، تو تم بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے، اور بستر پر بیویوں سے بھی لطفت اندوز نہ ہو سکتے، اور اللہ سے نالہ و فریاد اور گریہ و زاری کرتے ہوئے بیابانوں اور جنگلوں کی طرف نکل جاتے۔ (اس حدیث کو نقل کر کے ابو ذر فرماتے ہیں: کاش! میں ایک درخت ہوتا، جو کاٹ دیا جاتا۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اس سلسلہ کی پہلی جلد (کتاب الایمان) میں جیسا کہ تفصیل سے بیان ہو چکا خدا کے پیغمبر کاہل کام اور مقام یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ جو غیبی حقائق اُس پر منکشف فرمائے، اور جن احکام کی اُس کی طرف وحی کی جائے، وہ اللہ کے دو سر بندگان کو پہونچائے، اور اُس پر ایمان لانے والے لوگوں کو امتیاز کا مقام اور کام یہ ہے کہ اُس پیغمبر کے اعتماد و اعتبار پر ان سب باتوں کو وہ حق جانیں، مانیں، اور ان ہی حقائق کو اپنی زندگی کی بنیاد بنائیں۔ اللہ تعالیٰ نے عام انسانوں کو علم کے جو ذرائع عقل و حواس وغیرہ عطا فرمائے ہیں، ان کی دسترس صرف اسی عالم شہود تک محدود ہے، عالم غیب تک ان کی رسائی نہیں ہے، بسطے غیبی حقائق کی دریافت اور ان کے بارے میں علم و یقین حاصل کرنے کی راہ ہمارے لئے یہی ہے کہ اللہ کے پیغمبروں کے سماع و مشاہدہ اور ان کی خبر پر ہم اعتماد کریں، اور یقین لائیں، اسی کا نام ایمان ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں عالم غیب کے اپنے اس ہیبت ناک انکشاف کا ذکر فرمایا ہے، کہ اللہ کے جلال و نور و زشنوں کی کثرت سے آسمان جبر چرار ہا ہے

اور چار انگل بھر جگہ بھی اُس میں ایسی نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ سر بسجود رہے۔

اللّٰهُ اَكْبَرُ! اللّٰهُ اَعْظَمُ! اللّٰهُ اَجَلُ!۔۔۔۔۔ اُسکے حضور نے فرمایا کہ :- اگر

میری طرح تم بھی وہ سب کچھ جان لو، جو میں جانتا ہوں، اور جو دیکھتا سنتا ہوں، تو تم اس دنیا

میں اس طرح ہنسی خوشی نہ رہ سکو، بستروں پر بیویوں سے لطف اندوزی کا بھی تم کو ہوش

نہ رہے، اور گھروں سے نکل کر جنگلوں میں اللہ کے سامنے نالہ و فریاد اور گریہ و زاری کرتے

پھر۔۔۔۔۔ حدیث کے راوی حضرت ابو ذر غفاریؓ پر اس حدیث کا اتنا اثر پڑا تھا کہ

بعض اوقات اس حدیث کے بیان کرنے کے ساتھ اُن کے دل کی یہ آواز زبان سے نکل

جاتی تھی کہ :- لے کاش! میں ایک درخت ہوتا، جس کو جڑ سے کاٹ ڈالا جاتا، اور پھر

آخرت میں حساب کے لئے میری پستی نہ ہوتی

(ف) اللہ تعالیٰ کو انسانوں سے چونکہ خلافت ارضی کا کام لینا ہے، اور وہ جب ہی

ممکن ہے کہ انسان اس دنیا میں اطمینان اور سکون کے ساتھ رہ سکے، اسلئے وہ حقیقتیں و

وہ چیزیں عام انسانوں سے پردہ غیب میں رکھی گئی ہیں جن کے انکشاف کے بعد آدمی اس

دنیا میں سکون سے نہیں رہ سکتا، مثلاً قبر کا یاد و زخ کا عذاب، اور اسی طرح قیامت کے

لرزہ خیز مناظر اگر اس دنیا میں ہم جیسے انسانوں پر منکشف کر دیئے جائیں، اور ہم لوگ ان کو

براہی بالبین دیکھ سکیں، تو پھر اس دنیا میں ہم کوئی کام نہیں کر سکتے، بلکہ زیادہ دنوں تک

زندہ بھی نہیں رہ سکتے۔۔۔۔۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کو جو خاص

کام لینا تھا، اُسکے لئے ضروری تھا کہ آپ پر ان چیزوں کا انکشاف کر دیا جائے، اور ایک

درجہ پر ان حقائق کا شاہدہ آپ کو کر دیا جائے، تاکہ آپ کے اندر وہ عین الیقین اور حق الیقین

پیدا ہو جائے، جس کی آپ کے منصب عالی اور کارِ عظیم کے لئے ضرورت تھی، اسلئے اس قسم کے

بہت سے غیبی حقائق آپ پر منکشف کئے گئے، اور اسی کے ساتھ حکمت خداوندی نے آپ کے

قلبِ مبارک کو وہ غیر معمولی طاقت بھی بخشی، کہ اس انکشاف اور شاہدہ کے باوجود آپ اپنے

تہام فرائض منصبی کو بحسن و خوبی انجام دے سکیں، اور دنیا میں ایسی جاس اور معتدل زندگی گزار سکیں، جو قیامت تک پیدا ہونے والے ہر قسم اور ہر طبقے کے انسانوں کے لئے نواز بن سکے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

**غفلت کو دور کرنے کیلئے موت کو زیادہ یاد کرو:-**

(۳) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 لِيُصَلِّيَ فَرَأَى النَّاسَ كَأَنَّهُمْ يَلْعَنُونَ قَالَ أَمَا لَكُمْ لَوْ  
 أَكْثَرْتُمْ ذِكْرَ هَذَا مِنَ الدَّائِبِ لَشَغَلَكُمْ هَذَا أَرَى الْعَوْتَ  
 فَأَكْثَرُوا ذِكْرَ هَذَا مِنَ الدَّائِبِ الْعَوْتَ فَإِنَّهُ لَمَيَاتٍ عَلَى الْعَبْرِ  
 يَوْمَ لَا تَعْمَلُ فَيَقُولُ أَنَا بَيْتُ الْعَرْشِ وَأَنَا بَيْتُ الْخُدَّةِ  
 وَأَنَا بَيْتُ الشَّرَابِ وَأَنَا بَيْتُ الدُّوْدِ وَأَنَا بَيْتُ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ  
 قَالَ لَهُ الْقَبْرِ مَرْجَبًا وَأَهْلًا أَمَا إِنْ كُنْتَ لَا تُحِبُّ مِنْ يَمِينِي  
 عَلَى ظَهْرِي إِلَى فَإِذَا أَرَلْتَنَا الْيَوْمَ وَصِرْتُ إِلَى قَسْرَى صَنِيعِي  
 بِكَ قَالَ فَيَتَسَّرُ لَهُ مَدَّ بَصِيرَةٍ وَيَقْتَضِيهِ بَابٌ إِلَى الْجَنَّةِ فَإِذَا  
 دُفِنَ الْعَبْدُ الْفَاجِرُ أَوْ الْكَافِرُ قَالَ لَهُ الْقَبْرِ لَا مِنْ جِهَةٍ وَلَا  
 أَهْلًا أَمَا إِنْ كُنْتَ لَا بُغْضَ مِنْ يَمِينِي عَلَى ظَهْرِي إِلَى فَإِذَا  
 دُفِنْتَ الْيَوْمَ وَصِرْتُ إِلَى قَسْرَى صَنِيعِي بِكَ قَالَ فَيَلْتَمِسُ  
 عَلَيْهِ حُطَّةٌ تَخْتَلِفُ أَضْلَافُهُ قَالَ وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَصَابِعِهِ فَأَدْخَلَ بَعْضُهَا فِي جَوْفِ بَعْضٍ قَالَ  
 وَيَقْفِضُ لَهُ سَبْعُونَ نَبِيئًا كَأَنَّهُمْ وَاحِدٌ مِنْهَا لَمْ يَلْزَمِ  
 مَا أَنْبَتْ نَبِيئًا مَا لَقِيَتْ الدُّنْيَا فَيَتَكَسَّنُهُ وَيَخْدُ شُفْحَةً

يُفَضِّلُ بِهِ إِلَى الْحِسَابِ قَالَ وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ أَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفْرِ الْمَنَارِ \_\_\_\_\_ رواه الترمذی -

(ترجمہ) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن نماز کے لئے گھر سے مسجد تشریف لائے، تو آپ نے لوگوں کو اس حال میں دیکھا کہ گویا (وہاں مسجد ہی میں) وہ کھل کھلا کر ہنس رہے ہیں، (اور یہ حالت علامت تھی غفلت کی زیادتی کی) اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اُن کی اس حالت کی اصلاح کے لئے) ارشاد فرمایا،۔۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اگر تم لوگ لذتوں کو توڑ دینے والی موت کو زیادہ یاد کرو، تو وہ تمہیں اس غفلت میں مبتلا نہ ہونے دے، لہذا موت کو زیادہ یاد کیا کرو۔

(اسکے بعد فرمایا) \_\_\_\_\_ حقیقت یہ ہے کہ قبر (یعنی زمین کا وہ حصہ جس کو مرنے کے بعد آدمی کا آخری ٹھکانا بننا ہے) ہر روز پکارتی ہے \_\_\_\_\_ (ظاہر ہے کہ زبان قال سے پکارتی ہے، اور اس کی اس پکار کو وہی سن سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ سنانا چاہے، اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہر روز قبر زبان حال سے پکارتی ہے) کہ میں مسافت اور تنہائی کا گھر ہوں، میں مٹی اور کپڑوں کا گھر ہوں (اور قبر کی زبان حال کی اس پکار کو تو ہر وہ بندہ ہر وقت سن سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے زبان حال کی باتیں سننے والے کان عطا فرمائے ہوں) \_\_\_\_\_

(اسکے بعد آپ نے اس کی تفصیل بیان فرمائی کہ مرنے کے بعد جب بندہ کا واسطہ اُس زمین سے پڑتا ہے، اور وہ اُسکے سپرد ہوتا ہے، تو ایمان و عمل کے فرق کے لحاظ سے زمین کا برتاؤ اُسکے ساتھ کتنا مختلف ہوتا ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا) جب وہ بندہ زمین کے سپرد کیا جاتا ہے جو حقیقی مومن و مسلم ہو، تو زمین (کسی عزیز

اور محترم ہمان کی طرح اس کا استقبال کرتی ہے، اور کہتی ہے: مرحبا! (میسرا  
 دیدہ و دل فرس را) خوب آئے، اور اپنے ہی گھر آئے، تجھیں معلوم ہونا چاہئے کہ  
 جتنے لوگ میسر اوپر چلتے تھے ان میں سب سے زیادہ محبوب اور چہیتے مجھے تم ہی تھے  
 اور آج جب تم میسر سپرد کر دیئے گئے ہو، اور میسر پاس آگئے ہو، تو تم دیکھو گے  
 کہ (تمہاری خدمت اور راحت رسانی کے لئے) میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرتی  
 ہوں، پھر وہ زمین اس بندہ مومن کیلئے حدنگاہ تک وسیع ہو جاتی ہے، اور اس کی واسطے  
 جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ اور جب کوئی مسحت  
 بدکار قسم کا آدمی (یا) (آپ نے فرمایا، کہ) ایمان نہ لانے والا آدمی زمین کے سپرد  
 کیا جاتا ہے، تو زمین اس سے کہتی ہے کہ جتنے آدمی میسر اوپر چلتے پھرتے تھے  
 تو مجھے ان سب سے زیادہ بغض تھا، اور آج جب تو میسر ہوا کر دیا گیا ہے، اور  
 میرے قبضے میں آگیا ہے، تو ابھی تو دیکھے گا کہ میں تیرے ساتھ کیا کرتی ہوں۔ آپ نے  
 فرمایا کہ۔۔۔ پھر وہ زمین ہر طرف سے اس کو بھیجتی اور دباتی ہے، یہاں تک کہ  
 اس دباؤ سے اس کی پسلیاں اُدھر سے اُدھر ہو جاتی ہیں۔۔۔ ابوسعید خدری  
 کا بیان ہے کہ حضور نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں میں دوسرے ہاتھ کی انگلیاں ڈال کر  
 ہم کو اس کا نقشہ دکھایا۔۔۔ اس کے بعد فرمایا۔۔۔ پھر اس پر ستر اڑ دے  
 مسئلہ کر دیئے جاتے ہیں، جن میں سے ایک اگر زمین میں پھنکار مارے، تو رہتی دنیا  
 تک وہ زمین کوئی ہنر نہ اگاسکے، پھر یہ اڑ دے اسے برابر کاٹتے نوچتے رہیں گے،  
 یہاں تک کہ قیامت اور حشر کے بعد وہ حساب کے مقام تک پہنچا دیا جائے۔  
 ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ۔۔۔ اور حضور نے یہ بھی فرمایا کہ، اس کے سوا  
 کچھ نہیں، کہ قبر یا تو جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے، یا دوزخ کے خنڈوں  
 میں سے ایک خنڈ ہے۔

(تشریح) قبر کے عذاب و ثواب کے متعلق پوری تفصیل سے گفتگو پہلی جلد میں کیا چکی ہے۔ اور عقل کی خامی سے جو سوالات اور شبہات اس بارہ میں پیدا ہو سکتے ہیں، اُن کا جواب بھی دیں دیا جا چکا ہے۔ یہ بھی دیں بتایا جا چکا ہے کہ قبر سے مراد عالم برزخ کا ٹھکانا ہے، خواہ وہ اصطلاحی قبر ہو یا کچھ اور، نیز دیں یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ ثواب یا عذاب کی تفصیلات میں جہاں جہاں حدیثوں میں تشریح کا یا اسی طرح کا کوئی دوسرا اثر وارد آتا ہے تو اُس سے مراد صرف کثرت اور بہتات بھی ہو سکتی ہے، الغرض ان سب پہلوؤں پر تفصیل سے گفتگو پہلی جلد میں کی جا چکی ہے، یہاں تو حدیث کی اس روح کو سمجھنا چاہئے کہ بندے کو خدا سے اور آخرت کے اپنے انجام سے کسی وقت بھی غافل نہ ہونا چاہئے، اور موت اور قبر کو یاد کرنے اور یاد رکھنے کے ذریعہ غفلت کا علاج کرتے رہنا چاہئے، اور بلاشبہ یہ تیر بہدین علاج ہے صحابہ کرام میں جو تقویٰ، جو خوفِ خدا اور آخرت کی جو فکر تھی، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی طریقِ علاج کا نتیجہ تھا، اور آج بھی یہ اوصاف کچھ اُن ہی بندگانِ خدا میں نظر آتے ہیں جنہوں نے موت اور قبر کی یاد کو اپنا وظیفہ بنا رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ موت اور قبر کی یاد کے ذریعہ اپنی غفلتوں کا علاج کریں، اور خدا کے خوف و خشیت اور آخرت کی فکر کو اپنی زندگی کی اساس بنائیں۔

(۳) عَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ذَهَبَ مُلْكًا أَلِيلًا قَامَ فَقَالَ بَايْتُهَا النَّاسُ أَذْكُرُوا اللَّهَ أَذْكُرُوا اللَّهَ جَاءَتِ الرَّاحَةُ تَتَّبِعُهَا الرَّاحَةُ جَاءَتِ الْمَوْتُ بِمَا فِيهِ جَاءَتِ الْمَوْتُ بِمَا فِيهِ

(ترجمہ) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب دو تہائی رات گزر جاتی تو آپ اُٹھتے، اور فرماتے: اے لوگو! اللہ کو یاد کرو، اللہ کو یاد کرو، قریب آگیا ہے بلاؤں والے والا

قیامت کا بھونچال (یعنی فتنہ اولیٰ) اور اسکے چھپے آگے ہے دوسرا (یعنی فتنہ ثانیہ)  
موت اُن سب احوال کو ساتھ لے کر سر پر آچکی ہے جو اس کے ساتھ آتے ہیں، تو  
اپنے متعلقات و مضمرات کے ساتھ سر پر آچکی ہے۔ (ترغی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رات کے معمولات کے متعلق جو مختلف احادیث  
مروی ہیں، اُن سب کو پیش نظر رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا اکثری معمول اور عام عادت مبارک  
یہ تھی کہ شروع میں قریب تہائی رات تک آپ اپنے خاص مشاغل و مصروفیات اور نماز و عبادت وغیرہ  
سے فارغ ہوتے تھے، اسکے بعد کچھ آرام فرماتے تھے، اور پھر تہجد کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے تھے،  
اور جب رات کا آخری تہائی حصہ رہ جاتا، تو جیسا کہ حضرت ابی بن کعبؓ کی اس حدیث میں فرما کر  
کیا گیا ہے، آپ اپنے متعلقین اور عام اہل ایمان کو بھی ذکر و عبادت کے لئے بیدار کر دینا چاہتے  
تھے، اور نیند کی پیدا کی ہوئی غفلت کو دور کرنے کے لئے اُس وقت آپ اُن کو قیامت کی لرزہ خیز  
بولنایاں اور موت کی بے پناہ سختیاں یاد دلاتے تھے۔ بلاشبہ خواب غفلت کو دور کرنے  
کے لئے، اور اللہ کے بندوں میں فکر اور چونک پیدا کر کے اُن کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر دینے اور  
اُس کی عبادت اور ذکر میں مشغول کر دینے کے لئے یہ نسخہ بڑا کبیرہ ہے۔ آج بھی جس شخص کو  
آخری رات میں تہجد کے لئے بستر سے اٹھنا مشکل ہو، وہ اگر اُس وقت موت اور قبر اور قیامت کی  
سختیوں کو یاد کر لیا کرے، تو تجربہ ہے کہ نیند کا نشہ کا فور ہو جاتا ہے۔

خوف اور فکر والے ہی کامیاب ہونے والے ہیں :-

(۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
مَنْ خَافَ أَذْيَهُ وَمَنْ أَذْيَهُ بَلَغَ الْمَنْزِلَ الْكَلَامَ سِلْعَةُ اللَّهِ خَالِيَةً  
الْكَلَامَ سِلْعَةُ اللَّهِ الْجَنَّةُ \_\_\_\_\_ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ



علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :- جو شخص ڈرتا ہے، وہ شروع رات میں چل دیتا ہے  
 اور جو شروع رات میں چل دیتا ہے، وہ عافیت کے ساتھ اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے  
 یا درکھو، اللہ کا سودا سستا نہیں بہت فنگا اور بہت قیمتی ہے، یاد رکھو، اللہ کا  
 وہ سودا جنت ہے (ترغی)

(قشر صحیح) عرب کا عام دستور تھا کہ مسافروں کے قافلے رات کے آخری حصہ میں چلتے  
 تھے، اور اس کی وجہ سے قزاقوں اور رہزनों کے حملے بھی عموماً سحر ہی میں ہوتے تھے، اس کا قدرتی  
 نتیجہ یہ تھا کہ جس مسافر یا جس قافلے کو رہزनों کے حملے کا خوف ہوتا، وہ بجائے آخری رات کے  
 شروع رات میں چل دیتا، اور اس تدبیر سے بحفاظت و عافیت اپنی منزل پر پہنچ جاتا۔  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال سے سمجھایا کہ جس طرح رہزनों کے حملے سے ڈرنے والے  
 مسافر اپنے آرام اور اپنی نیند کو قربان کر کے چل دیتے ہیں، اُسی طرح انجام کا فکر رکھنے والے  
 اور دوزخ سے ڈرنے والے مسافر آخرت کو چاہئے کہ اپنی منزل (یعنی جنت) تک پہنچنے کیلئے  
 اپنی راحتوں لذتوں اور خواہشوں کو قربان کرے، اور منزل مقصود کی طرف تیز گامی چلے۔  
 اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ :- بندہ اللہ تعالیٰ سے جو کچھ لینا چاہتا ہے وہ  
 کوئی سستی اور کم قیمت چیز نہیں ہے کہ یوں ہی مفت دے دی جائے، بلکہ وہ نہایت گرانقدر  
 اور بیش قیمت چیز ہے، جو جان و مال اور خواہشات نفس کی قربانی سے ہی حاصل کی جاسکتی ہے،  
 اور وہ چیز جنت ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔ رَاٰیَ اللّٰهُ اَشْرَے  
 مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ يَآئِلًا لِّمَعْمَلِ الْجَنَّةِ۔۔۔۔۔۔ الایہ۔۔۔۔۔  
 اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے اُن کے جان و مال جنت کے عوض میں  
 خرید لئے ہیں، وہ اپنا جان و مال اللہ کی راہ میں قربان کر دیں تو جنت کے مستحق ہوں گے، گویا  
 جنت وہ سودا ہے جس کی قیمت بندوں کا جان و مال ہے۔

موت اور آخرت کی تیاری کر نیوالے ہی ہوشیار اور دوراندیش ہیں :-

(۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ رَحِلْتُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ مَنْ أَكْبَسَ لِلنَّاسِ وَأَحْزَنَ لِلنَّاسِ قَالَ أَكْبَرَهُمْ ذِكْرُ الْمَوْتِ وَأَكْثَرُهُمْ اسْتِعْلَادًا أُولَئِكَ أَكْبَسَ دَهَبًا شَدِيدَ الدُّنْيَا وَكَرَامَةَ الْآخِرَةِ —  
(رواه الطبرانی فی المعجم الصغیر)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ، اے اللہ کے پیغمبر! بتلائیے کہ آدمیوں میں کون زیادہ ہوشیار اور دوراندیش ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا، وہ جو موت کو زیادہ یاد کرتا ہے، اور موت کے لئے زیادہ سے زیادہ تیاری کرے گا جو لوگ ایسے ہیں وہی دانشمند اور ہوشیار ہیں، انھوں نے دنیا کی عزت بھی حاصل کی، اور آخرت کا اعزاز و اکرام بھی۔ (مجموعہ صغیر طبرانی)

(تشریح) جب یہ حقیقت ہے کہ اہل زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے جس کیلئے کبھی فنا نہیں، تو اس میں کیا شبہ کہ دانشمند اور دوراندیش اللہ کے دہی بندے ہیں جو ہمیشہ موت کو پیش نظر رکھ کر اس کی تیاری کرتے رہتے ہیں، اور اسکے برعکس وہ لوگ بڑے ناواقفیت اندیش اور احمق ہیں جنہیں اپنے مرنے کا تو پورا یقین ہے لیکن وہ اس سے اور اس کی تیاریوں سے غافل رہ کر دنیا کی لذتوں میں مسرور اور منہمک رہتے ہیں۔

(۷) عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
الْكَيْسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتَمَّ  
نَفْسَهُ حَوَاهَا وَتَمَشَّى عَلَى اللَّهِ ————— رواه الترمذی وابن ماجہ

(ترجمہ) شذا دین اوس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:۔ ہوشیار اور توانا وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے، اور موت کے بعد کے لئے (یعنی آخرت کی نجات و کامیابی کے لئے) عمل کرے، اور نادان و ناتواں وہ ہے، جو اپنے کو اپنی خواہشات نفس کا تابع کر دے (اور بجائے احکام خداوندی کے اپنے نفس کے تقاضوں پر چلے) اور اللہ سے امیدیں باندھے (تو دنیا و دین مباحہ)

(تشریح) دنیا میں کس (چالاک و ہوشیار اور کامیاب) وہ سمجھا جاتا ہے جو دنیا کمانے میں چیت و چالاک ہو، خوب دونوں ہاتھوں سے دنیا سمیٹتا ہو، اور جو کرنا چاہے کر سکتا ہو، اور بیوقوف و ناتواں وہ سمجھا جاتا ہے جو دنیا کمانے میں تیز و چالاک نہ ہو۔ اور اہل دنیا جو اس دنیوی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، ان کو ایسا ہی سمجھنا بھی چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بتلایا کہ چونکہ اصل زندگی یہ چند روزہ زندگی نہیں بلکہ آخرت کی نہ ختم ہونے والی زندگی ہی اصل زندگی ہے، اور اس زندگی میں کامیابی ان ہی کے لئے ہے، جو اس دنیا میں اللہ کی اطاعت اور بندگی والی زندگی گزاریں۔ اسلئے درحقیقت دانشمند اور کامیاب اللہ کے وہ بندے ہیں جو آخرت کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں اور جنہوں نے اپنے نفس پر قابو پا کر اس کو اللہ کا مطیع و فرمانبردار بنا رکھا ہے۔ فور اسکے برعکس جن احمقوں کا حال یہ ہے کہ انہوں نے اپنے کو نفس کا بندہ بنا لیا ہے، اور وہ اس دنیوی زندگی میں اللہ کے احکام و اوامر کی پابندی کے بجائے اپنے نفس کے تقاضوں پر چلتے ہیں، اور اسکے باوجود اللہ سے اچھے انجام کی امیدیں باندھتے ہیں، وہ یقیناً بڑے نادان اور ہمیشہ ناکام رہنے والے ہیں، خواہ دنیا کمانے میں وہ کتنے ہی چیت و چالاک اور پھر تیلے نظر آتے ہوں، لیکن فی الحقیقت وہ بڑے نابالغت اندیش، کم عقل، اور ناکامیاب و نامراد ہیں، کہ جو حقیقی اور واقعی زندگی آنے والی ہے اس کی تیاری سے غافل ہیں، اور نفس پرستی کی زندگی گزارنے کے باوجود اللہ سے خواہرستی والے اچھے انجام کی امید رکھتے ہیں، نادان اتنی بڑی

بات نہیں سمجھتے، کہ :-

گندم از گندم بر دید جوز جو از مکافات عمل غافل شو  
اس حدیث میں اُن لوگوں کو خاص آگاہی دی گئی ہے جو اپنی علی زندگی میں اللہ کے احکام اور آخرت کے انجام سے بے پروا اور بے فکر ہو کر اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، اور اسکے باوجود اللہ کی رحمت اور اسکے کرم سے اُمیدیں رکھتے ہیں، اور جب اللہ کا کوئی بندہ ٹوکتا ہے، تو کہتے ہیں کہ اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے، اس حدیث نے بتلایا کہ ایسے لوگ دھوکے میں ہیں، اور اُن کا انجام نامرادی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ دُعا یعنی اللہ سے رحمت اور کرم کی اُمید وہی محمود ہے جو عمل کے ساتھ ہو، اور جو اُمید بے عمل اور بد عمل اور آخرت کی طرف سے بے فکری کے ساتھ ہو، وہ رہا وہ محمود نہیں ہے، بلکہ نفسِ شیطانی کا قریب ہے۔

نیکی اور عبادت کر کے ڈرنے والے بندے :-

(۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ هَذِهِ آيَةِ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَلْعُمُ الَّذِينَ يَشْرِبُونَ الْخَمْرَ وَيَسْرِقُونَ؟ قَالَ لَا يَا ابْنَةَ الْعَبْدِ وَلَكِنَّهُمْ الَّذِينَ يَصُومُونَ وَيُصَلُّونَ وَيَتَصَدَّقُونَ وَهُمْ يَخَافُونَ أَنْ لَا يَقْبَلَ مِنْهُمْ أَوْلِيَاكَ الَّذِينَ يُسَارِقُونَ فِي الْخَيْرَاتِ -

(رواہ الترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کی آیت "وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ" کے بارے میں دریافت کیا کہ :- کیا یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں، اور چوری

کرتے ہیں؟ — آپ نے فرمایا: اے میرے صدیق کی بیٹی! نہیں، بلکہ وہ اللہ کے وہ خدا ترس بندے ہیں جو روزے رکھتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں اور صدقہ و خیرات کرتے ہیں، اور اس کے باوجود وہ اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں اُن کی یہ عبادتیں قبول نہ کی جائیں، یہی لوگ بھلائیوں کی طرف تیزی سے دوڑتے ہیں۔

(ترمذی و ابی ماجہ)

(تشریح) سورہ مومنوں کے چوتھے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اُن بندوں کے کچھ اوصاف بیان فرمائے ہیں، جو بھلائی اور خوش انجامی کی طرف تیزی سے جانے والے اور سبقت کرنے والے ہیں، اس سلسلہ میں اُن کا ایک وصف یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے: ”وَالَّذِينَ كَانُوا أَزْوَاجًا وَلَوْ رُحِمُوا عَنْ صَلَاتِهِمْ سَخَطٌ“ (جس کا غفلت پر غصہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو دیتے ہیں جو کچھ کہ دیتے ہیں، اور اُن کے دل ترساں رہتے ہیں)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اسی آیت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ: کیا اس سے مراد وہ لوگ ہیں، جو شامت نفس سے گناہ تو کرتے ہیں، مگر گناہوں کے بارے میں نڈر اور بے باک نہیں ہوتے، بلکہ گناہکاری کے باوجود اُن کے دلوں میں خدا کا خوف ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: کہ نہیں! اس آیت سے مراد ایسے لوگ نہیں ہیں، بلکہ اللہ کے وہ عبادت گزار اور اطاعت شعار بندے مراد ہیں، جن کا حال یہ ہے کہ وہ نماز، روزہ، اور صدقہ و خیرات جیسے اعمال صالحہ کرتے ہیں، اور اس کے باوجود اُن کے دلوں میں اس کا خوف اور اندیشہ رہتا ہے کہ معلوم نہیں ہمارے یہ اعمال بارگاہِ خداوندی میں قبول بھی ہوں گے، یا نہیں۔ قرآن مجید میں ان بندوں کا یہ وصف بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے: ”وَالَّذِينَ كَانُوا أَزْوَاجًا وَلَوْ رُحِمُوا عَنْ صَلَاتِهِمْ سَخَطٌ“ (یہی بندے حقیقی بھلائیوں، اور خوش حالیوں کی طرف تیز گام ہیں، اور حقیقی کامیابی کی اس راہ میں آگے نکل جانے والے ہیں)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کو جواب دیتے ہوئے اس سلسلہ کی اس آخری

آیت کی طرف بھی اشارہ فرمایا، اور بتلایا کہ دلوں کا یہی خوف اور فکر بھلائی اور خوشنہالی سے  
بہکنار کرانے والا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی شاہین بے نیاز ذی اور اس کا قہر و جلال اس کی  
ڈرنے کے لائق ہے، کہ بندہ بڑی سے بڑی نیکی اور عبادت کرنے کے باوجود ہرگز مطمئن نہ ہو،  
اور برابر ڈرتا رہے، کہ کہیں میرا یہ عمل کسی کھوٹ کی وجہ سے سرسبز شجر پر نہ مار دیا جائے کسی  
دل میں جس قدر خوف ہوگا، اسی قدر وہ خیر و صلاح کی راہ میں آگے بڑھتا رہے گا۔

قیامت کے دن بٹے سے بڑا عبادت گزار بھی اپنی عبادت کو پیچ سمجھے گا:-

(۹) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَوْ أَنَّ رَجُلًا يَخْلُقُ عَلَى وَجْهِهِ مِنْ  
يَوْمِهِ لَكَرَأَى يَوْمَ يَمُوتُ فِي مَرْضَاةٍ اللَّهُ لَعَنَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

(مسند احمد)

(ترجمہ) عتبہ بن عبید سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے  
روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا، اگر کوئی شخص اپنی پیدائش کے دن  
سے موت کے دن تک برابر اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے سجدہ میں پڑتا رہے،  
تو قیامت کے دن اپنے اس عمل کو بھی وہ حقیر سمجھے گا۔ (مسند احمد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جب انسان پر وہ حقیقتیں منکشف ہو گئی  
اور جزا و سزا اور عذاب و ثواب کے وہ مناظر آنکھوں کے سامنے آجائیں گے، جو یہاں پر غیب  
میں ہیں، تو اللہ کے وہ بندے بھی جنہوں نے اپنی زندگی کا زیادہ سے زیادہ حصہ اللہ تعالیٰ کی  
عبادت میں گنوارا ہوگا، یہی محسوس کریں گے کہ ہم نے کچھ بھی نہیں کیا، حتیٰ کہ اگر کوئی بندہ ایسا ہو  
جو پیدائش کے دن سے موت کی گھڑی تک برابر سجدہ ہی میں پڑا رہا ہو، اس کا احساس بھی  
ہوگا، اور وہ اپنے اس عمل کو بھی پیچ سمجھے گا۔

قیامت کے دن معمولی سمجھے جانے والے گناہوں کی بھی باز پرس ہوگی :-

(۱۰) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عَائِشَةُ  
إِبْرَائِيلَ وَمُحَمَّدَاتِ الدُّنْيَا قَاتِلَا لَهَا مِنَ اللَّهِ طَائِلًا

(رواہ ابن ماجہ، طالعاری، والبیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا :- اے عائشہ! اپنے کو اُن گناہوں سے بچانے کی خاص طور سے کوشش اور فکر کرو، جن کو حقیر اور معمولی سمجھا جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کی بھی باز پرس ہونے والی ہے۔

(سنن ابن ماجہ، مسند دارمی، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) جن لوگوں کو آخرت اور حساب کتاب کی کچھ فکر ہوتی ہے اور جو اللہ کے عذاب اور اس کی پکڑ سے ڈرتے ہیں، وہ کبیرہ یعنی بڑے گناہوں سے بچنے کا تو عام طور پر اہتمام کرتے ہیں، لیکن جو گناہ ہلکے اور صغیرہ سمجھے جاتے ہیں، ان کو خفیہ اور معمولی سمجھنے کی وجہ سے اللہ کے بہت سے خدا ترس بندے بھی ان سے بچنے کی فکر زیادہ نہیں کرتے، حالانکہ اس حیثیت سے کہ وہ گناہ ہیں، اور ان کے کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہوئی ہے، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی بھی باز پرس ہونی ہے، یہیں ان سے بچنے کی بھی پوری پوری فکر اور کوشش کرنی چاہئے۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہی نصیحت فرمائی ہے، اگرچہ اس کی خاص مخاطب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں، لیکن درحقیقت یہ انتباہ اور یہ ہدایت و نصیحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنی امت کے سب مردوں اور عورتوں کے لئے ہے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص گھر والوں کو بھی اس فکر اور احتیاط کی

ضرورت ہے تو ہاشما کے لئے اس میں غفلت اور سپرد والی کی کیا گنجائش ہے۔  
حقیقت یہ ہے کہ صغیرہ گناہ اگرچہ کبیرہ کے مقابلہ میں صغیرہ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا  
باعث ہونے کی حیثیت سے اور اس حیثیت سے کہ آخرت میں اس کی بھی باز پرس ہوئے والی ہم  
ہرگز صغیرہ اور ہلکا نہیں ہے، دونوں میں بنیاتی فرق جو جتنا کہ زیادہ نہ رہے اور کم نہ رہے  
سانپوں میں ہوتا ہے، پس جس طرح کم زہر والے سانپ سے بھی ہم بچتے اور بھاگتے ہیں اسی  
طرح ہمیں صغیرہ گناہوں سے بھی اپنے کو بھالنے اور محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے،  
یہی اس حدیث کا منشا اور مقصد ہے۔

گناہوں کے انجام کا خوف اور رحمت خداوندی سے امید :-

(۱۱) عَنْ أَكْبَرِ الْأَكْبَرِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَى شَاطِئِ  
وَهُوَ فِي الْمَوْتِ فَقَالَ كَيْفَ تَجِدُكَ قَالَ أَرْجُو اللَّهَ يَا رَسُولَ اللَّهِ  
فَلَدَّتْ آخَاتٌ دُخُونِي فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجْعَلُ مَعَانِ  
فِي قَلْبِي مِثْلَ هَذَا الْمَوْطِنِ إِلَّا أَغْطَا اللَّهُ مَا يَنْجُو مِنْهُ  
وَأَمَنَهُ وَمَعَ آيَاتِ

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم ایک جوان کے پاس اُسکے آخری وقت میں جبکہ وہ اس دنیا سے رخصت  
ہو رہا تھا، تشریف لے گئے، اور آپ نے اُس سے دریافت فرمایا کہ اس وقت  
تم اپنے کو کس حال میں پاتے ہو؟ اُس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرا حال یہ ہے  
کہ میں اللہ تعالیٰ سے رحمت کی امید ہی رکھتا ہوں، اور اُنسی کے ساتھ مجھے اپنے  
گناہوں کی سزا اور عذاب کا ڈر بھی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا، یقین کر لو  
دل میں امید اور خوف کی یہ دونوں کیفیتیں ایسے عالم میں (یعنی موت کے وقت میں)



جمع ہوں، تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ ضرور عطا فرمادیں گے، جس کی اس کو اللہ شریک  
رست سے امید ہے، اور اس عذاب سے اس کو ضرور محفوظ رکھیں گے، جس کا اس کے  
دل میں خوف و ڈر ہے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) بیشک اللہ کا خوف اور اس کے عذاب اور اس کی بکڑ سے ڈرنا ہی نہایت  
کی گنجی ہے۔

جس کے دل میں کسی موقع پر بھی اللہ کا خوف پیدا ہوا، وہ دوزخ سے نکلوا لیا جائے گا۔

(۱۲) عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقُولُ اللَّهُ  
جَلَّ وَكَلَمًا آخِرَ جُودٍ مِنَ النَّارِ مَنْ ذَكَرَنِي يَوْمًا أَوْ خَافَنِي فِي  
مَقَامٍ ————— رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي كِتَابَيْهِمَا وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ  
(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن  
(ان فرشتوں کو جو دوزخ پر مقرر ہوں گے) حکم دے گا، کہ جس شخص نے کسی بے  
یاد کیا، یا کسی موقع پر جو بندہ مجھ سے ڈرا، اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے۔  
(جامع ترمذی، کتاب البعث والنشور البیہقی)

(تشریح) کتاب الایمان میں جیسا کہ تفصیل سے بتایا جا چکا ہے، یہ بات کتاب سنت  
کی تصریحات سے قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہو چکی ہے، کہ جو شخص کفر یا شرک کی حالت میں اس  
دنیا سے جائے گا، وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہے گا، اور اس کا کوئی عمل بھی اس کو دوزخ  
سے نہ نکلوا سکے گا، پہلے حضرت انس کی اس حدیث کا مطلب یہ ہوا، کہ جو شخص دنیا سے اس  
حالت میں گیا کہ وہ کافر یا مشرک نہیں تھا، بلکہ ایمان آگیا، لیکن گناہ اس کے بہت تھے  
اور اصل گناہ کا ذخیرہ اس کے ساتھ نہیں تھا، بجز اس کے کہ اس نے کبھی اللہ کو یاد کیا تھا، یا کسی

موت پر جسکے دل میں خدا کے خوف کی کچھ کیفیت پیدا ہوئی تھی، تو قیامت کے دن اپنے قصیدہ کی سزا بھگتنے کے لئے دوزخ میں ڈال تو دیا جائے گا، لیکن پھر کسی دوسرے شخص کے ذکر اور نیت کی برکت سے اُس کو نجات مل ہی جائے گی، اور وہ دوزخ سے نکال دیا جائے گا۔ واللہ اعلم

اللہ کے خوف سے نکلنے والے آنسوؤں کی برکت :-

(۱۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ مَوْتٍ يَخْلُصُ مِنْ حَتِيئَةٍ مَوْتًا وَلَا كَانَ مِثْلَ نَائِمٍ الدُّبَابُ مِنْ حَتِيئَةِ اللَّهِ لَقَدْ تَصَوَّبَ شَيْئًا مِنْ حَقِّ جَهَنَّمَ إِنْ تَعَلَّقَ اللَّهُ بِكَ النَّارَ ————— (مسند ابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :- اللہ کے خوف اور نیت سے جس بندہ موت کی آنکھوں سے کچھ آنسو نکلیں، اگرچہ وہ مقدار میں بہت کم مثلاً کئی کے سر برابر یا یعنی ایک قطرہ ہی کے بقدر) ہوں، پھر وہ آنسو بہہ کر اُسکے چہرہ پر پہنچ جائیں، تو اللہ تعالیٰ اُس چہرہ کو آتش دوزخ کے لئے حرام کر دے گا۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو چہرہ خوف خدا کے آنسوؤں سے کبھی تر ہوا ہو، اُس کو دوزخ کی آگ سے بالکل محفوظ رکھا جائے گا، اور دوزخ کی آگ کبھی اُس کو نہ لگ سکے گی۔

کتاہلایمان میں تفصیل سے بتایا جا چکا ہے، کہ جس احادیث میں کسی خاص نیک عمل پر آتش دوزخ کے حرام ہوجانے کی خوشخبری دی جاتی ہے، ان کا مطلب و مقصد عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ اس نیک عمل کا ذاتی تقاضا اور غاصہ یہی ہے، اور اللہ تعالیٰ اس عمل کے کرنے والے کو جہنم کی آگ سے بالکل محفوظ رکھے گا، بشرطیکہ اُس شخص سے کوئی ایسا بڑا گناہ سرزد نہ ہوا ہو جس کا تقاضا اس کے برعکس جہنم میں ڈالا جانا ہو، یا اگر کبھی ایسا گناہ اُس سے ہوا ہو، تو وہ اُس سے ثابت

ہو چکا ہو، اور اللہ تعالیٰ سے اُس کی معافی مانگ چکا ہو۔۔۔۔۔ نہ سمجھا جائے کہ یہ محض تاویل ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہمارے عرف اور محاورات میں بھی اس قسم کے وعدوں اور بشارتوں میں بشرط ہمیشہ محفوظ ہوتی ہے۔

**اللہ کے خوف سے جسم کے روئنگے ٹکڑے ہو جانے کی سعادت :-**

(۱۴۳) عَنْ الْعَبَّاسِ رَفَعَهُ إِذَا أَشْعَرَ جِلْدُ الْعَبْدِ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ثَمَانَتٌ عَشْرَةَ خُطَا يَأْتِيهَا كَخَطَاتِ عَنِ الشَّجَرَةِ إِلَى الْبَابِ وَرَفَعَهَا۔

(رواہ البزار)

(ترجمہ) حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ :- جب اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی ہیبت سے کسی بندہ کے روئنگے ٹکڑے ہوتے ہیں، تو اس وقت اسکے گناہ ایسے بھڑتے ہیں، جیسے کہ کسی پرانے سوکے درخت کے پتے بھڑتے ہیں۔

(تشریح) خوف و خشیت اور ہیبت دراصل قلبی کیفیات ہیں، لیکن انسان یا سہانیا یا گیاہ، کہ اس کی قلبی کیفیات کا ظہور اسکے جسم پر بھی ہوتا ہے، مثلاً جب دل میں غوشی کی کیفیت ہو، تو ہرے پر بشارت ظاہر ہوتی ہے، اور بعض اوقات وہ اس کیفیت کے اثر سے ہنستا یا مسکراتا ہے، اسی طرح جب دل میں حزن و غم ہو، تو وہ بھی اسکے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے، اور کبھی کبھی وہ اسکے اثر سے روتا بھی ہے، اور اس کی آنکھوں سے آنسو گرتے ہیں، اسی طرح جب دل پر خشیت اور ہیبت کی کیفیت طاری ہو، تو جسم پر اس کا اثر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سارے بدن کے روئنگے ٹکڑے ہو جاتے ہیں، پس جس طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس سے پہلی حدیث میں اللہ کے خوف سے آنسو گرنے پر آتش دوزخ کے حرام ہو جانے کی خوشخبری اہل ایمان کو سنائی گئی ہے، اُسی طرح حضرت عباسؓ کی حدیث میں بشارت سنائی گئی ہے، کہ اللہ کی خشیت ہیبت سے

جب کسی بندہ کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں تو اس وقت اس کے گناہ ایسے بھڑتے ہیں جیسے خزاں کے موسم میں سوکے درختوں کے پتے بھڑتے ہیں۔

ایک گناہگار نے خوفِ خدا سے بہت بڑی جاہلانہ غلطی کی اور وہ بھٹا گیا :-

(۱۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 اسْتَفْتِ رَجُلٌ عَلَى نَفْسِهِ فَلَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ أَحْصَى يَنِينَهُ إِذَا مَا  
 حَقَرَتْهُ ثُمَّ أَذْرَوْا بَصْفَةً فِي النَّبِيِّ وَبَصْفَةً فِي الْبَيْعْرِ قَوْلَا لِلَّهِ  
 لَئِنْ قَدَّرَ اللَّهُ عَلَيْنَا لَيُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا لَا يُعَذِّبُهُ آصَدًا  
 مِنَ الْعَالَمِينَ فَلَمَّا مَاتَ قُضِيَ مَا أَمَرَهُ فَأَمَرَهُ اللَّهُ الْهَجْرَ  
 بِجَمْعٍ مَا فِيهِ وَأَمَرَ الْبَيْعَ بِجَمْعٍ مَا فِيهِ ثُمَّ قَالَ لَهُ لِمَ قُلْتَ  
 هَذَا قَالِ مِنْ خَشْيَتِكَ يَا رَبِّ وَأَنْتَ أَعْلَمُ فَقَرَأَهُ —  
 (مطالعہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- ایک شخص نے اپنے نفس پر بڑی زیادتی کی (اُدھر بڑا ظلم کیا، یعنی غفلت سے اللہ کی نافرمانی والی زندگی گزار تاراج) جب اس کی موت کا وقت آیا، تو (اپنی پچھلی زندگی کو یاد کر کے اس پر اللہ کے خوف کا بہت زیادہ غلبہ ہوا، اور آخرت کے برے انجام سے وہ بہت ڈرا، یہاں تک کہ) اس نے اپنے پیشانی کو وصیت کی، کہ جب میں مر جاؤں، تو تم مجھے جلا کر راکھ کر دینا، پھر تم میری اس راکھ میں سے آدمی تو کہیں شکل میں نکھیر دینا، اور آدمی کہیں یہاں میں بسا دینا (تاکہ میرا کہیں پتہ نشان بھی نہ ہے، اور میں جزا سزا کے لئے دوبارہ زندہ نہ کیا جاؤں، اس لئے کہا کہ میں ایسا گناہگار ہوں کہ) اللہ کی قسم اگر خدا نے مجھے

پکڑ لیا، تو وہ مجھے ایسا سخت عذاب دے گا، جو دنیا جہان میں کسی کو بھی نہ دیکھا۔  
 اسکے بعد جب وہ مر گیا، تو اُسکے بیٹوں نے اُس کی وصیت پر عمل کیا (جلا کر اُس کی  
 راکھ کو کچھ ہوا میں اُڑا دیا، اور کچھ دریا میں بہا دیا)۔ پھر اللہ تعالیٰ کے  
 حکم سے خشکی اور تری سے اُسکے اجزائے جمع ہوئے (اور اُس کو دوبارہ زندہ کیا گیا)  
 پھر اُس سے پوچھا گیا، تو نے ایسا کیوں کیا؟۔ اُس نے عرض کیا،۔ اے میرا مالک!  
 تو خوب جانتا ہے کہ تیرے ڈر سے ہی میں نے ایسا کیا تھا۔ (رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ بیان فرما کر بادشاہ فرمایا کہ) اللہ تعالیٰ نے اُس  
 بندہ کی بخشش کا فیصلہ فرما دیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے زمانہ کے جس شخص کا  
 یہ واقعہ ذکر فرمایا ہے، یہ بیچارہ خدا کی شان اور اس کی صفات سے بھی ناواقف تھا، اور اعمال بھی  
 اچھے نہ تھے، لیکن مرنے سے پہلے اُس پر خدا کے خوف کی کیفیت اتنی غالب ہوئی، کہ اُس نے اپنے بیٹوں کو  
 ایسی جاہلانہ وصیت کر دی، اور بیچارہ سمجھا کہ میری راکھ کے اس طرح خشکی اور تری میں منتشر ہو جانے  
 کے بعد جسے پھر زندہ ہونے کا کوئی امکان نہیں رہے گا۔ لیکن اس جاہلانہ غلطی کا خشاہ  
 اور سبب چونکہ خدا کا خوف اور اُسکے عذاب کا ڈر تھا، اسلئے اللہ تعالیٰ نے اُس کو بخش دیا۔

حدیث کے لفظ ”لَئِنْ قَدْ كَانَتْ عَلَيَّ“ کے بارہ میں شارحین نے بہت کچھ علمی نوٹس لگائے  
 کی ہیں، لیکن اس عاجز کے نزدیک یہی بات یہ ہے، کہ خدا کے خوف سے ڈرے سے ہوئے بیچارے  
 ایک جاہل کی جاہلانہ تعبیر تھی، اللہ تعالیٰ کے کرم نے اس کو بھی معاف کر دیا، مطلب بیچارہ کا وہی تھا  
 جو ترجمہ میں لکھا گیا ہے۔ واللہ اعلم

خدا کا خوف اور تقویٰ ہی فضیلت اور قرب کا معیار ہے:-

(۱۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ رَوَى اللَّهُ عَنْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنْ

لَا تَأْتِيكَ لَسْتُ بِخَيْرٍ مِنْ أَخِيكَ لَوْ أَنَّ سَوْدَةَ إِلَّا أَنْ تَقُولَ لَهُ يَتَقَوَّى

(رواہ احمد)

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔ تم کو اپنی ذات سے نہ کسی گورے کے مقابلے میں بڑائی حاصل ہے نہ کسی کالے کے مقابلے میں۔ البتہ تقویٰ، یعنی خوفِ خدا کی وجہ سے تم کسی کے مقابلے میں بڑے ہو سکتے ہو۔ (مسند احمد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ مال و دولت، شکل و صورت، نسل و رنگ، اور زبان و وطن جیسی کسی چیز کی وجہ سے کسی کو کسی دوسرے کے مقابلے میں کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوتی، فضیلت کا معیار بس تقویٰ ہے (یعنی خوفِ خدا، اور وہ زندگی جو خدا کے خوف سے بنتی ہے) پس اس تقویٰ میں جو جتنا بڑھا ہوا ہے، وہ اللہ کے نزدیک اتنا ہی بڑا اور بلند ہے۔ اسی حقیقت کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقْوَاهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

(۱۷) عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ لَمَّا بَعَثَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ مَعَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتِيهِ وَمَعَاذُ رَاكِبٌ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِي تَحْتَ رَاكِبِهِ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ يَا مَعَاذُ إِنَّكَ عَمْدَانِ لَا تَلْقَانِي بَعْدَ عَامِي هَذَا أَوْ لَعَلَّكَ أَنْ تَمْسُ بِسَيْفِي هَذَا أَوْ قَبْرِي قَبْلِي مَعَاذُ جُشَعًا لِفِرَاقِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ النَّبِيُّ قَائِلًا يُوَجِّهِهُمْ نَحْوَ الْمَدِينَةِ فَقَالَ إِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ بِي الْمُسْتَقِيمُونَ مِنْ كَانُوا وَحَيْثُ كَانُوا

رواہ احمد

(ترجمہ) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو مین کے لئے (قاضی یا عامل بنا کر) روانہ فرمایا (اور وہ

حضور کے حکم کے مطابق وہاں کے لئے روانہ ہونے لگے (تو ان کو رخصت کرنے کے لئے) حضور بھی اُن کو کچھ نصیحتیں اور وصیتیں فرماتے ہوئے اُن کے ساتھ چلے، اُس وقت حضرت معاذ تو (حضور کے حکم سے) اپنی سواری پر سوار تھے، اور حضور خود اُن کی سواری کے ساتھ نیچے پیدل چل رہے تھے۔ جب آپ ضروری نصیحتوں اور وصیتوں سے فارغ ہو چکے، تو آخری بات آپ نے یہ فرمائی، کہ:۔۔۔ اے معاذ! شاید میری زندگی کے اِس سال کے بعد میری تمھاری ملاقات اب نہ ہو۔ (گویا آپ نے اُن کو اشارہ فرمایا، کہ میری زندگی کا یہی آخری سال ہے، اودیں غریب ہی اِس دنیا سے دوسرے عالم کی طرف منتقل کیا جانے والا ہوں۔) اِس کے بعد آپ نے فرمایا، اور شاید ایسا ہو، کہ (اب جب کبھی تم مین سے واپس آؤ تو بجائے مجھ سے ملنے کے اِس مدینہ میں) تم میری اِس مسجد اور میری قبر پر گذرو۔۔۔ میں نے حضرت معاذ (حضور کی وفات کے تصور اور) آپ کے فراق کے صدمے سے رونے لگے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی طرف سے منہ پھیر کے، اور مدینہ کی طرف رخ کر کے فرمایا۔۔۔ مجھ سے بہت زیادہ قریب اور مجھ سے زیادہ تعلق رکھنے والے وہ سب بندے ہیں، جو خدا سے ڈرتے ہیں (اور تقوے والی زندگی گزارتے ہیں) وہ جو بھی ہوں، اور جہاں کہیں بھی ہوں۔ (مسند احمد)

(تشریح) حضور کے ارشاد کے اِس آخری حصہ کا مطلب یہ ہے، کہ اصل چیز روحانی تعلق اور قرب ہے، اور میرے ساتھ اِس تعلق کا دار مدار تقوے پر ہے، پس اگر اللہ کا کوئی بندہ جسمانی طور پر مجھ سے کتنی ہی دُور مین میں یا دنیا کے کسی بھی حصہ میں ہو، لیکن اُس کو خوفِ خدا اور تقوے نصیب ہو، تو وہ مجھ سے قریب ہے، اور گویا میرے ساتھ ہے، اور اِس کے برعکس کوئی شخص ظاہری اور جسمانی طور پر میرے ساتھ ہو، لیکن اُس کا اول تقوے کی دولت سے خالی ہو، تو اِس ظاہری قرب کے باوجود وہ مجھ سے دور ہے، اور میں اُس سے دور ہوں۔۔۔ آپ نے اِس ارشاد کے ذریعہ

حضرت معاذ کو تسلی دی کہ اس ظاہری جدائی کا غم نہ کرو، جب خوفِ خدا اور تقویٰ تمہارے دل اور تمہاری روح کو نصیب ہے تو پھر تم میں رہتے ہوئے بھی مجھ سے دور نہ ہو گے۔ اس کے علاوہ دنیا کی یہ زندگی تو بس چند روزہ ہے، ہمیشہ رہنے کی جگہ تو دارِ آخرت ہے، اور وہاں اللہ کے سارے تقویٰ والے بندے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میسر ساتھ اور میسر قریب رہیں گے، اور پھر اس قرب وصال کے بعد کسی فراق کا اندیشہ نہ ہو گا۔

اس آخری بات کے فرماتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا رخ غالباً اسلئے حضرت معاذ کی طرف سے پھیر کے مدینہ کی طرف کر لیا تھا کہ معاذ کے رونے سے غالباً آپ خود آئندہ ہو جو گئے تھے، آپ نے چاہا کہ معاذ آپ کے بچتے ہوئے آنسو نہ دیکھ لیں، نیز یہ بھی وجہ ہو سکتی ہے کہ اپنے ایک پیچھے محب کا رونہ دیکھ کر آپ کا دل دکھتا ہو، اور اسلئے اس وقت آپ نے اُن کی طرف سے منہ پھیر لیا ہو، محبت و عقیدت کی دنیا میں اس طرح کے تجربے ہوتے ہی رہتے ہیں۔

حضرت معاذ کو رخصت کرتے وقت آپ نے اُن کو تو حکم دے کے سواری پر سوار کرادیا اور خود بات کرتے ہوئے پیدل نیچے چلتے رہے۔ اس میں کتنا بڑا سبق، اور کیسا نمونہ ہے، اُن سب لوگوں کے لئے جو دینی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب سمجھے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنا خوف اور تقویٰ ہمارے دلوں کو نصیب فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ روحانی قرب اور آخرت میں آپ کی وہ رفاقت نصیب فرمائے جس کی بشارت حضور نے اس حدیث میں دی ہے۔



## خوفِ خشیت اور فکرِ آخرت کے لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا حال

ذیل میں چند حدیثیں وہ درج کی جا رہی ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ خوفِ خدا اور فکرِ آخرت کے لحاظ سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ کا حال کیا تھا، اور ان کی زندگی کے اسکے کیا اثرات پڑتے تھے۔

(۱۸) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ أَحَدًا مِنْكُمْ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ وَلَا يُخْرِجُهُ مِنَ النَّارِ وَلَا آتَا إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ

(ترجمہ) حضرت جابرؓ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سے کسی کا عمل اس کو جنت میں نہ لے جاسکے گا، اور نہ دوزخ سے بچاسکے گا، اور یہ بھی یہی حال ہو، مگر اللہ کی رحمت اور اس کے کرم سے۔“ (صحیح مسلم)

(تفسیر صحیح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ میں بھی اپنے عمل اور اپنی عبادت سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم ہی سے جنت میں جاسکوں گا، آپ کے دل کی خوفِ خشیت کی کیفیت کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہے۔

(۱۹) عَنْ عَائِشَةَ مَا لَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا عَصَفَتِ الرِّيحُ قَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيهَا وَخَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ وَإِذَا تَحَيَّلَتِ السَّمَاءُ تُغَيِّرُ كَوْنَهُ وَخَرَجَ وَدَخَلَ وَأَقْبَلَ وَآذَرَ فَإِذَا مَطَرَتْ سُيِّئَ عَنْهُ فَفَرَفَتْ فَإِنَّكَ عَائِشَةُ فَسَأَلَتْهُ فَقَالَ لَعَلَّكَ بِنَا عَائِشَةَ كَمَا قَالَ قَوْمُ عَادٍ ”فَلَمَّا دَاوَوْا عَارِضًا مُسْتَقْبِلَ أَوْدِيَّتِهِمْ قَالَ لَوْ هَذَا عَارِضٌ مِمَّنْ طَرْنَا“

(رواہ البیہقی ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہ تھا کہ جب ہوا زیادہ تیز چلتی تو آپ کی زبان پر یہ دعا جاری ہو جاتی "اَللّٰهُمَّ رَاقِيْ اَسْتِئْذِنُكَ اَمْنُو" (اے میرے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس ہوا کی بھلائی کا اور اس میں جو کچھ ہو اس کی بھلائی کا) اور جس مقصد کیلئے یہ بھیجی گئی ہو اس کی بھلائی کا اور اس میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس کے شر سے اور اس میں جو کچھ ہو اس کے شر سے اور جس مقصد کیلئے یہ بھیجی گئی ہو اس کے شر سے) اور جب آسمان پر بارش آتا تو آپ کا رنگ بدل جاتا اور (ضرر پہ) کی یہ حالت ہوتی کہ (کبھی باہر آتے، کبھی اندر جاتے، کبھی آگے آتے کبھی پیچھے ہٹتے، پھر جب بارش ہو جاتی (اور خیر سے گزر جاتی) تو یہ کیفیت آپ سے دور ہوتی۔۔۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی اس حالت اور واردات کو سمجھ لیا اور آپ سے پوچھا کہ تیرا ہوا کو کون دیکھ دیکھ کر حضور کی یہ کیفیت کیوں ہو جاتی ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا:۔۔ عائشہ! (میں ڈرتا ہوں کہ) شاید یہ ایر و باد اس طرح کا ہو جو (حضرت ہودؑ وغیرہ کی قوم) عاد کی طرف بھیجا گیا تھا (جس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح کیا گیا ہے) کہ جب ان لوگوں نے اس دل کو اپنی وادیوں کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو خوشی ظاہر کرتے ہوئے کہا یہ ابرجائے لئے بارش لانے والا ہے۔۔۔ (حالانکہ وہ بارش والا ابر نہ تھا، بلکہ احمدی کا بلاکت خیز طوفان تھا، جو ان کو تباہ کرنے ہی کے لئے آیا تھا)۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کا ماحصل اور مقصد صرف یہی ہے کہ حضور کے قلب مبارک پر اللہ کے عفو و غفیرت کا ایسا غلبہ تھا کہ ذرا ہوا تیز چلتی تو آپ گھبرا کر اللہ تعالیٰ سے اس کے خیر کے حاصل ہونے کی اور اس کے شر سے محفوظ رہنے کی دعا کرتے اور جب آسمان پر بارش ہوتا تو اللہ کے جلال کی دہشت دہمیت آپ کا یہ حال ہو جاتا کہ کبھی اندر جاتے کبھی باہر آتے کبھی آگے بڑھتے کبھی پیچھے ہٹتے اور آپ کی کیفیت اس خوف اور ڈر سے ہوتی کہ میں بادل کی شکل میں اللہ کا دیا عذاب ڈرو جیسا کہ حضرت ہودؑ کی سرکش قوم ہاد پر ابرہی کی شکل میں بھیجا گیا تھا، جسے اپنے علاقہ کی طرف بڑھنا ہوا دیکھ کر نادانی سے وہ خوش ہوئے تھے اور انھوں نے اس کو ابر رحمت سمجھا تھا حالانکہ وہ عذاب کی آمد تھی

تھی۔۔۔۔۔ حدیث میں نیکیت کے جو الفاظ نقل کئے گئے ہیں وہ ناممکن ہیں۔۔۔۔۔ آخری حصہ یہ ہے: **بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ وَخَرُّ فِيهَا عَدَا ابْنُ الْكَلْبَةِ**۔

(۲) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَدْ شَبَّتَ قَالَ شَيْئَانِي هُمُودٌ وَالْوَاقِعَةُ وَالْمُرْسَلَتُ وَعَنْهُ يَكْسَأُ لَوْنٌ وَكَذَا الشَّمْسُ كَوُرْتُ**۔۔۔۔۔ رواہ الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، کہ یا رسول اللہ! آپ پر بڑھاپا آگیا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ،۔۔۔ مجھے بوڑھا کہہ دیا سورۃ ہود، سورۃ واقعہ، سورۃ مرسلت، سورۃ تم نساء لون، اور سورۃ مکیہ (اذا الشمس کورت) نے۔ (ترمذی)

(تفسیر صحیح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی صحت فطری طور پر جس قدر بہتر تھی، اور قوی جیسے آپ، اور طبیعت جیسی معتدل تھی، اس کے لحاظ سے آپ پر بڑھاپے کے آثار بہت دیر سے ظاہر ہونے چاہئے تھے، لیکن جب وہ آثار عام اندازہ کے لحاظ سے قبل از وقت ظاہر ہونے لگے، تو حضرت ابوبکرؓ نے ایک روز عرض کیا، کہ، حضرت! آپ پر تو ابھی سے بڑھاپا آنے لگا آپ نے ارشاد فرمایا کہ،۔۔۔ مجھے قرآن مجید کی ان سورتوں (سورۃ ہود اور واقعہ وغیرہ) نے بوڑھا کر دیا۔۔۔۔۔ ان سورتوں میں قیامت و آخرت اور مجربوں پر اللہ کے عذاب کا بڑا دہشت ناک بیان ہے۔۔۔۔۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مضامین سے اس قدر متاثر ہوتے تھے اور ان کی تلاوت سے آپ پر خدا کے خوف اور آخرت کی فکر کا ایسا غلبہ ہوتا تھا کہ اس کا اثر آپ کی جسمانی قوت اور تندرستی پر پڑتا تھا، اور بلاشبہ خوف و فکر یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جو جانوں کو جلد بوڑھا کر دیتی ہیں، اسی لئے قیامت کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے **يَوْمَ يُنْفَخُ الْيُودُكُنْ اَنْ شَيْئًا** کہ قیامت کا دن بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔۔۔۔۔ اس حدیث سے خاص طور پر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خوف خدا اور فکر آخرت کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

قلب ببارک کا حال کیا تھا۔

(۲۱) عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمَّا كُنَّا نَعْمَلُ لَكُمْ أَغْمَاحًا هِيَ أَدَقُّ مِنِّي أَعْيُنَكُمْ  
مِنَ الشَّعْرِ كَمَا نَعُدُّهَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
مِنَ الْمُؤَيَّقَاتِ يَعْنِي أَلَمْ هَلِكَا فِي \_\_\_\_\_ رَوَاهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ۔

(ترجمہ) حضرت انس سے روایت ہے، انھوں نے اپنے زمانہ کے لوگوں سے  
فرمایا: تم لوگ بہت بے اعمال ایسے کرتے ہو کہ تمھاری نگاہ میں وہ بال سے  
بھی زیادہ باریک (یعنی بہت ہی خفیف اوسٹیکے ہیں) ہم رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کو مہلکات میں سے شمار کرتے تھے۔ (صیغہ جنادی)  
(تشریح) مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک زمانہ میں مسلمانوں پر  
یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ صحابہ کرام پر خوف خدا کا اتنا غلبہ تھا، اور  
وہ آخرت کے حساب کو انجام سے اس قدر لرزاں و ترساں رہتے تھے، کہ بہت سے وہ اعمال  
جن کو ہم لوگ بالکل معمولی سمجھتے ہو، اوبے پروائی سے کرتے رہتے ہو، اور ان سے بچنے کی  
کوئی فکر نہیں کرتے، وہ ان کو ملک سمجھتے تھے، اور ان سے بچنے کا ایسا ہی اہتمام رکھتے تھے  
جیسے ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

(۲۲) عَنِ النَّضْرِ قَالَ كَانَتْ ظِلْمَةٌ عَلَى عَهْدِ أَنَسٍ فَأَيَّتُهُ  
فَقُلْتُ يَا أَبَا حَنْظَلَةَ هَلْ كَانَ هَذَا الْيَوْمَ يَكُونُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَعَادَ اللَّهِ إِنْ كَانَتْ الرِّجْمَةُ كُنْشِدَتْ  
فَنَبَادُ رَأَى الْمَشْجُودَ خِفَافَةً أَنْ تَكُونَ الْقِيَامَةُ۔ رَوَاهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ۔

(ترجمہ) نضر تاہی بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس کے زمانہ میں ایک دفعہ  
کالی آندھی آئی، تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے پوچھا کہ:-  
اے ابو حمزہ! کیا ایسی کالی آندھی آندھیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے زمانہ میں بھی آپ لوگوں پر اتنی تھیں؟۔ انھوں نے فرمایا:۔ اللہ کی پناہ! وہاں تو یہ حال تھا کہ ذرا ہوا تیز ہو جاتی، تو ہم قیامت کے خوف سے مسجد کی طرف دوڑ پڑتے تھے۔ (ابوداؤد)

(۲۳) عَنْ حُظَلَّةَ بْنِ الرَّبِيعِ الْأَسَدِيِّ قَالَ لَقِيتُنِي أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ كَيْفَ أَنْتِ يَا حُظَلَّةُ؟ قُلْتُ نَافِقٌ حُظَلَّةُ قَالَ مُبْعَانٌ لِلَّهِ مَا نَقُولُ؟ قُلْتُ نَكُونُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدُكُنَا بِالْكَارِ وَالْجَنَّةِ كَأَنَّا رَأَى عَيْنٍ فَإِذَا أَخْرَجْنَا مِنْ عِنْدِهِ عَافَسْنَا الْأَزْوَاجَ وَالْأَوْلَادَ وَالصَّبِيحَاتِ وَنَسِينَا كَثِيرًا قَالَ أَبُو بَكْرٍ فَوَاللَّهِ إِنَّا لَنَلْقَى مِثْلَ ذَلِكَ فَإِنِ طَلَقْتُ أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ نَافِقٌ حُظَلَّةُ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ وَمَا ذَاكَ؟ قُلْتُ نَكُونُ عِنْدَكَ تَكَلِّمُنَا بِالْكَارِ وَالْجَنَّةِ كَأَنَّا رَأَى عَيْنٍ فَإِذَا أَخْرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ عَافَسْنَا الْأَزْوَاجَ وَالْأَوْلَادَ وَالصَّبِيحَاتِ وَنَسِينَا كَثِيرًا فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ كُونُوا وَمَنْ عَلَى مَا تَكُونُونَ عِنْدِي وَفِي الدَّكْرِ لَصًا فَحَشَكُمُ الْمَلَائِكَةُ عَلَى قُرُوشِكُمْ وَفِي طَرَفِكُمْ وَلَكِنْ يَا حُظَلَّةُ سَاعَةٌ وَسَاعَةٌ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ

رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت حنظلہ بن الربیع سے روایت ہے کہ ایک دن مجھے ابو بکرؓ ملے اور انھوں نے پوچھا:۔ حنظلہ! کیا حال ہے؟ میں نے ان سے کہا کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا ہے۔ انھوں نے فرمایا:۔ پاک ہے اللہ! تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا:۔ تیرے کہ:۔ ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے ہیں

اور آپ دوزخ اور جنت کا بیان فرما کے ہم کو نصیحت فرماتے ہیں، تو ہمارا یہ حال ہو جاتا ہے کہ گویا ہم دوزخ اور جنت کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، پھر جب ہم آپ کی مجلس سے نکل کر گھر آتے ہیں، تو بیوی بچے، زمین اور کھیتی باڑی کے کام ہم کو اپنی طرف متوجہ اور مشغول کر لیتے ہیں، اور پھر ہم بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ ابو بکرؓ نے یہ سن کر فرمایا، کہ:- اس طرح کی حالت تو ہم کو بھی پیش آتی ہے۔ اسکے بعد میں اور ابو بکرؓ دونوں چل دیئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، میں نے (اپنا حال بیان کرتے ہوئے) عرض کیا کہ یا رسول اللہ! غلطہ تو منافق ہو گیا۔ آپ نے فرمایا، یہ کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا، کہ:- حالت یہ ہے کہ ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں، اور آپ دوزخ اور جنت کا بیان فرما کر ہم کو نصیحت فرماتے ہیں، تو ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا دوزخ اور جنت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے، پھر جب ہم آپ کی مجلس سے نکل کر گھر آتے ہیں، تو بیوی بچے، اور کھیتی باڑی کے دھندے ہم کو اپنے میں مشغول کر لیتے ہیں، اور ہم بہت کچھ بھول جاتے ہیں، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ:- قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر تمہارا حال ہمیشہ ایسا ہو، جو میرے پاس ہوتا ہے، اور تم دائماً ذکر میں مشغول رہو، تو فرشتے تمہارے بستروں پر اور راستے میں تم سے مصافحہ کی لکریں، لیکن اے غلطہ! اللہ نے اس کا مکلف نہیں کیا ہے، بلکہ! بس اتنا ہی کافی ہے، کہ وقتاً فوقتاً یہ ہوتا رہے، یہ بات آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی۔

(مسلم)

(ف) حضرت غلطہ کی اس روایت سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرام میں آخرت اور دین کی فکر کس درجہ میں تھی، کہ اپنی حالت میں معمولی تغیر اور ذرا سا انحراف دیکھ کر وہ اپنے پر نفاق کا شہدہ کرنے لگتے تھے۔

(۲۴) عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ لِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ هَلْ  
تَدْرِي مَا قَالَ ابْنِي لِأَبِيكَ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ فَإِنَّ ابْنِي قَالَ لَا بِبَيْتِكَ يَا  
أَبَا مُوسَى هَلْ يَشْرُكَ أَنَّ إِسْلَامَنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
وَمِجْرَتَنَا وَجِهَادَنَا مَعَهُ وَعَمَلْنَا كُلُّ مَعْبُودٍ لَنَا فَإِنَّ كُلَّ عَمَلٍ عَلَيْنَا بَعْدَهُ  
بَعْدَ مَنِّهِ كَفَّارًا سَابِرًا سِ فَقَالَ أَبُوكَ لِابْنِي لَا وَاللَّهِ قَدْ جَاهَدْنَا  
بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَلَّيْنَا وَهَمَّيْنَا وَعَمَلْنَا خَيْرًا أَكْثَرَ  
وَأَسْلَمْنَا عَلَى آيِدِي بَشَرٍ كَثِيرٍ وَإِنَّا لَنَرِجُودُ إِلَيْكَ قَالَ ابْنِي لَعَنَ اللَّهُ أُمَّكَ  
وَالَّذِي نَفْسُ عُمَرَ بِيَدِهِ لَوَدِدْتُ أَنَّكَ ذَا إِلَهٍ بَرَكْنَا وَأَنَّ كُلَّ شَيْءٍ  
عَمَلْنَاهُ بَعْدَهُ بِحَقِّ مَنِّهِ كَفَّارًا سَابِرًا سِ فَقُلْتُ إِنَّ أَبَاكَ وَاللَّهِ  
كَانَ خَيْرًا مِنْ ابْنِي

رواہ البغاری۔

(ترجمہ) حضرت ابو موسیٰ اشعری کے صاحبزادہ ابو بردہ سے روایت یہ بیان کرتے  
ہیں کہ مجھ سے عبداللہ بن عمر نے کہا، کیا تمہیں معلوم ہے کہ میرے والد نے تمہارے والد سے  
کیا بات کہی تھی؟ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں، انھوں نے کہا کہ میرے والد نے تمہارے والد  
سے کہا تھا کہ اے ابو موسیٰ! کیا تم اس پر خوش اور راضی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ آؤ  
آپ کے ہاتھ پر ہمارا اسلام لانا اور آپ کے ساتھ ہمارا ہجرت کرنا اور جہاد کرنا، اور ہمارے  
وہ سارے اعمال جو ہم نے آپ کے ساتھ کئے وہ تو ہمارے لئے ثابت اور محفوظ رہیں (اؤ  
ان کا صلہ اور اجر ہم کو عطا فرمایا جائے) اور ہم نے جو اعمال آپ کے بعد کئے، ان سے ہم برابر  
سرار پر چھٹی پاجائیں (یعنی حضور کے بعد ہم نے جو اچھے یا بُھے عمل کئے ہیں، ان پر نہ ہم کو  
ثواب ملے اور نہ عذاب) — (عبداللہ بن عمر ابو بردہ سے کہتے ہیں کہ میرے والد کی  
یہ بات سن کر) تمہارے والد نے کہا، کہ نہیں! خدا کی قسم، میں تو یہ نہیں چاہتا۔ ہم نے  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جہاد کئے ہیں، نمازیں پڑھی ہیں، روزے رکھے ہیں، اور اللہ

کی توفیق سے) انکے علاوہ بھی بہت سے اعمال خیر کئے ہیں، اور ہماری کوششوں سے، اور  
ہمارے ہاتھوں پر اللہ کے بیشمار بندے مسلمان ہوئے ہیں، اور ہم اللہ سے اپنے ان اعمال کے  
اجرو صلہ کی پوری امید رکھتے ہیں (اسلئے میں تو آپ کے خیال سے متفق نہیں ہوں) —  
اس پر میرے والد (حضرت عمرؓ) نے پھر فرمایا، کہ قسم اُس ذات پاک کی جسکے قبضہ میں عمر کی  
جان ہے، میں تو دل سے چاہتا ہوں کہ ہمارے وہ عمل (جو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کیساتھ کئے، وہ تو) ہمارے لئے ثابت رہیں، اور ہم کو اُن کا صلہ عطا کیا جائے  
اور جو عمل ہم نے آپ کے بعد کئے اُن سے ہم برابر سزا پر پھنچیں یا جائیں — (ابو بردہ  
کہتے ہیں کہ) میں نے عبد اللہ بن عمرؓ سے کہا، کہ: خدا کی قسم! تمہارے والد (حضرت عمرؓ)  
میرے والد (ابو موسیٰؓ) سے افضل تھے۔ (بخاری)

(تشریح) جس طرح اللہ کے کسی صالح اور مقبول بندہ کی اقتدا میں پڑھی ہوئی نماز کی مقبولیت  
کی امید کی جاتی ہے، اُسی طرح حضرت عمرؓ یقین کیساتھ امید رکھتے تھے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ جو اعمال  
نماز، روزہ، ہجرت، جہاد وغیرہ ہم نے کئے ہیں، وہ تو آنحضرتؐ کی محبت کی نسبت اور برکت کے ضروری  
انشاء اللہ مقبول ہونگے، لیکن جو اعمال حضورؐ کے بعد کئے گئے، چونکہ ان کو یہ نسبت حاصل نہ تھی، بلکہ  
وہ اپنے ہی اعمال تھے، اسلئے حضرت عمرؓ عام اہل معرفت کی طرح انکے انجام سے ڈرتے تھے، اور اپنی  
سلامتی و کامیابی اسی میں سمجھتے تھے کہ بعد والے سارے اعمال سے برابر سزا پر پھنچی مل جائے، نہ اُن پر عذاب  
نہ ثواب۔ ۴ طاعت ناقص، ماموجب غفران نشود: ۵ راضیم محمد وعلیت عصیما نشود

حدیث کے آخر میں ابو بردہ نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے جو یہ فرمایا، کہ خدا کی قسم! میرے والد  
سے تمہارے والد افضل تھے، بظاہر اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ افضل  
اسلئے اپنے اعمال سے بے اطمینانی اور خدا کے خوف کا اثر اُن پر اس قدر زیادہ تھا۔

صحیح بخاری ہی میں حضرت عمرؓ کے واقعہ شہادت کی ایک روایت میں کئی ایسا دھبہ ذکر کیا گیا ہے  
”وَاللّٰهُ لَئِنْ لَمْ يَنْزِلْ عَلَيْنَا لَحْدٌ لِّمَنْ يَّزِيحُ عَنْ رَأْسِ عَدَّابٍ لَّيْلَةً اَوْ اَكْثَرَ“





## دنیا اور آخرت :-

(۱) یہ دنیا جس میں ہم اپنی یہ زندگی گزار رہے ہیں، اور جس کو اپنی آنکھوں کانوں وغیرہ سے محسوس کرتے ہیں جس طرح یہ ایک واقعی حقیقت ہے، اسی طرح آخرت بھی جس کی اطلاع اللہ کے سب پیغمبروں نے دی ہے، وہ بھی ایک قطعی اور یقینی حقیقت ہے، اور اپنی زندگی کے اس دور میں ہمارا اس کو نہ دیکھنا اور نہ محسوس کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ماں کے پیٹ میں ہونے کے زمانہ میں ہم اس دنیا کو نہیں دیکھتے تھے اور نہیں محسوس کر سکتے تھے، پھر جس طرح ہم نے یہاں آکر اس دنیا کو دیکھ لیا اور زمین و آسمان کی وہ ہزاروں لاکھوں چیزیں یہاں ہمارے مشاہدے میں آگئیں، جن کلمہ ماں کے پیٹ میں تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، اسی طرح مرنے کے بعد عالم آخرت میں پہنچ کر جنت و دوزخ کو اور اس عالم کی ان تمام چیزوں کو دیکھ لیں گے اور پالیں گے جن کی اطلاع اللہ کے پیغمبروں اور اللہ کی کتابوں نے دی ہے۔ ————— الغرض ہماری یہ دنیا جس طرح ایک حقیقی عالم ہے اسی طرح آخرت بھی مرنے کے بعد سامنے آجائے والا ایک حقیقی اور بالکل واقعی عالم ہے۔ ————— ہمارا اس پر ایمان ہونا عقل و عقل کی روشنی میں ہم کو اس کے بارے میں اللہ پروردگار اور اطمینان ہے۔

(۲) پھر دنیا کے بارے میں ہم کو یقین ہے کہ یہ اور اس کی ہر چیز فانی ہے، بہر حال آخرت کے کہ وہ غیر فانی اور جاودانی ہے، اور وہاں پہنچنے کے بعد انسان بھی غیر فانی بنا دیا جائے گا، یعنی اس کو کبھی ختم نہ ہونے والی دوسری زندگی عطا فرمادی جاوے گی، اسی طرح وہاں اللہ کے سید اور خوش نصیب بندوں کو جو نعمتیں عطا ہوئی گی ان کا سلسلہ بھی ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گا، اور کبھی منقطع نہ ہوگا، اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: **عَلَّمَ عِلْمًا مَّحْدِثًا** ”اور اسی طرح جو شقیات کی بغاوت اور سرکشی اور کفر و استکبار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غضب ان پر ہوگا، ان کی تکلیفوں اور ان کے عذاب کا سلسلہ بھی کبھی ختم نہ ہوگا، جیسا کہ جہنمیوں کے بارے میں چاہا فرمایا گیا ہے:۔

لَهُ دَعْوًا خَدَّاءَ نَدَىٰ جِہَنَّمَ کَاسِلسَلَّہِ کَہِی ہِی مَنقَطَعُ نہ ہوگا۔ ۱۱۔

”سَخَّالِدِينَ فَعَمَّا أَبَدًا“ اور ”وَمَا لَهُمْ بِخَارِجَتِ مِنَ النَّارِ“ اور ”لَا يَنْقُصُ عَلَيْهِمْ قِيمَتَانِي وَلَا يَحْتَفَتُهُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا“

اسی طرح اللہ کے پیغمبروں اور اللہ کی کتابوں کی بتلائی ہوئی اس حقیقت پر بھی ہمارا ایمان ہے کہ دنیا کی نعمتوں اور لذتوں کے مقابلہ میں آخرت کی لذتیں اور نعمتیں بے انتہا فائق ہیں، بلکہ اصلی لذتیں اور نعمتیں آخرت ہی کی ہیں، اور دنیا کی چیزوں کو ان سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے، اسی طرح دنیا کی سخت سے سخت تکلیف اور بڑے سے بڑے دکھ کو دوزخ کے ہلکے سے ہلکے درجے کے عذاب سے بھی کوئی نسبت نہیں۔

ظاہر ہے کہ ان سب باتوں کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کی فکر و سعی بس آخرت ہی کے لئے ہو، اور دنیا سے اُس کا تعلق صرف ناگزیر ضرورت کے بقدر ہو۔

(۳) لیکن انسانوں کا عام حال یہ ہے کہ دنیا چونکہ ہر وقت اُن کے سامنے ہے اور آخرت سر اسر غیب اور آنکھوں سے اوجھل ہے، اسلئے اکثر و بیشتر ان حقیقتوں کے ماننے والوں پر بھی دنیا ہی کی فکر و طلب غالب رہتی ہے، گویا یہ انسانوں کی ایک قسم کی فطری کمزوری ہے۔ اُن کا حال اس معاملہ میں بالکل اُن چھوٹے بچوں کا سا ہے جن کو بچپن میں اپنے کھیل کھلونوں سے دلچسپی ہوتی ہے، اور مستقبل کی زندگی کو خوشگوار اور شاندار بنانے والے تعلیمی اور تربیتی مشاغل اُن کیلئے سب چیزوں سے زیادہ غیر دلچسپ بلکہ انتہائی شاق ہوتے ہیں، جن کے شفیق ماں باپ اُن کو سمجھا کر اُن اچھے کاموں کی طرف راغب کرتے رہتے ہیں جن میں لگا کر وہ کامیاب انسان بن سکتے ہیں، اور عزت و عافیت کی زندگی حاصل کر سکتے ہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے پیغمبروں اور اُس کی نازل کی ہوئی کتابوں کے ذریعہ

۱۔ وہ ہمیشہ اُسی جہنم میں پڑے رہیں گے۔

۲۔ وہ دوزخی کبھی بھی دوزخ سے نکل نہ سکیں گے۔ ۳۔ اور دوزخیوں کو موت بھی نہ آئے گی کہ مگر ہی عذاب سے

چھوٹ سکیں، اور اُن کے عذاب میں کبھی تخفیف بھی نہ کی جائے گی۔



اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَاۤاِزْلَ اَلْقَآرِۤازَةِ — بس چند دنوں کے استعمال کیلئے ہے اور آخرت

(المومن ۷۵)

ہی اصل رہنے کی جگہ ہے۔

کہیں فرمایا گیا :-

وَفِي الْاٰخِرَةِ عَلٰۤاِبٌ سَعِيۡدٌ وَّ

اور آخرت میں امیروں اور مافیوں کے لئے

مَنْصُۢرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَّ مَا

سخت ترین عذاب اور (جو بندے رضا اور

اَنْبِیَۡۤاۡلِۤا لَّا مَتَاعُ الْخٰوِیۡۃِ

مغرب کے لائق ہیں ان کے لئے اللہ کی طرف سے

(المعدیل ۱۳۷)

بخشش اور رضا ہے۔ اور یہ دنیوی

زندگانی تو بس دھوکہ کا سرمایہ ہے۔

(۶) الغرض اللہ کی طرف سے آنے والے پیغمبروں اور اس کی نماندگی کی ہوئی کتابوں نے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے اور آخرت کی کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی میں ان کو کامل صلاح و بہبود کے مقام تک پہنچانے کے لئے جن چند خاص نکتوں پر بہت زیادہ زور دیا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان دنیا کو بالکل حقیر اور بے قیمت سمجھے اور اس سے زیادہ بھی نہ لگائے اور اس کو اپنا مقصود و مطلوب نہ بنائے، بلکہ آخرت کو اپنی اصل منزل اور اپنا دواوی وطن یقین کرے تو ہوئے اور دنیا کے مقابلہ میں اس کا حقد و قیمت اور جواہریت ہے جس کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہاں کی کامیابی حاصل کرنے کی فکر کو اپنی تمام دنیوی فکر وں پر غالب رکھے، پس انسان کی سعادت اور آخرت میں اس کی کامیابی کے لئے گویا یہ شرط ہے کہ دنیا اس کی نظر میں حقیر اور بے قیمت ہو، اور اس کے دل کا رخ آخرت ہی کی طرف ہو، اور ”اَللّٰهُمَّ لَا عِیۡنَ لَیۡلَہٗ عِبۡتَیۡنَ الْاٰخِرَۃِ“ اس کے دل اور اس کی روح کو ندا ہو۔ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبات اور مجلسی ارشادات کے ذریعہ بھی اسی کی تعلیم دیتے تھے، اور ایمان لائے والوں کے دلوں پر اپنے عمل اور حال سے بھی اس کا نقش تھمتے تھے۔

لے لے اللہ! زندگی تو بس آخرت کی فوج کی ہے۔

القرن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو احادیث اس باب میں درج ہوں گی، جن میں دنیا کی تعمیر و ترمیم کی خدمت کی گئی ہے، ان کا مطلب و مقصد اسی روشنی میں سمجھنا چاہئے۔

(۷) یہ بھی ملحوظ رہے کہ قرآن و حدیث میں جس دنیا کی خدمت کی گئی ہے وہ آخرت کے مقابل والی دنیا ہے، اس لئے دنیا کے کاموں کی جو مشغولیت اور دنیا سے جو تعلق فکر آخرت کے تحت ہوا وہ آخرت کا راستہ اس سے کھوٹا نہ ہوتا جو وہ مذہب اور ممنوع نہیں ہے، بلکہ وہ توجہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔

اس تہیہ کی ضرورت کو ذہن میں رکھ کر اب پڑھئے آگے درج ہونے والی اس سلسلہ کی حدیثیں:

## آخر کے مقابلہ میں دنیا کی حقیقت :-

(۲۵) عَنْ مُسْتَوِدِّ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَا لِلْ دُنْيَا فِي الْآخِرَةِ قَدْرٌ مِثْلُ مَا يَجْعَلُ أَحَدٌ كَمْلاً ضَبْعَةً رَفِئَ الْيَسْرَ فَلْيَنْظُرْ حَيْثُ يَرْجِعُ۔۔۔۔۔ رواہ مسلم۔

(ترجمہ) روایت ہے ستور دین شہزاد سے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ دنیا کی مثال آخرت کے مقابلہ میں بس ایسی ہے جیسے کہ تم میں سے کوئی لہسنی ایک انگلی دریا میں ڈال کو نکال لے، اور پھر دیکھے کہ پانی کی کتنی مقدار اس میں لگ کر آتی ہے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ دنیا آخرت کے مقابلہ میں اتنی ہی بے حقیقت اور بے قیمت جتنا کہ دریا کے مقابلہ میں انگلی پر لگا ہوا پانی۔ اور دراصل یہ مثال بھی صرف سمجھانے کیلئے دی گئی ہے، ورنہ فی الحقیقت دنیا کو آخرت کے مقابلہ میں یہ نسبت بھی نہیں ہے۔ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب محدود اور فنا ہی ہے، اور آخرت لا محدود اور لا فنا ہی ہے، اور یہی اس کا مسلم مسئلہ ہے کہ محدود و فنا ہی اور لا محدود اور غیر فنا ہی کے درمیان کوئی نسبت نہیں ہوتی،

جب حقیقت یہ ہے تو وہ شخص بڑا ہی محروم اور بہت ہی گھٹنے میں رہنے والا ہے جو دنیا کو حاصل کرنے کے لئے تو خوب جد و جہد کرتا ہے مگر آخرت کی تیاری کی طرف سے بے فکر اور بے پروا ہے۔

(۲۶) عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِحَدِيثٍ أَسَافَ مَهْلِكَةٍ نَكَالَ أَيْكَةٍ نَحِبَتْ أَنَّ هَذَا لَهُ يَدٌ دَهِيحَةٌ فَقَالُوا مَا نَحِبُ أَتَاهُ لَنَا سِنِي. قَالَ قَوْلَ اللَّهِ لَوْلَا مَنَّا أَهَوَتْ عَلَى اللَّهِ مِنْ هَذَا أَعْلَيْتُمْ.

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر بکری کے ایک بونچے مڑے ہوئے پر ہوا جو راستے میں مڑا پڑا تھا، اُس وقت آپ کے ساتھ جو لوگ تھے اُن سے آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی اس مڑے ہوئے بونچے کو صحت ایک درہم میں خریدنا پسند کرے گا؟ انھوں نے عرض کیا ہم تو اس کو کسی قیمت پر بھی خریدنا پسند نہیں کریں گے۔ آپ نے فرمایا: قسم ہے خدا کی کہ دنیا اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ ذلیل اور بے قیمت ہے جتنا ذلیل اور بے قیمت تمہارے نزدیک یہ مڑا ہوا بچہ ہے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں بندوں کی ہدایت اور تربیت کا جو بے پناہ جذبہ رکھ دیا تھا، اس حدیث سے اس کا کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے، آپ راستہ چل رہے ہیں، بکری کے ایک مڑا ہوا بچہ پر آپ کی نظر پڑتی ہے، لیکن سے منہ پھیر کر نکل جانے کے بجائے آپ صحابہ کو متوجہ کر کے اُس کی اس حالت سے ایک اہم سبق دیتے ہیں اور اُن کو بتلاتے ہیں کہ یہ مڑا ہوا بچہ تمہارے نزدیک جس قدر حقیر و ذلیل ہے اُسی قدر اللہ کے نزدیک دنیا حقیر و ذلیل ہے، اس لئے اپنی طلب و فکا کر کرنا اس کو نہ بٹاؤ، بلکہ آخرت کے طالب بنو۔

یہ حدیث کے الفاظ اس کا ترجمہ ہے، معنی میں کاؤں کا خواہ غلطی طور پر اس کے کان میں بولیں یا بولتے ہوں، یا کہے ہوئے ہوں، اس میں کوئی فرق نہیں، اس کا لفظ بولنا جاتا ہے، اور اردو میں اس کا معنی کیلئے "بوجھا" استعمال ہوتا ہے۔

(۲۶) عَنْ سَعْدِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنْتُ كَأَنَّ اللَّهَ لَيَأْتِيَنِي عَذَابُ اللَّهِ جَنَاحَهُ يَكُونُ مَعَهُ مَا يَقْنِي كَافِرًا مِنْهَا شَرِيَةً.

(رواہ احمد، الترمذی و ابن ماجہ)

(ترجمہ) سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر و قیمت پھر کے پر یا ہم بھی ہوتی، تو کبھی کافر منکر کو وہ ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) یعنی خدا و رسول کے نہ ملنے والوں، کافروں، منکروں کو دنیا سے جو کچھ مل رہا (اور جیسا کہ دیکھا جا رہا ہے خوب مل رہا ہے) اس کی وجہ یہی ہے کہ اللہ کے نزدیک دنیا نہایت ہی حقیر اور بے قیمت چیز ہے، اگر اس کی کچھ بھی قدر و قیمت ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان باغیوں کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا، چنانچہ آخرت جس کی اللہ کے نزدیک قدر و قیمت ہے، وہ ان کی شہین غنم کو ٹھنڈے اور خوشگوار پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں دیا جائے گا۔

## دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے۔

(۲۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَيْسَ بَيْنَ سَجْنِ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةِ الْكَافِرِ ————— رِوَاہُ سَلَمَ۔

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔ (مسلم)

(تشریح) قید خانہ کی زندگی کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ قیدی اپنی زندگی میں آزاد نہیں ہوتا، بلکہ ہر چیز میں دوسروں کے حکم کی پابندی کرنے پر مجبور ہوتا ہے، جب کھانے کو دیا گیا اور کچھ دیا گیا کھالیا، جو پینے کو دیا گیا پی لیا، جہاں بیٹھنے کا حکم دیا گیا بیٹھ گیا، جہاں کھڑے ہونے کو کہا گیا بھاڑ کھڑ ہو گیا، الغرض قید خانہ میں اپنی مرضی بالکل نہیں چلتی، بلکہ ہمارا دنیا ہر



معاہدے میں دوسروں کے حکم کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ اسی طرح ایک دوسری خصوصیت قید خانہ کی یہ ہے کہ قیدی اس سے جی نہیں لگاتا، اور اس کو اپنا گھر نہیں سمجھتا، بلکہ ہر وقت اس سے نکلنے کا خواہش مند اور متمنی رہتا ہے۔۔۔۔۔ اور اس کے برعکس جنت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہاں جنتیوں کے لئے کوئی قانونی پابندی نہیں رہے گی، اور ہر جنتی اپنی مرضی کی زندگی گزارے گا، اور اس کی ہر خواہش اور ہر آرزو پوری ہوگی، نیز لاکھوں برس گزرنے پر بھی کسی جنتی کا دل جنت سے اور جنت کی نعمتوں سے نہیں اکتائے گا، اور نہ کسی کے دل میں جنت سے نکلنے کی خواہش پیدا ہوگی۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے :-

فِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ وَ  
تَكُونُ الْأَعْيُنُ وَأَنْتُمْ فِيهَا  
خَالِدِينَ قَدْ (زخرف - ۷۲)

اور سورہ کہف میں فرمایا گیا :-

لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ————— جنتی جنت میں کہیں اور منتقل ہونا چاہیں گے

پس اس عاجز کے نزدیک اس حدیث میں ایمان والوں کو خاص شوق یہ دیا گیا ہے کہ وہ دنیا میں حکم و قانون کی پابندی کی قید خانہ والی زندگی گزاریں، اور دنیا سے جی نہ لگائیں، اور حقیقتاً پیش نظر رکھیں کہ اس دنیا کو اپنی جنت سمجھنا، اور اس سے اپنا دل لگاتا، اور اس کے عیش کو اپنا اصل مقصود و مطلوب بنانا کافرانہ طریقہ ہے، پس یہ حدیث گویا ایک آئینہ بھی ہے، جن میں ہر مومن اپنا چہرہ دیکھ سکتا ہے۔

اگر اس کے دل کا تعلق اس دنیا کے ساتھ وہ ہے جو قید خانہ کے ساتھ قیدی کا ہوتا ہے تو وہ پورا مومن ہے، اور اگر اس نے اس دنیا سے اپنا دل ایسا لگا لیا ہے کہ اس کو اپنا مقصود و مطلوب بنالیا ہے، تو یہ حدیث بتاتی ہے کہ اس کا یہ حال کافرانہ ہے۔

دنیا فانی ہے اور آخرت غیر فانی، اسلئے آخرت کے طالب بنو۔

(۲۹) عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
مَنْ أَحَبَّ دُنْيَاَهُ أَظْهَرَ بِأَخْرَجْتَهُ وَمَنْ أَحَبَّ آخِرَتَهُ أَظْهَرَ بِدُنْيَاَهُ  
فَاتَرَوْا مَا يَنْظُرُ عَلَى مَا يَفْعَلُ ————— رواه احمد وابو يعقوب في شعب الایمان۔

(ترجمہ) حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص دنیا کو اپنا محبوب و مطلوب بنائے گا وہ اپنی آخرت کا ضرور نقصان کرے گا۔ اور جو کوئی آخرت کو محبوب بنائے گا وہ اپنی دنیا کا ضرور نقصان کرے گا، پس جب دنیا و آخرت میں سے ایک کو محبوب بنانے سے دوسرے کا نقصان برداشت کرنا لازم اور ناگزیر ہے، تو عقل و دانش کا تقاضا یہی ہوگا کہ فنا ہو جانے والی دنیا کے مقابلہ میں، باقی رہنے والی آخرت اختیار کرو۔

(سید احمد شعب الایمان للبیهقی)

(تشریح) ظاہر ہے کہ جو شخص دنیا کو اپنا محبوب و مطلوب بنائے گا تو اس کی اہل فکر و سعی دنیا ہی کے واسطے ہوگی، اور آخرت کو یا تو وہ بالکل ہی پس پشت ڈال دے گا یا اس کے لئے بہت کم جد و جہد کرے گا، جس کا نتیجہ ہر حال آخرت کا خسارہ ہوگا۔ اسی طرح جو شخص آخرت کو محبوب و مطلوب بنائے گا، اس کی اہل سعی و کوشش آخرت کے لئے ہوگی، اور وہ ایک دنیا پرست کی طرح دنیا کے لئے جد و جہد نہیں کر سکے گا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ دنیا زیادہ نہ سمیٹ سکے گا، پس صاحب ایمان کو چاہئے کہ وہ اپنی محبت اور چاہت کے لئے آخرت کو منتخب کرے، جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے اور دنیا تو بس چند روز میں فنا ہو جانے والی ہے۔

## اللہ سے تعلق کے بغیر دُنیا لعنتی ہے :-

(۳۳) عَنْ ابْنِ مَرْزُوقٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَا رَأَيْتُمُ الدُّنْيَا مَلْعُونَةٌ مَلْعُونٌ مَا فِيهَا أَلَا ذِكْرُ اللَّهِ وَمَا ذَاكَ عِلْمٌ

عَالِمٌ أَوْ مُتَعَلِّمٌ ————— زوائد الترمذی وابن ماجہ

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خبردار! دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے، اُس پر خدا کی پھٹکار ہے، اور اُس کے لئے رحمت سے محرومی ہے سوائے خدا کی یاد کے، اور اُن چیزوں کے جن کا خدا سے کوئی تعلق اور واسطہ ہے، اور سوائے عالم اور متعلم کے۔

(جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ خدا سے غافل کرنے والی یہ دنیا جس کی طلب اور چاہت میں بہت سے نادان انسان خدا کو اور آخرت کو بھول جاتے ہیں، اپنی حقیقت اور اپنے انجام کے لحاظ سے ایسی ذلیل اور ایسی مرقوم ہے کہ اللہ کی وسیع رحمت میں بھی اُس کے لئے کوئی حصہ نہیں، البتہ اس دنیا میں اللہ کی یاد اور جن چیزوں کا اُس سے تعلق ہے، حاصلِ علم و دین کے حاملین اور متعلمین سوائے اللہ کی رحمت ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اس دنیا میں صرف وہی چیزیں اور وہی اعمال اللہ کی رحمت کے لائق ہیں، جن کا اللہ تعالیٰ سے اور دین سے کوئی تعلق ہو، خواہ بلا واسطہ ہو یا بالواسطہ لیکن جو چیزیں اور جو اعمال و اشغال اللہ سے اور دین سے بالکل بے تعلق ہیں (اور دراصل دنیا اُن ہی کا نام ہے) وہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور اور محروم اور قابلِ لعنت ہیں۔ پس انسان کی زندگی اگر اللہ کی یاد اور اُس کے تعلق سے اور دین کے علم اور اُس کے تعلم سے خالی ہے، تو وہ رحمت کی حق نہیں، بلکہ لعنت کے قابل ہے۔

طالب دنیا گناہوں سے نہیں بچ سکتا :-

(۳۱) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ مِنْ أَحَدٍ يَتَوَكَّلُ عَلَى الْمَالِ إِلَّا أَهْلَكَ قَدْ مَلَأَتْ قُلُوبَهُمْ قَالُوا لَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ كَذَلِكَ إِلَّا مَنِ اتَّيَا لَا يَسْأَلُهُ مِنَ الدُّنْيَا شَيْئًا

(رداء البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا :- کیا کوئی ایسا ہے کہ پانی پر چلے اور اس کے پاؤں نہ بھیگیں ؟ عرض کیا گیا :- حضرت ایسا تو نہیں ہو سکتا ۔ آپ نے فرمایا :- اسی طرح دنیا دار گناہوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا ۔ (شعب الایمان ص ۱۲۱)

(تشریح) صاحب الدنیا (دنیا دار) سے مراد وہی شخص ہے جو دنیا کو مقصود و مطلوب بنا کر بس میں لگے ایسا آدمی گناہوں سے کہاں محفوظ نہ سکتا ہے۔ لیکن اگر بندہ کامل یہ ہو کہ مقصود و مطلوب اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت ہو اور دنیا کی مشغولی کو بھی وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی تلاش کا ذریعہ بنائے، تو وہ شخص دنیا دار نہ ہوگا، اور دنیا میں بظاہر پوری مشغولی کے باوجود وہ گناہوں سے محفوظ بھی رہ سکے گا۔ یہ معنوی معنی میں حدیثوں میں آئے صراحت سے آجائے گا۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو دنیا سے بچاتا ہے :-

(۳۲) عَنْ قَتَادَةَ بْنِ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَحْبَبَّ اللَّهُ عَبْدًا أَمَّا اللَّهُ تَبَاكَ لَا يَطْلُ أَحَدٌ حَتْفَ يَتِيمٍ

سُؤْمِيَّةُ الْمَاءِ (رداء البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) قتادہ بن انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا

جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے، تو دنیا سے اُس کو اس طرح پرہیز کراتا ہے جس طرح کہ تم میں سے کوئی اپنے مریض کو پانی سے پرہیز کراتا ہے، (جبکہ اُس کو پانی سے نقصان پہنچتا ہو)۔ (مسند احمد جامع ترمذی)

(تشریح) جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے، دنیا ہر اصل وہی ہے جو اللہ سے غافل کر دیتی اور جس میں مشغول ہونے سے آخرت کا راستہ کھوٹا ہو، پس اللہ تعالیٰ جن بندوں سے محبت کرتا ہے، اور اپنے خاص انعامات سے اُن کو نوازا، اُن کو اپنا چاہنے والا ہے، اُس طرح کہ ہم لوگ اپنے مریضوں کو پانی سے پرہیز کراتے ہیں۔

اپنے کو مسافر اور اس دنیا کو سرائے سمجھو:-

(۳۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ قَائِدٌ رَاكِبٌ —

(رواہ البخاری)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے دونوں ہونٹوں پر لکھے ارشاد فرمایا کہ:- دنیا میں ایسے رہ جیسے کہ تو پر دیسی ہے، یا راستہ چلتا مسافر۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) یعنی جس طرح کوئی مسافر پر دیس کو اور زہ گزر کو اپنا اصلی وطن نہیں سمجھتا اور وہاں اپنے لئے لمبے چوڑے انتظامات نہیں کرتا، اسی طرح مومن کو چاہئے کہ اس دنیا کو اپنا اصلی وطن نہ سمجھے، اور یہاں کی ایسی فکر نہ کرے جیسے کہ یہاں ہی اس کو ہمیشہ رہنا ہے، بلکہ اس کو ایک پر دیس اور زہ گزر سمجھے۔

واقعہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام انسانوں کو جیسا انسان بنانا چاہتے ہیں، اور اپنی تعلیم و تربیت سے ان کی جو سیرت بنانا چاہتے ہیں، اُس کی اساس و بنیاد یہی ہے کہ آدمی اس

دنوی زندگی کو بالکل عارضی اور چند روزہ زندگی سمجھے، اور موت کے بعد والی زندگی کو اصلی اور مستقل زندگی یقین کرتے ہوئے اس کی فکر اور تیاری میں اس طرح لگا رہے کہ گویا وہ زندگی اس کی آنکھوں کے سامنے ہے، اور گویا وہ اُسی دنیا میں ہے۔۔۔۔۔ جن لوگوں نے یہ بات جس درجے میں اپنے اندر پیدا کر لی، اُن کی زندگی اور اُن کی سیرت و آئینی درجے میں انبیاء علیہم السلام کی تعلیم اور اُن کی فضاء کے مطابق ہو گئی، اور جو لوگ اپنے میں یہ بات پیدا نہیں کر سکے، اُن کی زندگی بھی وہ نہیں بن سکی۔۔۔۔۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبات اور مواظبات میں اس بنیاد پر بہت زیادہ زور دیتے تھے۔

دنیا اور آخرت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خطبہ:-

(۳۴) عَنْ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ يَوْمًا فَقَالَ فِي خُطْبَتِهِ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اعْرِضُوا حِيزَكُمْ كُلَّهُ الْبُرْ وَالْفَاجِرُ أَلَا تَأْتِي الْآخِرَةَ أَجَلٌ صَادِقٌ وَيَقْضَى فِيهَا مَلَكٌ قَادِرٌ أَلَا تَأْتِي الْآخِرَةَ أَجَلٌ صَادِقٌ وَأَنَّ الشَّرَّ كُلَّهُ بِحِزِّ الْفَاجِرِ فِي النَّارِ أَلَا فَاعْمَلُوا وَأَنْتُمْ مِنَ اللَّهِ عَلَى حَذٍ يَوْمَ عَمَلُوا أَنْتُمْ مَعْرُوضُونَ عَلَٰكُمْ أَعْمَالُكُمْ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ

رواه الشيخان -

تسلی ایکنہ ..... رواد الشافعی۔

(ترجمہ) حضرت عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ دیا، اور اپنے اس خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ:۔ سن لو، اودیاد رکھو کہ دنیا ایک عارضی اُدور قتی سودا ہے، جو فی الوقت حاضر اور نقد ہے (اور اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے، اسی لئے) اس میں ہر نیک و بد کا حصہ ہے، اور سب اس سے کھاتے ہیں، اور یقین کرو کہ آخرت مقرر و قوت پر کرنے والی ایک سچی اہل

حقیقت ہے، اور سب کچھ قدرت رکھنے والا شنشاد اسی میں (لوگوں کے اعمال کے مطابق جزا اور سزا کا) فیصلہ کرے گا، یاد رکھو کہ ساری خیر اور خوشگواہی اور اس کی تمام قسمیں جنت میں ہیں، اور سارا شر اور فحشہ اور اس کی تمام قسمیں دوزخ میں ہیں۔ پس خبردار خبردار (جو کچھ کرو) اللہ سے ڈرتے ہوئے کرو (اور ہر عمل کے وقت آخرت کے انجام کو پیش نظر رکھو) اور یقین کرو کہ تم اپنے اپنے اعمال کے ساتھ اللہ کے حضور میں پیش کئے جاؤ گے، پس جس شخص نے ذرہ برابر کوئی نیکی کی ہوگی، وہ اُس کو بھی دیکھ لے گا، اور جس نے ذرہ برابر کوئی بُرائی کی ہوگی، وہ اُس کو بھی پا لے گا۔ (مسند امام شافعی)

(تشریح) انسان کی سب سے بڑی بدبختی اور سیکڑوں قسم کی بدکاریوں کی جڑ بنیاد یہ ہے کہ وہ اللہ کے احکام اور آخرت کے انجام سے بے فکر اور بے پروا ہو کر زندگی گزارے، اور اپنی نفسانی خواہشات اور اس دنیا کی فانی لذتوں کو اپنا مقصد اور مصلح نظر بنالے۔ اور یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہے، اور خدا اور آخرت آنکھوں سے اوجھل ہیں، اس لئے انسانوں کو اس بربادی سے بچانے کا راستہ یہی ہے کہ اُن کے سامنے دنیا کی بے حقیقتی اور بے قیمتی کو اور آخرت کی اہمیت اور برتری کو قوت کے ساتھ پیش کیا جائے، اور قیامت میں خدا کے سامنے پیشی اور اعمال کی جزا و سزا کا اور جنت و دوزخ کے ثواب و عذاب کا یقین اُن کے دلوں میں اُتارنے کی کوشش کی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خطبہ کا حاصل اور موضوع یہی ہے، اور جیسا کہ عرض کیا گیا، آپ کے اکثر خطبات اور مواعظ میں یہی بنیادی مضمون ہوتا تھا۔

(تنبیہ) یہ بات بڑی خطرناک اور بہت تشویشناک ہے کہ دینی دعوت اور دینی وعظ و نصیحت میں دنیا کی بے ثباتی اور بے حقیقتی اور آخرت کی اہمیت کا بیان اور جنت و دوزخ کا تذکرہ جس طرح اور جس ایمان و یقین اور جس قوت کے ساتھ ہونا چاہئے ہمارے اس زمانہ میں اس کا رواج بہت

کہ ہو گیا ہے، گویا نہیں رہا ہے، اور دین کی تبلیغ و دعوت میں بھی اُسی طرح کی باتیں کرنے کا رواج بڑھتا جا رہا ہے جس قسم کی باتیں مادی تحریکوں اور دنیوی نظاموں کی دعوت و تبلیغ میں کی جاتی تھیں۔  
دنیا سے نہ لپٹو، آخرت کے طالب بنو :-

(۳۵) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اتَّقَوْفَ مَا اتَّقَوْفٌ عَلَى أُمَّتِي الْهُدَى وَطُؤُلُ الْأَمَلِ فَأَمَّا الْهُدَى فَيَصُدُّ عَنِ الْبَغْيِ وَأَمَّا طُؤُلُ الْأَمَلِ فَيُنْشِي الْأَمْسَةَ وَهَذَا الَّذِي نَبَأَكُمْ بِهَذِهِ ذَاهِبَةٌ وَهَذِهِ الْأَخِيصَةُ مَسْجُودَةٌ قَادِمَةٌ وَلَا تَحِلُّ وَاجِبٌ مِنْهُمَا بَيِّنٌ فَإِنْ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تَكُونُوا مِنْ بَنِي النَّبَا فَا فَعَلُوا فَإِنَّكُمْ الْيَوْمَ فِي دَارِ الْعَمَلِ وَلَا حِسَابَ فَإِنَّكُمْ قَدْ أَفْتَى دَارَ الْأَخِيصَةِ وَلَا عَمَلَ.

(رواہ ابیہمی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت جابرؓ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں اپنی امت پر چن بلاؤں کے آنے سے ڈرتا ہوں، ان میں سب سے زیادہ ڈر کی چیزیں ہوں اور طُؤُلُ الْأَمَلِ ہے (ہوئی سے مراد یہاں یہ ہے کہ دین و مذہب کے بارے میں اپنے نفس کے رجحانات اور خیالات کی پیروی کی جائے، اور طُؤُلُ الْأَمَلِ یہ ہے کہ دنیوی زندگی کے بارے میں لمبی آرزوئیں دل میں پرورش کی جائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو بیماریوں کو بہت زیادہ خوفناک بتلایا، اور آگے اس کی وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ ہوں تو آدمی کو قبول حق سے مانع ہوتی ہے (یعنی اپنے نفسانی رجحانات اور خیالات کی پیروی کرنے والا قبول حق اور اتبارع ہدایت سے محروم رہتا ہے) اور طُؤُلُ الْأَمَلِ (یعنی لمبی آرزوئیں میں دل پھنس جانا) آخرت کو بھلا دیتا ہے اور اس کی فکر اور اس کے لئے تیاری سے غافل کر دیتا ہے (اس کے بعد اپنے



ارشاد فرمایا کہ یہ دنیا دہم چلی جا رہی ہے، گزر رہی ہے، کہیں اس کا ٹھہراؤ اور مقام نہیں) اور آخرت (اُدھر سے) چلی پڑی ہے، چلی آرہی ہے، اور ان دونوں کے پتے ہیں (یعنی انسانوں میں کچھ وہ ہیں جو دنیا سے ایسی وابستگی رکھتے ہیں جیسی وابستگی بچوں کو اپنی ماں سے ہوتی ہے، اور کچھ وہ ہیں جن کی ایسی ہی وابستگی اور رغبت بچے دنیا کے آخرت سے ہے) پس اسے لوگو! اگر تم کر سکو تو ایسا کرو کہ دنیا سے چٹنے والے اس کے پتے نہ ہو (بلکہ اس دنیا کو دارِ اصل سمجھو) تم اُمتِ دارِ اصل میں ہو (یہاں تمہیں صرف محنت اور کمائی کرنی ہے) اور یہاں حساب اور جزا سزا نہیں ہے، اور کل تم (یہاں سے کوچ کر کے) دارِ آخرت میں پہنچ جانے والے ہو، اور وہاں کوئی عمل نہ ہوگا (بلکہ یہاں کے اعمال کا حساب ہوگا اور ہر شخص اپنے کئے کا بدلہ پائے گا)۔

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اُمت کے بارے میں ڈو بڑی بیماریوں کا خوف اور خطرہ ظاہر فرمایا ہے، اور اُمت کو اُن سے ڈرایا اور خبردار کیا ہے، ایکٹ ہوئی، اور دوسرے مَطْلُوبِ اَمَلْ — فور سے دیکھا جائے، تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان ہی ڈو بیماریوں نے اُمت کے بہت بڑے سحّے کو برباد کیا ہے، جن لوگوں میں خیالات اور نظریات کی گرہیں ہیں، وہ ہوئی کے مریض ہیں، اور جن کے اعمال خراب ہیں وہ مَطْلُوبِ اَمَلْ اور حُب دنیا کے مریض ہیں، گرفتار اور آخرت کی فکر اور تیاری سے غافل ہیں، در علاج یہی ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے آخر میں بیان فرمایا — یعنی اُن کے دلوں میں یہ یقین پیدا ہو کہ یہ دنیوی زندگی فانی اور صرف چند روزہ ہے، اور آخرت ہی کی زندگی مبنی زندگی ہے، اور وہی ہمارا اصل مقام ہے — جب یہ یقین دلوں میں پیدا ہو جائے گا تو خیالات اور اعمال دونوں کی اصلاح آسان ہو جائے گی۔

دولت کی افراط کا خطرہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اگائی۔

(۳۶) عَنْ عَمْرِو بْنِ مَرْثَدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
قَوْلًا لَمْ يَلْقَ أَحَدٌ مِنْكُمْ عَلَيْهِ خَشَعٌ وَلَكِنْ أَخْشَعٌ حَلَكْتُكُمْ أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمْ  
الَّذِي بَيْنَاكُمْ أَيْسَطُ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَّا قَسُوهَا كَمَا تَنَّا قَسُوهَا  
وَتَعْلَمُ حَلَكْتُكُمْ كَمَا أَهْلَكْتُكُمْ — رواه البخاری و مسلم۔

(ترجمہ) عمرو بن مَرْثَد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
فرمایا کہ۔ میں تم پر فقر و ناداری آنے سے نہیں ڈرتا، لیکن مجھے تمہارے بار میں  
یہ ڈر ضرور ہے کہ دنیا تم پر زیادہ وسیع کر دی جائے، جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر  
وسیع کی گئی تھی، پھر تم اس کو بہت زیادہ چاہنے لگو، جیسے کہ انہوں نے اس کو  
بہت زیادہ چاہا تھا (اور اسی کے دیوانے اور متوالے ہو گئے تھے اور پھر وہ تم کو  
برباد کر دے، جیسے کہ اُس نے اُن اگلوں کو برباد کیا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بعض اگلی قوموں اور امتوں کا یہ تجربہ  
تھا کہ جب اُن کے پاس دنیا کی دولت بہت زیادہ آئی، تو اُن میں دنیوی حرص اور دولت کی  
رغبت و چاہت اور زیادہ بڑھ گئی، اور وہ دنیا ہی کے دیوانے اور متوالے ہو گئے، اور اصل  
مقصد زندگی کو بھلا دیا، پھر اس کی وجہ سے ان میں باہم حسد و بغض بھی پیدا ہوا، اور بالآخر  
اُن کی اس دنیا پرستی نے اُن کو تباہ و برباد کر دیا۔ — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی  
امت کے بارے میں اسی کا زیادہ ڈر تھا۔ — اس حدیث میں آپ نے ازراہ شفقت اُمت  
کو اس خطرے سے آگاہ کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ تم پر فقر و ناداری کے حملے کا مجھے زیادہ ڈر نہیں  
بلکہ اس کے برعکس تم میں بہت زیادہ دولت مندی آ جانے سے دنیا پرستی میں مبتلا ہو کر تمہارے

ہلاک و برباد ہو جانے کا بچے زیادہ خوف اور ڈر ہے۔

آپ کے اس ارشاد کا مقصد و مدعا اس خوشنافتہ کی خطرناکی سے اُمت کو خبردار کرنا ہے تاکہ ایسا وقت آنے پر اس کے بُرے اثرات سے اپنا بچاؤ کرنے کی وہ فکر کرے۔

### اس اُمت کا خاص فتنہ و ولست ہے :-

(۳۷) عَنْ كَتَبِ بْنِ حِيَاظٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةً وَفِتْنَةُ أُمَّتِنِ الْمَالُ

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) کعب بن حیاظ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ ارشاد فرماتے تھے کہ ہر اُمت کے لئے کئی خاص آزمائش ہوتی ہے اور میری اُمت کی خاص آزمائش مال ہے۔ (ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ میری پیغمبری کے دور میں (جو اب سے بے قیامت تک کا زمانہ ہے) مالی دولت کو ایسی اہمیت حاصل ہوگی، اور اس کی ہوس اتنی بڑھ جائے گی، کہ وہی اس اُمت کے لئے سب سے بڑا فتنہ ہوگا۔ (قرآن مجید میں بھی مال کو فتنہ کہا گیا ہے)۔ اور واقعہ یہ ہے کہ عہد نبوتی سے لے کر ہمارے اس زمانے تک کی تاریخ پر جو شخص بھی نظر ڈالے گا اُسے صاف محسوس ہوگا کہ مال کے مسئلہ کی اہمیت اور دولت کی ہوس براہِ بڑھتی رہی اور بڑھتی ہی جا رہی ہے، اُرد بلاشبہ یہی اس دور کا سب سے بڑا فتنہ ہے، جس نے بے شمار بندوں کو خدا کی بغاوت و نافرمانی کے راستے پر ڈال کے اصل سعادت سے محروم کر دیا ہے۔ بلکہ اب تو نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ خدا بیزاری اور خدا دشمنی کے طبعِ دار بھی دولت و معاش ہی کے مسئلہ کی پیٹھ پر سوار ہو کر اپنے و تجالی خیالات دنیا میں پھیلاتے ہیں۔

حِبِّ مَالٍ أَوْ حِبِّ جَاهٍ دِينَ كَيْلَيْهِ قَاتِلٌ هِيَ :-

(۳۸) عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
مَا ذُنُوبَانِ جَارَتَانِ أُرْسِلَا فِي غَنَمِيَا فَسَدَا لَهَا مِنْ حَرْصِ الْمَرْءِ  
عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِينِهِ ————— (رواه الترمذی والدراوی)

(ترجمہ) کعب بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دو بھوکے بھیڑیے جو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیئے گئے ہوں، ان بکریوں کو اس سے زیادہ تباہ نہیں کر سکتے، جتنا تباہ آدمی کے دین کو مال کی اور عزت و جاہ کی حرص کرتی ہے۔ (جامع ترمذی، مسند دارمی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ حِبِّ مَالٍ اور حِبِّ جَاهٍ آدمی کے دین کو اور اللہ کے ساتھ اس کے تعلق کو اس سے زیادہ نقصان پہونچاتے ہیں، جتنا کہ بکریوں کے کسی ریوڑ میں چھوٹے ہوئے بھوکے بھیڑیے ان بکریوں کو نقصان پہونچا سکتے ہیں۔

مال کی اور دنیا کی محبت بڑھاپے میں بھی جوان رہتی ہے :-

(۳۹) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَهْدِمُ  
ابْنُ آدَمَ وَيَشْتَبِي فِيهِ اثْنَانِ الْيُحْرَمُ عَلَى الْمَالِ وَالْغَيْرِ عَلَى الْعَمَلِ  
(رواه البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- آدمی بوجڑھا ہو جاتا ہے (اور بڑھاپے کے اثر سے اس کی ساری قوتیں مفصل ہو کر کمزور پڑ جاتی ہیں) مگر اس کے نفس کی دو خصلتیں اور زیادہ جوان اور طاقت ور ہوتی رہتی ہیں ————— ایک دولت کی حرص، اور

دوسری زیادتی عمر کی حرص۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) تجربہ اور شاہدہ شاہد ہے کہ انسانوں کا عام حال یہی ہے، اور اس کی وجہ بھی ظاہر ہے، بات یہ ہے کہ انسان کے نفس میں بہت سی ایسی غلط خواہشیں پیدا ہوتی ہیں جو اُنسی وقت پوری ہوتی ہیں جبکہ اُس کے ہاتھ میں دولت ہو، اور زندگی اور توانائی بھی ہو، اور ان خواہشوں کی مصرتوں اور بربادیوں سے انسان کو بچانا، ”پاسبانِ عقل“ کا کام ہے، مگر بڑھاپے کے اثر سے جب بھاری یہ عقل بھی منہمک اور کمزور پڑ جاتی ہے، تو ان خواہشات پر اپنا قابو اور کنٹرول رکھنے سے مجبور ہو جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آخر عمر میں بہت سی خواہشیں ”ہوس“ کا دورِ جبر اختیار کر لیتی ہیں، اور اس کی وجہ سے عمر کی زیادتی کے ساتھ مال و دولت کی اور دنیا میں زیادہ سے زیادہ رہنے کی حرص اور چاہت اور زیادہ ترقی کرتی رہتی ہے۔ کئے والے نے صحیح کہا ہے :-

بہنائے خوئے بد حکم شدہ قوت برکنند آں کم شدہ

لیکن یہ حال عوام کا ہے، اللہ کے جن بندوں نے اس دنیا اور اس کی خواہشوں کی حقیقت اور اس کے انجام کو سمجھ لیا ہے، اور اپنے نفسوں کی تربیت کر لی ہے، وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

(۴۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَلْزَالُ قَلْبُ الْكَافِرِ يَدْبُرُ مَا بَغَى فِي رَأْسِهِ فِي حُبِّ الدُّنْيَا وَطُولِ الْأَمَلِ

(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا :- بوڑھے آدمی کا دل دو چیزوں کے بارے میں ہمیشہ جوان ہوتا ہے ایک تو دنیا کی محبت، اور دوسری لمبی لمبی تنائیں۔

(تشریح) جیسا کہ پہلی حدیث کی تشریح میں ذکر کیا گیا، عام انسانوں کا حال یہی ہے، لیکن جن بندگانِ خدا کو خود شناسی اور خدا شناسی اور دنیا و آخرت کے بارے میں صحیح علم و توفیق

نصیب ہو، اُن کا حال یہ ہوتا ہے کہ بجائے حب دنیا کے، اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس فانی دنیا کی آرزوؤں کی جگہ رضا، اکتی اور نعمائے اخروی کا اشتیاق اور اس کی تشاثر حاپے میں بھی ان کے دل میں مسلسل بڑھتی اور ترقی کرتی رہتی ہے، اور ان کی عمر کا ہر گھلا دن پہلے دن کے مقابلے میں اس پہلو سے بھی ترقی کا دن ہوتا ہے۔

**دولت میں ضافے کی حرص کسی حد پر ختم نہیں ہوتی :-**

(۴۱) عَنِ ابْنِ جُبَايْنٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ  
لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ كَمَا يَتَخَلَّى ثَالِثًا وَلَا يَمْلَأُهُ  
جَوْفُ ابْنِ آدَمَ لَمَا الشَّرَابُ وَيَتَوَبُّ اللَّهُ عَلَى مَنْ تَابَ —  
(رواہ ابی حارثہ و مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :- اگر آدمی کے پاس مال کے بھرے ہوئے دو میدان اور دو جنگل ہوں تو وہ تیسرا اور چارہ گاہ اور آدمی کا پیٹ لوہس مٹی سے بھرنے لگا (یعنی مال و دولت کی اس ختم نہ ہونے والی ہوس اور بھوک کا خاتمہ بس قریب عاکر ہوگا) اور اللہ اس بندے پر عنایت اور مہربانی کرتا ہے جو اپنا رخ اور اپنی توجہ اس کی طرف کر لے۔  
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ مال و دولت کی زیادہ حرص عام انسانوں کی گویا فطرت ہے اگر دولت سے اُن کا گھر بھی بھرا ہو، اور جنگل کے جنگل اور میدان کے میدان بھی پٹے پڑے ہوں تب بھی اُن کا دل قانع نہیں ہوتا، اور وہ اس میں اور زیادتی اور اضافہ ہی چاہتے ہیں اور زندگی کی آخری سانس تک اُن کی ہوس کا یہی حال رہتا ہے، اور بس قہر ہی میں اگر دولت کی اس بھوک اور نمانے کے اس پھیر سے اُن کو چھٹکارا ملتا ہے۔ — البتہ جو بندے

دنیا اور دنیا کی دولت کے بجائے اپنے دل کا رخ اللہ کی طرف کر لیں، اور اُس سے تعلق جوڑ لیں، اُن پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہوتی ہے، اور اُن کو اللہ تعالیٰ اس دنیا ہی میں اطمینانِ قلب اور غنائے نفس نصیب فرمادیتا ہے، اور پھر اس دنیا میں بھی اُن کی زندگی بڑے مزے کی اور بڑے سکون سے گذرتی ہے۔

**طالبِ آخرت کا قلب مطمئن رہتا ہے، اور طالبِ دنیا کا دل پُر اگندہ اور غیر مطمئن رہتا ہے۔**

(۳۲) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَتْ زِينَتُهُ طَلَبَ الْآخِرَةِ جَعَلَ اللَّهُ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ وَجَمَعَهُ لَدُنْمَلَكِهِ وَأَنْتَهَ الدُّنْيَا وَهِيَ لِلْغَنَةِ وَمَنْ كَانَتْ زِينَتُهُ طَلَبَ الدُّنْيَا جَعَلَ اللَّهُ الْفَقْرَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَسَلَّتْ عَلَيْهِ أَمْرُهُ وَكَاهَ يَأْتِيهِ مِنْهَا إِلَّا مَا كَتَبَ لَهُ۔۔۔۔۔ رواه الترمذی ورواه احمد والبخاری

عن ابان عن زید بن ثابت۔

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جس شخص کی نیت اور اُس کا مقصد اصلی اپنی سعی و عمل سے آخرت کی طلب ہو، تو اللہ تعالیٰ غنا (قلبی اطمینان اور حقوق کی نامتناہی کیفیت) اُس کے دل کو نصیب فرمادیں گے، اور اُس کے پُر اگندہ حال کو درست فرمادیں گے، اور دنیا اُس کے پاس خود بخود ذلیل ہو کر آئے گی، اور جس شخص کی نیت اور اپنی سعی و عمل سے جس کا خاص مقصد دنیا طلب کرنا ہوگا، اللہ تعالیٰ محتاجی کے آثار اُس کی بیچ پیشانی میں اور اُس کے چہرے پر پیدا کر دیں گے، اور اُس کے حال کو پُر اگندہ کر دیں گے (جس کی وجہ سے اُس کو خاطر جمعی کی راحت کبھی نصیب نہ ہوگی) اور (ساری تنگ و دوکے بعد بھی) یہ دنیا اُس کو بس اتنی قدر ملے گی جس قدر اُس کے واسطے پہلے سے

مقدر ہو چکی ہوگی۔

(اس حدیث کو حضرت انسؓ سے امام ترمذی نے روایت کیا ہے)

اور امام احمد اور حاکمی نے اس حدیث کو ابان کی روایت سے

حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت کیا ہے۔)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو بندہ آخرت پر یقین رکھتے ہوئے آخرت کی صلاح

ہی کو اپنا اصل مطلوب و مقصود بنالیتا ہے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ

دنیا کے بارے میں اس کو قناعت نصیب فرما کر اس کے دل کو طمانیت اور جہیت غلام نصیب

فرمادی جاتی ہے، اور دنیا میں سے جو کچھ اس کے لئے مقدر ہوتا ہے وہ کسی نہ کسی راستہ سے

خود اس کے پاس آجاتا ہے۔ اور اس کے برعکس جو شخص دنیا کو اپنا اصل مقصود

و مطلوب بنالیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ محتاجی اور پریشانی میں اس پر اس طرح مسلط کر دیتا ہے

کہ دیکھنے والوں کو اس کے چہرے پر اوداس کی پچ پشانی میں اس کے آسمان نظر آتے ہیں اور

دنیا کی طلب میں خون پسینہ ایک کر دینے کے بعد بھی اس طالب دنیا کو بس وہی ملتا ہے

جو پہلے ہی سے اس کے لئے مقدر ہے۔ پس جب واقعہ اور حقیقت یہ ہے تو بزرگوں کو

چاہئے کہ آخرت ہی کو اپنا مقصود و مطلوب بنائے، اور دنیا کو بس ایک عارضی اور وقتی

ضرورت سمجھ کر اس کی صرف اتنی ہی فکر کرے جتنی کہ کسی عارضی وقتی چیز کی فکر ہونی چاہئے۔

دولت میں بندے کا واقعی حصہ کیا ہے؟ :-

(۳۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يَقُولُ الْعَبْدُ مَالِي مَالِي وَذَلِكَ مَالُكَ مِنْ مَالِهِ ذَلِكَ مَا أَكَلَ

فَأَفْطَى أَوْ لَبَسَ فَأَبْلَغَ أَفْأَعْطَى فَأَشْفَقَ وَمَا سِوَى ذَلِكَ فَهُوَ

ذَاهِبٌ وَكَارِبٌ لِلنَّاسِ ————— رواہ سلم۔



(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ بندہ کتنا ہے میرا مال، میرا مال، حالانکہ اُس کے مال میں سے جو واقعی اُس کا ہے وہ بس تین مہینے میں ہیں، ایک وہ جو اُس نے کھانے ختم کر دیا، دوسرے وہ جو پہن کر پڑنا کر ڈالا، اور تیسرے وہ جو اُس نے راہِ خدا میں دیا، اور اپنی آخرت کے واسطے ذخیرہ کر لیا، اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ بندہ دوسرے لوگوں کے لئے اُس کو چھوڑ جانے والا ہے، اور خود یہاں سے ایک دن بے نصرت ہو جانے والا ہے۔ (مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ آدمی کے کائے ہوئے اور جوڑے ہوئے مال میں سے واقعہ اور حقیقت اُس کا بس وہی ہے جو اُس نے کھانے پینے کی ضروریات میں یہاں اپنے اوپر خرچ کر لیا، یا راہِ خدا میں دے کے آخرت کے واسطے اللہ تعالیٰ کے یہاں جمع کر دیا، اس کے سوا جو کچھ ہے وہ درحقیقت اُس کا نہیں ہے بلکہ اُن وارثوں کا ہے جن کے لئے وہ اس کو چھوڑ جانے والا ہے۔

(۴۴) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَيْكُمْ مَالٌ وَارِثُهُ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ مَالِهِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا مِمَّا أَحَدٌ إِلَّا مَالُهُ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ مَالٍ وَارِثُهُ قَالَ فَإِنَّ مَالَهُ مَا قَدْ مَرَّ وَمَالٌ وَارِثُهُ مَا أَخَّرَ۔ رواه البخاری۔

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ تم میں سے کون ایسا ہے جس کو اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال محبوب ہو؟ (یعنی اپنے ہاتھ میں مال آنے سے زیادہ محبوب جس کو اپنے وارثوں کے ہاتھ میں مال آنا ہو؟) لوگوں نے عرض کیا:۔ ہم میں سے تو ہر ایک کا حال یہ ہے کہ اُس کو اپنے وارثوں کے مال سے زیادہ محبوب اپنا ہی

مال ہے (یعنی ہم میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کی یہ چاہت ہو کہ مال اُس کو نہ ملے، بلکہ اُس کے وارثوں کو ملے) آپ نے فرمایا:۔۔ جب یہ بات ہے، تو معلوم ہونا چاہئے کہ آدمی کا مال بس وہی ہے جس کو اُس نے آگے چلتا کر دیا، اور جس قدر اُس نے بعد کے لئے رکھا وہ اُس کا نہیں ہے، بلکہ اُس کے وارثوں کا ہے۔ (لہذا دانش مند آدمی کو چاہئے کہ وارثوں کے لئے چھوڑنے سے زیادہ فکر اپنی آخرت کے لئے سرمایہ محفوظ کر دینے کی کرے، جس کی صورت یہی ہے کہ سُنیتِ نبوت کے گھر میں رکھنے کے بجائے خیر کے مصارف میں صرف بھی کرتا رہا)

(صحیح بخاری)

(۳۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ إِذَا مَاتَ الْمُهَاجِرُ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ مَا قَدْ مَرَدَ قَالَ بَنُو آدَمَ مَا خَلَفَ — رواه البيهقي في شعب الایمان

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔۔ جب مرنے والا مرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اس نے اپنے واسطے آگے کیا بھیجا (یعنی کیا اعلیٰ خیر کئے، اور اپنی آخرت کے لئے اللہ کے خزانے میں کیا سرمایہ جمع کیا ہے) اور عام انسان آپس میں کہتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اس نے کتنا مال چھوڑا؟

(شعب الایمان للبیہقی)

دولت کے بندے خدا کی رحمت سے محروم :-

(۳۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ عَبْدُ اللَّهِ نَبَارِدًا وَلَعَنَ عَبْدُ اللَّهِ زُهَيْمًا — رواه الترمذی

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ:۔ بندہ دینار خدا کی رحمت سے محروم ہو، اور بندہ درہم خدا کی رحمت سے دور ہے۔  
(ترمذی)

(تشریح) جو لوگ مال و دولت اور دنیا و دنیا پرستار ہیں اور انہوں نے دولت ہی کو اپنا معبود اور محبوب و مطلوب بنالیا ہے اس حدیث میں اُن سے بیزاری کا اعلان اور اُن کے حق میں بددعا ہے کہ وہ خدا کی رحمت سے محروم اور دور رہیں۔  
مال و دولت کی پرستش اور بندگی یہ ہے کہ اُس کی چاہت اور طلب میں بندہ ایسا گرفتار ہو کہ اللہ کے احکام اور حلال و حرام کی حدود کا بھی پابند نہ رہے۔

حضور کا ارشاد کہ مجھے تجارت اور دولت اندوزی کا حکم نہیں دیا گیا ہے

(۴۶) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ مَوْلَى رَسُولِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَوْحَى إِلَيَّ أَنْ أَجْعَلَ الْمَالَ وَكَأَكُونَ مِنَ التَّاجِرِينَ وَلكِنْ أَوْحَى إِلَيَّ أَنْ سَتَيْخُ مُحَمَّدٌ رِثَاكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ وَاحْبُذْ رِثَاكَ حَتَّى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ۔ — رواه في شرح السنه  
(ترجمہ) جبیر بن نفیر تابعی سے روایت ہے، وہ بطریق ارسال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ مجھے اللہ کی طرف سے اس کی وحی نہیں کی گئی، اور یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں مال و دولت جمع کروں، اور تجارت و سوداگر کا کو اپنا پیشہ اور مشغلہ بناؤں۔ — بلکہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے، اور میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ اپنے رب کی تسبیح و تہلیل

کے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک تابعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث نقل کرتے ہیں، اور جن صحابی کے ذریعہ سے وہ حدیث اُن کو پہنچی ہوتی ہے اُن کا ذکر نہیں کرتے، ایسی حدیث منسلک ملانی ہے، اور تابعی کے واسطے حدیث بیان کرنے کو "در سال" کہتے ہیں ۱۲۔

میں مشغول رہو اور ہو جا اللہ کے حضور میں جھکنے والوں اور گرنے والوں میں سے

اور کئے جا بندگی اپنے پروردگار کی موت آنے تک۔ (شرح السنہ)

(تشریح) یعنی کو شریعت کے اصول و احکام کا کچھ علم ہے، وہ جانتے ہیں کہ تجارت اور اس کے ذریعہ دولت کمانا ناجائز نہیں ہے، اور شریعت کے احکام کا ایک بڑا حصہ تجارت وغیرہ مالی معاملات سے بھی متعلق ہے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان تاجروں کی بڑی بڑی خصلتیں بیان فرمائی ہیں، جو امانت داری، راستبازی اور دینی داری کے ساتھ تجارت کرتے ہوں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو خاص قلم تھا اور جو کام اللہ تعالیٰ کو آپ سے لینا تھا، اُس میں تجارت جیسے کسی جائز معاشی مشغلے میں بھی مشغول ہونے کی گنجائش نہ تھی، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو قناعت اور توکل کا دافتر سنبھالنے کے دس فکر سے فارغ بھی فرما دیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ مجھے تو ان ہی کاموں میں اپنے کو لگانا ہے جن کا مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر اور حکم ہے، میرا کام تجارت اور دولت اندوزی نہیں ہے۔

آپ کے امتیوں میں بھی اللہ کے جو بندے خواص متوکلانہ طرز زندگی کو پلٹے پلٹے پند کریں، اور اس راستے کے شوائد و مصائب پر صبر کی ہمت رکھتے ہوں، اور اللہ تعالیٰ پر توکل کی دولت اُن کو میسر ہو، تو اُن کیلئے یہی بلاشبہ یہی افضل ہے، لیکن جن کا یہ حال نہ ہو، اُن کو کسی جائز معاشی مشغلہ کا اختیار کرنا خاص کر ہمارے اس زمانہ میں ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دولت و ثروت کی پیشکش، اور آپ کی فقر پسندی :-

(۴۸) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عَرَضَ عَلَيَّ رَبِّي أَنْ يَجْعَلَ لِي بَطْحَاءَ مَكَّةَ وَهَبًا فَقُلْتُ لَا يَا رَبِّ

وَلَكِنْ أَشْبَعُ يَوْمًا وَأَجْوَعُ يَوْمًا فَإِذَا اجْعُثْتُ فَتَحَرَّعْتُ إِلَيْكَ  
 وَذُكِّرْتُكَ وَإِذَا أَشْبَعْتُ سَمِعْتُكَ وَشُكِّرْتُكَ — رواه أبو هريرة  
 (ترجمہ) حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے بیان فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے یہ بات رکھی کہ میرے لئے  
 وہ مکہ کی وادی کو (یا اس کے شکر یزوں کو) سونا بنا دے، اور سونے سے  
 بھروے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے سامنے یہ بات رکھی گئی کہ اگر  
 تم دولت مند بننا چاہو، تو تمہارے لئے مکہ کی وادی کو ہم سونے سے بھر سکے ہیں)  
 تو میں نے عرض کیا کہ میرے پروردگار میں اپنے لئے یہ نہیں مانگتا، بلکہ میں  
 (ایسی ناداری اور غریبی کی حالت میں رہنا پسند کرتا ہوں کہ) ایک دن پیٹ بھر  
 کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں، تو جب مجھے بھوک لگے تو آپ کو یاد کروں  
 آپ کے سامنے عاجزی اور گریہ وزاری کروں، اور جب آپ کی طرف سے  
 مجھے کھانا ملے اور میرا پیٹ بھرے، تو میں آپ کی حمد اور آپ کا شکر کروں۔

(مسند احمد، جامع ترمذی)

(تشریح) معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر و فاقہ کی جس حالت  
 میں زندگی گزاری، وہ اپنے لئے خود آپ نے پسند کی تھی، اور اپنے اللہ سے آپ نے  
 اس کو خود مانگا تھا۔ (آپ کی معیشت کے متعلق حدیثیں عفریب ہی مستقل عنوان تحت درج کیا ہیں)۔

سب سے زیادہ قابل رشک بندہ:۔

(۴۹) عَنْ أَبِي إِمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ  
 أَغْبَطُ أَوْلِيَاءِي عِنْدِي لِمُؤْمِنٍ خَفِيفُ الْحَادِذِ وَخَفِيفُ الصَّلَاةِ  
 أَحْسَنُ عِبَادَةٍ رَبِّهِ وَأَطَاةٌ فِي لِسَانِهِ وَأَخْلَصُ فِي كَلَامِهِ

لَا يَسَارُ إِلَيْهِ إِلَّا صَابِرٌ وَكَانَ رِزْقُهُ كَغَائَا فَصَبَرَ عَلَى ذَلِكَ  
ثُمَّ تَقَدَّرَ بَيْتُهُ فَقَالَ تَحَلَّتْ مِنْي شَيْءٌ فَلَتَ بَوَاكِيهِ قَلَّ مُرَآةً -

(رواہ احمد و الترمذی و ابن ماجہ)

(ترجمہ) ابوالائمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے دوستوں میں بہت زیادہ قابل رشک میرے نزدیک وہ مومن ہے جو تنہا بار (یعنی دنیا کے ساز و سامان اور مال و عیال کے لحاظ سے بہت ہلکا پھلکا) ہو، نماز میں اُس کا بڑا حصہ ہو، اور اپنے رب کی عبادت خوبی کے ساتھ اور صفات احسان کے ساتھ کرتا ہو، اور اُس کی اطاعت فرمانبرداری اُس کا شعار ہو، اور یہ سب کچھ انخفا کے ساتھ اور خلوت میں کرتا ہو، اور وہ نہ کچھ ہاتھ ہوں، اور اُس کی روزی بھی بعت و رکافت ہو، اور وہ اس پر صابر و قانع ہو۔۔۔۔۔۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے ٹھکلی بجائی (جیسے کہ کسی چیز کے ہو جانے پر اظہارِ تعجب یا اظہارِ حیرت کے لئے ٹھکلی بجاتے ہیں) اور فرمایا جلدی آگئی اُس کو موت، اور اُس پر رونے والیاں بھی کم ہیں، اُس کا ترکہ بھی بہت تھوڑا سا ہے۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ میرے دوستوں اور اللہ کے مقبول بندوں کے لواحق و احوال مختلف ہیں، لیکن اُن میں بہت زیادہ قابل رشک زندگی اُن اہل ایمان کی ہے، جن کا حال یہ ہے کہ دنیا کے ساز و سامان اور مال و عیال کے لحاظ سے وہ بہت ہلکے، مگر نماز اور عبادات میں اُن کا خاص حصہ، اور اس کے باوجود ایسے نامعروف اور گنہگار کہ آتے جاتے کہ اُن کی طرف اُنھکی آنکھیں نہیں

کہ یہ فلاں بزرگ اور فلاں صاحب ہیں اور ان کی روزی بس بقدر کفایت، لیکن وہ اس پر دل سے صابر و قانع۔۔۔۔۔ جب موت کا وقت آیا، تو ایک دم رخصت، نہ پیچھے زیادہ مال و دولت، اور نہ جائیداد و مکانات اور باغات کی تقسیم کے جھگڑے، اور نہ زیادہ اُن پر رونے والیاں۔

بلاشبہ بڑی قابل رشک ہے اللہ کے ایسے بندوں کی زندگی، اور انھیں اللہ کے اس قسم کی زندگی والوں سے ہماری یہ دنیا اب بھی خالی نہیں ہے۔

**خوش حالی چاہنے والی بیوی کو ابو الدرداء کا جواب :-**

(۵۰) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي الدَّرْدَاءِ مَا لَكَ لَا تَطْلُبُ لَنَا يَطْلُبُ مُلْكًا فَقَالَ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ تَطْلُبُ لَنَا يَطْلُبُ لَنَا مَمْلُوكًا يَتْلُو أَمْرًا مِمَّا كُنْتُمْ تَتْلُونَ فَاجْتَبِ أَنْ أَنْ تَخْفَعَ لِثَلَاثِ الْعُقَبِ

(رواہ ابیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت ابو الدرداءؓ کی بیوی ام الدرداءؓ سے روایت ہے کہ میں نے ابو الدرداءؓ سے کہا کہ: کیا بات ہے، تم مال و منصب کیوں نہیں طلب کرتے، جس طرح کہ فلاں اور فلاں طلب کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ:۔۔۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ:۔۔۔ تمہارے آگے ایک بڑی دشوار گزار گھاٹی ہے، اُس کو گراں بار اور زیادہ بوجھ والے آسانی سے پار نہ کر سکیں گے۔ پسٹیلے میں یہی پسند کرتا ہوں کہ جس گھاٹی کو عبور کرنے کے لئے ہلکا پھلکا رہوں (اس وجہ سے میں اپنے لئے مال و منصب طلب نہیں کرتا)۔

(شعب الایمان طبعی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر ذریعہات میں، اور آپ کے بعد خلفائے راشدین کے زمانہ میں ایسی صورتیں پیدا ہو گئی تھیں کہ مختلف راہوں سے اموال اکٹھے تھے، اور طالبین اور اہل حاجت کو تقسیم کئے جاتے تھے، اسی طرح بہت سے لوگوں کو خاص خدمات اور مناصب پر مقرر کیا جاتا تھا، اور ان کو اس خدمت اور کارکردگی پر دیکھ لیتا تھا، جس سے ان کا گزارہ آسان ہو جاتا تھا۔ لیکن بعض صحابہ کرامؓ اس زمانہ میں بھی فقر و فاقہ کی زندگی ہی کو اپنے لئے پسند کرتے تھے، ان ہی میں سے حضرت ابو الدرداءؓ بھی تھے، وہ آخرت کے محاسبہ اور عمر کی تکلیفوں اور سختیوں سے اس میں جگتے تھے کہ دنیا سے کم سے کم حصہ لیا جائے، اور میں کسی طرح زندگی بسر ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتلایا تھا کہ آخرت کی دشوار گزار گھاٹیوں کو وہی لوگ آسانی سے جوڑ کر سکیں گے جو دنیا میں ہلکے پھلکے رہیں گے، اور جو لوگ دنیا میں اپنے اوپر زیادہ بوجھ لادیں گے وہ آسانی سے ان گھاٹیوں کو پار نہ کر سکیں گے۔

موت اور افلاس میں خیر کا پہلو :-

(۵۱) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ لَبِيدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ  
إِذَا كَانَ يَكُونُ مَعَهَا ابْنٌ أَدْرَكَ يَكُونُ السَّنَةُ وَالْمَوْتُ خَيْرٌ لِلْمُعْتَمِرِ  
مِنَ الْهَيْئَةِ وَيَكُونُ هَلَاكُ الْمَسَالِ وَقِلَّةُ الْمَسَالِ أَقْلٌ لِلْحِسَابِ -

(رواہ احمد)

(ترجمہ) محمود بن لبیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- دو چیزیں ایسی ہیں جن کو آدمی ناپسند ہی کرتا ہے (حالانکہ ان میں اس کے لئے بڑی بہتری ہوتی ہے) ایک تو وہ موت کو نہیں پسند کرتا، حالانکہ موت اس کے لئے فتنہ سے بہتر ہے، اور دوسرے وہ مال کی کمی اور تنگدستی کو



نہیں پسند کرتا، حالانکہ مال کی کمی آخرت کے حساب کو بہت مختصر اور ہلکا کرنے والی ہے۔ (مسند احمد)

(تشریح) واقعہ یہی ہے کہ ہر آدمی موت سے اور ناداری و افلاس سے گھبراتا ہے اور ان سے بچنا چاہتا ہے، حالانکہ موت اس کا ظ سے بڑی نعمت ہے، کہ مرنے کے بعد آدمی دنیا کے دیں سوز قہنوں سے مامون و محفوظ ہو جاتا ہے، اور مال و دولت کی کمی اس کا ظ سے بڑی نعمت ہے کہ ناداروں اور غلسوں کو آخرت میں بہت مختصر حساب دینا ہوگا، اور وہ اس سخت مرحلہ سے بڑی جلدی اور آسانی سے فارغ ہو جائیں گے۔ جب انسان افلاس و ناداری کی مصیبت میں گرفتار ہو، یا کسی عزیز قریب کی موت کا صلہ اُس کو پہنچا ہو تو اُس وقت وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح کے ارشادات سے بڑی تسکین حاصل کر سکتا ہے۔

عَفِيفٌ أَوْ رِعِيَالٌ دَارِ مُغْلِبٍ بِنْدَةِ اللَّهِ كَا مَحْبُوبٍ :-

(۵۲) عَنْ جُمَرَانَ بْنِ مُصَنِّبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ عَبْدَهُ الْمُؤْمِنَ الْقَوِيَّ الْمُسْتَعِيفَ أَيْ الْفَقِيرَ۔ رواہ ابن ماجہ۔

(ترجمہ) عمران بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنا وہ مومن بندہ بہت پیارا اور محبوب ہے جو غریب و نادار اور عیال دار ہو، اور اس کے باوجود باعفت ہو (یعنی ناجائز طریقے سے پیسہ حاصل کرنے سے اور کسی کے سامنے اپنی ضروریات ظاہر کرنے سے بھی پرہیز کرتا ہو)۔

(تشریح) بلاشبہ جو شخص افلاس اور فقر و فاقہ کی حالت میں بھی عمراتِ شہتہ

سے اپنی مخالفت کرے، اور اپنی تنگ حالی کا اظہار بھی نہ کرے، وہ بڑا باہمت اور اشد کا پیارا بندہ ہے۔

جو بندگان خدا اس دنیا میں تنگ حالی و ناداری میں مبتلا کئے گئے ہیں اور غیبی ادا فقر و فاقہ کی زندگی گزار رہے ہیں، کاش! وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان حدیثوں سے تسلی اور سبق حاصل کریں، اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) والی، جو فقیرانہ و غریبانہ زندگی نصیب فرمائی ہے، اس کو اپنے حق میں نعمت سمجھ کر صابر و شاکر رہیں، تو فقر و فاقہ کی تکلیفیں ہی اُن کے لئے سادہ و لذت بن جائیں۔

اپنی بھوک اور حاجت مندی کو لوگوں سے چھپانے والے کیلئے اللہ کا وعدہ:-

(۵۳) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
مَنْ جَاءَ أَخًا حَتَّى يَمْلَأَهُ الْفَقْرَ كَانَ حَتًّا عَلَى اللَّهِ عَزَّ وَ  
جَلَّ أَنْ يَرْزُقَهُ رِزْقًا يَسْتَعْرِضُ حَتًّا لِي

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت عہد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- جو شخص بھوکا ہو، یا اس کو کوئی اور خاص حاجت ہو، اور وہ اپنی اس بھوک اور حاجت کو لوگوں سے چھپائے (یعنی اُن کے سامنے ظاہر کر کے اُن سے سوال نہ کرے) تو اللہ عز و جل کے ذمہ ہے، کہ اس کو حلال طریقے سے ایک سال کا رزق عطا فرمائے۔

(شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اللہ کے ذمہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے اپنا یہ دستور مقرر فرمایا ہے، اور جو بندہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ پر اور اسکی شان کریں،

دل کے پورے یقین کے ساتھ اس کا تجربہ کرے گا، انشاء اللہ وہ اس کا ظہور اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔

## زہد اور اس کے ثمرات و برکات

زہد کے لغوی معنی کسی چیز سے بے رغبت ہو جانے کے ہیں، اور دین کی خاص اصطلاح میں آخرت کے لئے دنیا کے لذائذ و مرغوبات کی طرف سے بے رغبت ہو جانے اور عیش و تنعم کی زندگی ترک کر دینے کو زہد کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے بھی اور اپنے ارشادات میں بھی اُمت کو زہد کی بڑی ترغیب دی ہے اور اس کے بہت کچھ دنیوی و اخروی ثمرات و برکات بیان فرمائے ہیں۔

زہد اختیار کرو، اللہ کے، اور بندوں کے، محبوب بن جاؤ گے :-

(۵۴) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِيُحْكِمَ رِجْلِي فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ دَلَّنِي عَلَى حَقٍّ إِذَا آتَا عَمِلْتُهُ كَجِبْتُهُ اللَّهُ وَأَكْبَحْتُ لِقَائَهُ قَالَ إِذَا هَدَىٰ إِلَيْكَ نَبِيٌّ يُحِبُّكَ اللَّهُ وَإِنْ هَدَىٰ فِي مَا عِنْدَ النَّاسِ يُحِبُّكَ النَّاسُ

(رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

(ترجمہ) سهل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا، اور عرض کیا :- یا رسول اللہ! مجھے ایسا کوئی عمل بتلایے کہ جب میں اُس کو کروں، تو اللہ بھی مجھ سے محبت کرے، اور اللہ کے بندے بھی مجھ سے محبت کریں۔ آپ نے فرمایا کہ :- دنیا کی طرف سے اعراض اور بے رنجی اختیار کر لو، تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا، اور جو (مال و جاہ) لوگوں کے پاس ہے اُس سے اعراض اور بے رنجی اختیار کر لو، تو

مَنْ لَيْقَ عَاقِلٍ عَاقِلَةٍ عَاقِلَةٍ عَاقِلَةٍ عَاقِلَةٍ

(رواه البيهقي في شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ اور ابو غطفانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کسی بندہ کو اس حال میں دیکھو کہ اُس کو زہد، یعنی دنیا کی طرف سے بے رغبتی دے رہی اور کم سخن (یعنی لغو اور فضول باتوں سے زبان کو محفوظ رکھنے کی صفت) اللہ نے نصیب فرمائی ہے، تو اُس کے پاس اور اُس کی صحبت میں رہا کرو، کیونکہ جس بندے کا یہ حال ہوتا ہے اُس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکمت کا القا ہوتا ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) حکمت کے القا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ حقیقتوں کو صحیح طور پر سمجھتا ہے اور اُس کی زبان سے وہی باتیں نکلتی ہیں جو صحیح اور نافع ہوتی ہیں، اسلئے اُسکی صحبت کیا اثر ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں حکمت کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ:۔

وَمَنْ يُعْطِ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا۔  
جس کو حکمت عطا کی جائے، اُس کو خیر کثیر عطا کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے زاہد بندوں کو نقد صلہ:۔

(۵۶) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا زِلْتُ حَبِئْتُ فِي الدُّنْيَا لَا أَنْبَتَ اللَّهُ الْحِكْمَةَ فِي قُلُوبِهِمْ وَكَأَنَّكَ بِحَالِ سَائِدَةٍ وَبَصَرُ عَيْنِ الدُّنْيَا وَدَاعَهَا وَدَوَاءُهَا وَآخِرُ جَدِّهَا مِنْهَا سَائِلًا إِلَى مَا وَالِ السَّكَاةِ

(رواه البيهقي في شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ:- جو بندہ بھی زہد اختیار کرے (یعنی دنیا کی رغبت و چاہت اپنے دل سے نکال دے، اور اس کی خوش عیش و خوش باشی کی طرف سے بے رغبتی اور بے رغبتی اختیار کر لے) تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کے دل میں حکمت کو آگائے گا، اور اس کی زبان پر بھی حکمت کو جاری کرے گا، اور دنیا کے محبوب اور اس کی پیاریاں اور پھر اس کا علاج ساجد بھی اس کو آنکھوں سے دکھائے گا، اور دنیا سے اس کو سلامتی کے ساتھ نکال کر جنت میں پہنچا دے گا۔ (تعبیہ بیان قبیلہ)

(تشریح) اوپر کی حدیث سے بھی معلوم ہوا تھا کہ دنیا میں جو شخص زہد اختیار کرے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو حکمت القا کی جاتی ہے، حضرت ابوذر غفاریؓ کی اس حدیث سے اس کی اور زیادہ تفصیل اور تشریح معلوم ہوئی، اس حدیث میں:-  
**اَللّٰهُ يَهْدِيْكَ لِيْ قَلْبٍ** اللہ اُس کے دل میں حکمت آگائے گا  
 کے بعد جو کچھ فرمایا گیا ہے، وہ گویا اسی حکمت کی تفصیل و تشریح ہے، اور مطلب یہ ہے کہ زہد اختیار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی دنیا میں پہلا نقد صلہ یہ خاص ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے قلوب میں حکمت اور معرفت کا تخم ڈال دیتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی خاص عطا ہے جسے نشوونما پاتا رہتا ہے، اور ترقی کرتا رہتا ہے، اور پھر اس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ اُن کی زبانوں سے حکمت ہی کا چشمہ جاری رہتا ہے، اور دنیا کے محبوب و امراض گویا اُن کو آنکھوں سے دکھائیے جاتے ہیں، اور ان کے علاج ساجد میں بھی اُن کو خاص بصیرت عطا ہوتی ہے۔ اور دوسرا خاص انعام ان بندوں پر یہ ہوتا ہے کہ ان کو ایمان اور تقویٰ کی سلامتی کے ساتھ اللہ تعالیٰ اس دنیا سے اٹھاتا ہے، اور وہ اس فانی دنیا سے نکال کر جاودانی عالم میں یعنی دارالصلوات جنت میں پہنچا دیئے جاتے ہیں۔

خاصانِ خدا عیش و تنعم کی زندگی نہیں گذارتے :-

(۵۷) عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
كَمَا بَعَثَ بِهِ إِلَى الْبَنِينَ قَالَ إِيَّاكَ وَالنَّعْمَ فَإِنَّ عِبَادَ اللَّهِ  
لَيَسْتَوُوا بِالْمُتَنَعِّمِينَ \_\_\_\_\_ رواه احمد -

(ترجمہ) حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے جب ان کوہین کی طرف روانہ کیا تو نصیحت فرمائی کہ :- معاذ! آرام طلبی اور  
خوش عیشی سے بچتے رہنا، اللہ کے خاص بندے آرام طلب اور خوش عیش نہیں  
ہوا کرتے۔ (مسند احمد)

(تشریح) دنیا میں آرام و راحت اور خوش عیشی کی زندگی گزارنا اگرچہ حرام اور ناجائز  
نہیں ہے، لیکن اللہ کے خاص بندوں کا مقام یہی ہے کہ وہ دنیا میں تنعم کی زندگی اختیار نہ کریں۔  
اللَّهُمَّ لَا عِشَى إِلَّا عِشَى الْآخِرَةِ

جب کسی بندہ کو شرح صد کی دولت نصیب ہوتی ہے تو اس کی زندگی میں دنیا

بے رغبتی اور آخرت کی فکر نمایاں ہو جاتی ہے :-

(۵۸) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ تَلَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
فَمَنْ شَرِحَ اللَّهُ أَنْ يُعْطِيَهِ يَشْرَحَ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ : فَقَالَ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشُّرَّ إِذَا دَخَلَ الصَّدْرَ  
إِنْفَسَحَ فَقِيلَ مَا رَسُولُ اللَّهِ هَلْ لِيْلِكَ مِنْ عِلْمٍ يُعَرِّفُ بِهِ قَالَ  
نَعَمْ السَّجَّاجِي مِنْ دَاخِلِ الْعُرُورِ إِلَى نَابَةِ إِلَى دَاخِلِ الْخُلُودِ وَالْإِسْتِعْلَا







معلوم ہو چکا ہے یہ ہے کہ دنیا سے دل نہ لگا یا جائے، اور اس کی ناپائیدار لذتوں اور راحتوں کو مطلوب و مقصود نہ بنایا جائے، اور اس یقین اور زہد کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے حاصل ہو جانے کے بعد آدمی اللہ کے راستے میں اور اعلیٰ مقاصد کے لئے جان و مال خرچ کرنے میں غل نہیں کرتا، یعنی صاحب یقین اور زاہد کے لئے کسی اچھے مقصد کے لئے اور اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ مال خرچ کر دنیا اور خطرات میں کود پڑنا آسان ہو جاتا ہے اور یہی مومن کی ساری ترقیوں کی کنجی ہے۔ اور جب مومن ان صفات سے خالی ہو جائے، یعنی بجائے اللہ پر یقین کے اُس کا یقین اپنے مال پر ہو جائے، اور وہ سمجھنے لگے کہ اگر مال میرے پاس ہو گا تو زندگی اچھی گزرے گی، اور مال نہ ہو گا تو میں تکلیفوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہو جاؤں گا، تو اس میں ضرور غل پیدا ہو جائے گا، اور اسی طرح جب ہر کی صفت اس میں نہ رہے گی اور دنیا اس کی مطلوب و مقصود بن جائے گی تو اس دنیا میں زیادہ سے زیادہ رہنے کی خواہش لازماً اس کے دل میں پیدا ہو جائے گی جس کو حدیث میں آئل سے تعبیر کیا گیا ہے، اور ظاہر ہے کہ بخل اور آئل پیدا ہو جانے کے بعد مومن اپنے اصل مقام سے گرتا ہی چلا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی خاص غرض دفایت اور اس میں امت کے لئے خاص ہدایت یہ ہے کہ امت کی صلاح و فلاح کے لئے ضروری ہے کہ اس میں یقین اور زہد کی صفات پیدا کرنے کی، اور ان ایمانی صفات کی حفاظت کی پوری فکر اور جدوجہد کی جائے، اور بخل اور آئل (یعنی دنیا میں زیادہ رہنے کی آرزو) جیسی غیر ایمانی صفات سے اپنے قلوب کی حفاظت کی جائے، امت کی صلاح و فلاح اسی سے وابستہ ہے۔

زہد کیا ہے، اور کیا نہیں ہے :-

(۶۰) عَنْ أَبِي ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَنْ هَادِئًا

فِي الدُّنْيَا كَيْسَتْ بِتَحْرِيمِ الْحَلَالِ وَلَا بِإِضَاعَةِ الْمَالِ وَلَا كَيْفَ  
 الزَّهَادَةِ فِي الدُّنْيَا أَنْ لَا تَكُونُ بِمَا فِي بَدَنِكَ أَوْ لَقَى مِمَّا  
 فِي يَدَيْ اللَّهِ وَأَنْ تَكُونُ فِي ثَوَابِ الْمُصِيبَةِ إِذَا أَنْتَ أَصِيبْتَ  
 بِهَا أَرْغَبَ فِيهَا لَوْ أَنَّهَا أُبْقِيَتْ لَكَ — رواه الترمذی وابن ماجہ۔  
 (ترجمہ) حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے فرمایا کہ: دنیا کے بارے میں زہد اور اس کی طرف سے بے رغبتی (جو خاص  
 ایمانی صفت ہے) وہ حلال کو اپنے پر حرام کرنے اور اپنے مال کو برباد کرنے کا  
 نام نہیں ہے، بلکہ زہد کا اصل معیار اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ جو کچھ بھائے  
 پاس اور تھامے ہاتھ میں ہو، اس سے زیادہ اعتماد اور بھروسہ تم کو اس پر ہو  
 جو اللہ کے پاس اور اللہ کے قبضہ میں ہے، اور یہ کہ جب تم کو کوئی تکلیف اور  
 ناخوش گواری پیش آئے تو اس کے اخروی ثواب کی چاہت اور رغبت تھاکے  
 دل میں زیادہ ہو یہ نسبت اس خواہش کے کہ وہ تکلیف اور ناگواری کی بات  
 تم کو پیش ہی نہ آتی۔

(تشریح) بہت سے لوگ ناواقفی سے زہد کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ آدمی دنیا کی  
 ساری نعمتوں، راحتوں اور لذتوں کو اپنے اوپر حرام کر لے، نہ کبھی لذت کھانا کھائے، نہ ٹھنڈا  
 پانی پئے، نہ اچھا کپڑا پہنے، نہ کبھی اچھے نرم بستر پر سوئے، اور اگر کہیں سے کچھ آجائے، تو  
 اس کو بھی اپنے پاس نہ رکھے، خواہ جلدی سے کہیں پھینک ہی دے۔ رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اسی غلط خیالی کی اصلاح فرمائی ہے، آپ کے ارشاد کا  
 حاصل یہ ہے کہ زہد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ نے اپنی جن نعمتوں کا استعمال بندوں کے لئے  
 حلال کیا ہے، آدمی ان کو اپنے پر حرام کر لے، اور اگر دوپہر پیسہ ہاتھ میں آئے تو اسے برباد  
 کر دے، بلکہ زہد کا اصل معیار اور تقاضا یہ ہے کہ جو اس دنیا میں اپنے پاس اور اپنے ہاتھ میں ہو

اس کو فانی اور ناپائیدار یقین کرتے ہوئے اس پر اعتماد اور بھروسہ نہ کرے۔ اور اس کے مقابلے میں اللہ کے غیر فانی غیبی خزانوں پر اور اس کے فضل پر زیادہ اعتماد اور بھروسہ کرے۔ اور دوسرا معیار اور دوسری علامت زہد کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جب کوئی تکلیف اور مصیبت بندہ کو پہنچ جائے تو اس کے اخروی اجر و ثواب کی چاہت اور رغبت اس کے دل میں اس مصیبت اور تکلیف کے نہ پہنچنے کی آرزو سے زیادہ ہو، یعنی بجائے اس کے کہ اس کا دل اس وقت یہ کہے کہ کاش یہ تکلیف مجھے نہ پہنچی ہوتی، اس کے دل کا اساس یہ ہو کہ آخرت میں مجھے اس تکلیف کا جو اجر و ثواب ملے گا، انشاء اللہ وہ تکلیف نہ پہنچنے کے مقابلے میں میرے لئے ہزاروں درجہ بہتر ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ آدمی کا یہ حال جب ہی ہو سکتا ہے جبکہ اس کو عیش دنیا کے مقابلہ میں عیش آخرت کی زیادہ فکر ہو۔ اور یہی زہد کی اصل و اساس ہے۔

اس حدیث سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ بندوں کو اس دنیا میں عافیت اور راحت کے بجائے تکلیف اور مصیبت کی تمنا اور اللہ تعالیٰ سے اس کی دعا کرنی چاہئے، دوسری حدیثوں میں اس سے صریح ممانعت آئی ہے، اور صحیح روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو ہمیشہ تاکید فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے عافیت اور خیریت ہی کی دعا اور استعاذ کیا کرو (سئلوا اللہ العافیۃ) اور خود آپ کا معمول و دستور بھی یہی تھا، پس حضرت ابوذر کی ضرورت بلحاظ حدیث کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ بندہ اس دنیا میں مصائب اور تکالیف کی تمنا کرے، بلکہ اس کا مطلب و مدعا صرف یہ ہے کہ جب اللہ کے حکم سے کوئی مصیبت یا تکلیف بندہ کو پہنچ جائے تو پھر دوسرے کا مقام اور زہد کا تقاضا یہ ہے کہ اس مصیبت یا تکلیف کا جو اجر و ثواب آخرت میں ملنے والا ہے وہ اس کو اس کے نہ پہنچنے سے زیادہ محبوب و مرغوب ہو ان دونوں باتوں کے فرق کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

## زہد نبوی

اپنے اور اپنے خاص متعلقین کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فقر پسندی :-

(۶۱) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُمَّ

أَخْبِنِي مِسْكِينًا وَأَمِثْنِي مِسْكِينًا وَأَحْشِنِي فِي رُمَدَةٍ

الْمَسَاكِينِ ..... رواه الترمذی والبیہقی فی شعب الایمان رواہ ابن ماجہ عن ابی سعید۔

(ترجمہ) حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ :- اے اللہ! مجھے مسکینی کی حالت میں نہ رکھ

اور مسکینی کی حالت میں دنیا سے اٹھا، اور مسکینوں کے گروہ میں میرا حشر فرما۔

(جامع ترمذی وشعب الایمان للبیہقی، اور ابن ماجہ نے اسی کو

ابو سعید خدری سے روایت کیا ہے)۔

(تشریح) ابھی چند صفحے پہلے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پیشکش کی گئی کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کے لئے مکہ کی وادی

کو سونے سے بھر دیا جائے، تو آپ نے عرض کیا کہ : نہیں میرے پروردگار! میں تو ایسی

فقرانہ زندگی چاہتا ہوں کہ ایک دن کھانے کو ہو، اور ایک دن کھانے کو نہ ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچ سمجھ کر اپنے لئے فقرانہ زندگی کو پسند فرمایا تھا،

اور یہی آپ کی حقیقت شناس مبارک طبیعت کا بھی میلان تھا، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ

آپ کا جو مقام و منصب تھا، اور جو کارِ عظیم آپ سے متعلق تھا اس کے لئے فقر و مسکنت کی

زندگی ہی زیادہ مناسب و بہتر تھی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ قناعت و طمانیت اور

رضا و تسلیم نصیب فرمائے، تو بندوں کے لئے عام طور سے بھی دینی اور آخرتی نقطہ نظر سے

یہ نسبت دو قسمندی کے فقر و ناداری کی زندگی ہی افضل اور بہتر ہے۔

(۶۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
قَالَ اللَّهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قَوْنًا وَفِي رِزَايَةٍ كَفَافًا۔  
(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ: اے اللہ! محمدؐ کے متعلقین کی روزی بس بقدر کفایت ہو۔  
(بخاری و مسلم)

(تشریح) اصل عربی زبان میں اکل کا لفظ گھروالوں یعنی بیوی بچوں کیلئے بھی استعمال  
ہوتا ہے، اور متبعین کے لئے بھی، لیکن اس دعا میں بظاہر آپؐ کی مراد آپؐ کے گھروالے ہی ہیں  
اسی لئے ہم نے اس کا ترجمہ متعلقین سے کیا ہے، قَوْنٌ اور کَفَافٌ دونوں کا مطلب قریب  
قریب ہی ہے کہ روزی بس اتنی ہو کہ زندگی کا نظام چلتا رہے، نہ اتنی تنگی ہو کہ فاقہ زدگی  
اور پریشاں حالی کی وجہ سے اپنے متعلقہ کام بھی نہ انجام دیئے جاسکیں اور دست سوال  
کسی کے سامنے پھیلا نا پڑے، اور نہ اتنی فراغت ہو کہ کل کے لئے بھی ذخیرہ رکھا جاسکے  
\_\_\_\_\_ احادیث و سیر کی شہادت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری  
زندگی اسی طرح گزری۔

حضورؐ کی زندگی میں آپؐ کے گھروالوں نے کبھی دُوبن کی کوئی سے بھی سپیش نہیں بھرا

(۶۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا شَبَّهَ آلَ مُحَمَّدٍ مِنْ خَيْرِ الشَّعَائِرِ  
يَوْمَئِذٍ مُنْتَابِعِينَ حَتَّى قُبِضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

علیہ وسلم کے گھر والوں نے جو کی روٹی سے بھی دو دن متواتر پیٹ نہیں بھرا،  
 یہاں تک کہ حضورؐ اس دنیا سے اٹھائے گئے۔ (بخاری و مسلم)  
 (تشریح) مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کی پوری زندگی میں ایسا نہیں ہوا کہ آپ کے  
 اہل و عیال نے دو دن متواتر جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کھائی ہو۔ اگر ایک دن پیٹ بھر کھایا  
 تو دوسرے دن بھوکے رہے۔

(۶۴) عَنْ سَعِيدِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّكَ مَكَتَ بِمَدِينَةِ  
 أَثَرِ يَوْمِ شَاكٍ مَصْلِيَةٍ فَذَعْنُ فَأَبَى أَنْ يَأْكُلَ وَقَالَ  
 خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِينَةِ وَلَعَلَّ يَشْبَهُهُ  
 مِنْ حُزْنِ الشَّعِيرِ ————— رواه البخاری۔

(ترجمہ) سید تقی بن سہید ابو ہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ان کا  
 گھر پر لوگوں پر ہوا جو کھانے پر بیٹھے تھے اور ان کے سامنے ٹھنی ہوئی بکری  
 رکھی ہوئی تھی، ان لوگوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی کھانے میں شریک  
 ہونے کی استدعا کی، تو آپ نے انکار کر دیا، اور بطور عذرت کہا کہ (میرے  
 لئے اس کھانے میں کیا مزہ ہے، جبکہ مجھے معلوم ہے کہ) رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم دنیا سے اس حال میں تشریف لے گئے کہ جو کی روٹی سے بھی آپ نے  
 پیٹ نہیں بھرا۔ (بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں جو کلیفیں اٹھائیں وہ کسی نے بھی نہیں اٹھائیں۔

(۶۵) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ  
 أَخِضْتُ فِي اللَّهِ وَمَا يَخْضُ أَحَدٌ وَلَقَدْ أَوْذِبتُ فِي اللَّهِ وَمَا  
 يُؤْذِي أَحَدٌ وَلَقَدْ آتَتْ عَلَى ثَلَاثُونَ مِنْ بَنِي كَيْفَةٍ وَبَنِي

وَمَالِي ذَلِيلًا لِّمَلَأَتْهُ كَلَّةٌ ذُو سَيْدٍ اِلَّا سَيِّئٌ قَبِيْرٌ

رابطہ بکلائی ————— رواہ الترمذی -

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اللہ کے راستہ میں مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ٹدایا گیا، اور اللہ کے راستہ میں مجھے اتنا ستایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ستایا گیا، اور ایک دفعہ تیس دن رات مجھ پر اس حال میں گزرے کہ میرے اور بلال کے لئے کھانے کی کوئی ایسی چیز نہ تھی جس کو کوئی جاندار کھا سکے بجز اُس کے جو بلال نے اپنی بغل میں دُبا رکھا تھا۔ (صحیح ترمذی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنت کو سبق دینے کیلئے یہ آپ بیتی سنائی، کہ دین کی دعوت اور اللہ کا پیغام پہنچانے کے سلسلہ میں مجھے ایسی ایسی مصیبتوں سے گزرنا پڑا ہے، دشمنوں نے مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا کہ میرے سوا کسی کو اتنا نہیں ڈرایا دھمکایا گیا، اور جب میں نے اُن کی دھمکیوں کا اثر نہیں لیا، اور دین کی دعوت دیتا ہی رہا، تو اُن ظالموں نے مجھے اتنا ستایا اور ایسی ایسی تکلیفیں دیں کہ میرے سوا کسی کو ایسی تکلیفوں سے گزرنا نہیں پڑا، اور بھوک اور فاقہ کی تکلیف بھی اتنی اٹھائی کہ ایک دفعہ پورے مہینہ کے تیس دن رات اس حالت میں گزر گئے کہ کھانے کی کوئی چیز نہ تھی، بجز اُس کے کہ بلال نے اپنی بغل میں کچھ دُبا رکھا تھا، پورے مہینہ مجھے اور بلال کو اُسی پر گزارہ کرنا پڑا۔

دُو دُو مہینے تک حضورؐ کا چولہا ٹھنڈا رہتا تھا:-

(۶۶) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ لِعُرْوَةَ ابْنِ اُسْحَبٍ اِنْ كُنَّا

لَنَنْظُرَ اِلَى الْعِلَالِ ثَلَاثَةَ اَهْلَةٍ فِيْ شَهْرَيْنِ وَمَا اَوْقَدَتْ

فِي أَنْبَاءِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَارُ فَقُلْتُ مَا  
كَانَ بَعِيْثُكُمْ قَالَتْ أَلَا سَوْدَابُ الشَّمْسِ وَأَنَا أَلَا أَلَا  
كَذَلِكَ كَانَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِئْرَانٌ مِنَ  
أَلَا نَصَارِ كَانَ لَهُمْ مَنَاحِرُ وَكَانُوا مَنَعُونَ لِرَسُولِ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمِعْتُ هُ ————— - رواه البخاری و سلم -

(ترجمہ) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے عروہ سے فرمایا:-  
میرے بھانجے اہم (الہبیت نبوت) اس طرح گزارہ کرتے تھے، کہ کبھی کبھی  
لگاتار تین تین چاند دیکھ لیتے تھے (یعنی کال دوہینے گذر جاتے تھے) اور  
حنوز کے گھروں میں چوٹھا گرم نہ ہوتا تھا (عروہ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا کہ  
پھر آپ لوگوں کو کیا چیز زندہ رکھتی تھی؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا: بس  
کھجور کے دانے اور پانی (ان ہی پر اہم جیتے تھے) ————— البتہ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض انصاری پڑوسی تھے، اُن کے ہاں دودھ دینے  
والے جانور تھے، وہ آپ کے لئے دودھ بطور ہدیہ کے بھیجا کرتے تھے، اور  
اُس میں سے آپ ہم کو بھی دے دیتے تھے۔ (بخاری و سلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ تنگی اور ناداری اس قدر تھی کہ حنوز کے گھروں پر  
دودھ دینے ایسے گذر جاتے تھے کہ کسی قسم کا اناج، بلکہ کپنے والی کوئی چیز بھی گھر میں نہیں  
آتی تھی، جس کی وجہ سے چوٹھا جلانے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی، بس کھجور اور پانی پر  
دن کاٹے جاتے تھے، یا کبھی پڑوس کے کسی گھر سے حنوز کے لئے دودھ آتا، تو وہ پیوٹوں  
میں پونچتا تھا، باقی بس اللہ کا نام!۔



## آپ کے اور آپ کے گھروالوں کے مسلسل فاقے :-

(۶۷) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبِيتُ اللَّيْلَ فِي الْمَتَابَعَةِ طَارِياً هُوَ وَأَهْلُهُ لَا يَجُودُونَ عِشَاءً وَلَا ثَمًّا كَانَ عِشَاءً هُمْ خُبْرُ الشَّعْبِ ..... (رواه الترمذی)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی راتیں پہلے پہلے اس حالت میں گزرتی تھیں کہ آپ اور آپ کے گھروالے خالی پیٹ خلتے سے رہتے تھے، کیونکہ رات کا کھانا نہیں پاتے تھے (اور جب کھاتے) تو ان کا رات کا کھانا عام طور سے بس جو کی روٹی ہوتی تھی۔ (ترمذی)

## جب آپ کی وفات ہوئی، تو آپ کی زو ایک یہودی کے پاس رہن تھی :-

(۶۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تَوَفَّي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدُرْعُهُ مَرْهُونَةٌ حَتَّى يَهُودِيٌّ بِثَلَاثِينَ مِصَاعًا مِنْ شَعِيرٍ۔ (رواه البخاری)

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے حال میں وفات پائی، کہ آپ کی زرہ ۳۰ صاع جو کے بدلے ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔

(بخاری)

(تشریح) ہمارے اکثر علماء کی تحقیق یہ ہے کہ ایک صاع قرینا ساڑھے تین سیر کا ہوتا تھا، اس حساب سے ۳۰ صاع جو قریب ڈھائی من کے ہوئے۔ حدیث کا

مقصود اور منشاء یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک کے بالکل آخری ایام میں بھی (جبکہ قریب قریب پورے عرب کے آپ فرمانروا بھی تھے) آپ کے گھر کے گزارہ کا حال یہ تھا کہ درنہ کے ایک یہودی کے پاس اپنی قیمتی زدہ رہن رکھ کر آپ نے صرف پھار جو وفات سے کچھ ہی پہلے قرض لئے تھے۔

### مسلمانوں کو چھوڑ کر کسی یہودی سے قرض لینے کی مصلحت :-

درنہ کے مسلمانوں میں بھی ایسے متعدد افراد ہونے کے باوجود جن سے ایسے پھوٹے پھوٹے قرضے غالباً ہر وقت لئے جاسکتے تھے، کسی یہودی سے قرض لینے کی چند مصلحتیں ہو سکتی ہیں :- ایک یہ کہ آپ نہیں چاہتے تھے کہ اپنے اہل محبت اور نیاز مندوں میں سے کسی کو اس حالت اور اس قسم کی ضرورت کا علم ہو، کیونکہ پھر وہ بجائے قرض کے دیر وغیرہ کے ذریعے آپ کی خدمت کرنا چاہتے، اور اس سے ان پر بار پڑتا، نیز اس صورت میں ان سے قرض منگوانے میں ایک قسم کی طلب اور تحریک ہو جاتی۔

اور غالباً دوسری بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ اس کے شبہ اور شائبہ سے بھی بچنا چاہتے تھے، کہ آپ کے ذریعہ اہل ایمان کو دین کی جو دولت ملی، اس کے عوض آپ کوئی حقیر سے حقیر بھی دنیوی فائدہ اُن سے اٹھائیں، اس لئے مجبوری اور ضرورت کے موقع پر آپ قرض بھی غیر مسلموں سے لینا چاہتے تھے۔

تیسری مصلحت اس میں غالباً یہ بھی تھی کہ لہین دین کے یہ تعلقات غیر مسلموں سے رکھنے میں اُن کی آمد و رفت اور ملنے جلنے کے مواقع پیدا ہوتے تھے اور اس کا راستہ کھلنا تھا، کہ وہ لوگ آپ کو اور آپ کی سیرت کو جانیں اور جانیں، اور ایمان اور رضاء الہی کی دولت سے وہ بھی بہرہ یاب ہوں۔ چنانچہ یہ نتائج ظہور میں بھی آئے، مشکوٰۃ ہی میں امام بیہقی کی ”دلائل النبوة“ کے حوالہ سے درنہ کے ایک بڑے دو قتمند یہودی کا

یہ واقعہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کچھ قرض لیا تھا، وہ قرضہ کو  
 آیا، تو آپ نے عذر کیا کہ اس وقت ہم غلیٰ ہاتھ ہیں اسلئے تمہارا قرضہ ادا کرنے سے  
 آج مجبور ہیں، اس نے کہا کہ میں تو غیر ملے نہیں جاؤں گا، چنانچہ ہجر کے وہیں بیٹھ گیا،  
 یہاں تک کہ پورا دن گزر گیا اور رات بھی گزر گئی، اور حضورؐ نے اس دوران میں اس  
 یہودی کی موجودگی ہی میں ظہر، عصر، مغرب، عشا، اور فجر کی نمازیں ادا فرمائیں، اور وہ  
 نہیں ملا، بعض صحابہ کو اس کی یہ حرکت بہت ناگوار ہوئی اور انھوں نے چپکے چپکے اس کو  
 ڈرایا دھمکایا، تاکہ وہ کسی طرح پہلا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا پتہ  
 چل گیا تو آپ نے فرمایا، کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ کسی معاہدہ پر کوئی ظلم و زیادتی نہ ہو،  
 یہ سن کر ان صحابہ کو بھی خاموش ہو جانا پڑا، پھر کچھ وقت گزرنے کے بعد اس یہودی نے  
 کہا، کہ دراصل میں روپیہ کے تقاضے کے لئے نہیں آیا تھا، بلکہ میں دیکھتا اور جانچتا ہا تھا  
 تھا، کہ وہ اوصاف و علامات آپ میں موجود ہیں یا نہیں جو تورات میں آخری زمانے میں  
 آنے والے پیغمبر کے بیان کئے گئے ہیں، اب میں نے دیکھ لیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ آپ ہی  
 وہ نبی موعود ہیں، اسکے بعد اس نے کلمہ شہادت پڑھا، اور اپنی ساری دولت حضورؐ کی خدمت  
 میں پیش کر کے عرض کیا: "هَذَا مَالِي فَأَخِمْ كَفَرْتِهِ بِمَا آتَاكَ اللَّهُ" یہ میرا سارا  
 مال حاضر ہے، اب آپ اللہ کی تعلیم و ہدایت کے مطابق اسکے بارے میں جو چاہیں فیصلہ  
 فرمائیں، اور جس مصرت میں چاہیں اس کو صرف فرمائیں۔  
 (مشکوٰۃ باب فی اخلاقہ و شہادۃ صلی اللہ علیہ وسلم)

خوشحالی کیلئے دُعا کی درخواست پر حضرت عمرؓ کو آپؐ کا جواب:-

(۶۹) عَنْ عُمَرَ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فَإِذَا هُوَ مُصْطَبِعٌ عَلَى رِمَالِ حَصِيٍّ بِرَأْسِ بَيْتَةٍ وَبَيْتَةٍ فَرَأَيْتُ

قَدْ أَكْثَرَ التَّوَمَالَ بِجَنَّتِهِمْ مُنْكَرًا عَلَى وَسَادَةٍ مِنْ أَدَمٍ حَشَقَ هَا  
 لَيْعَتُ كُلَّتْ بَارِسُوقُ اللَّهِ أَدْعَا اللَّهُ فَلْيُوسِعْ عَلَى أَمَّتِكَ فَإِنَّ  
 فَارِسَ وَالْقُدْرَةَ قَدْ وَسَّعَ عَلَيْهِمْ وَهُمْ لَا يَعْبُدُونَ اللَّهَ فَقَالَ  
 أَوْ فِي هَذَا أَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَابِ أُولَئِكَ قَوْمٌ مَجْهَلَتْ لَهُمْ  
 حَلِيبَاتُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي رَوَايَةٍ أَمَّا تَرْفَعُهُ أَنْ تَكُونَ  
 لَهُمْ اللَّهُ نَبِيًّا وَلَكِنَّ الْأَخْيَرَةَ ————— رواه البخاري وسلم

(ترجمہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک نرسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ کو اس حالت میں دیکھا کہ  
 کھجور کے پتھوں سے بنی ہوئی ایک پٹائی پر آپ لیٹے ہوئے ہیں، اور اس کے  
 اوپر آپ کے جسم مبارک کے درمیان کوئی بستر نہیں ہے، اور پٹائی کی بناوٹ  
 نے آپ کے پہلوئے مبارک پر گہرے نشانات ڈال دیئے ہیں، اور سر ہانسنے  
 چڑے کا ٹیکہ ہے جس میں کھجور کی پھال کوٹ کے بھری ہوئی ہے، یہ حالت  
 دیکھ کے میں نے عرض کیا کہ: حضور! اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ آپ کی  
 امت کو فراخی اور خوش حالی عطا فرمائے، روم اور فارس والوں کو بھی اللہ  
 نے فراخی دی ہے، حالانکہ وہ تو خدا پرست بھی نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا:-  
 اے ابن خطاب! کیا تم بھی اس حال میں اور اس خیال میں ہو؟ یہ سب تو  
 وہ لوگ ہیں (جو اپنی خدا فراموشی اور کافرانہ زندگی کی وجہ سے آخرت کی  
 نعمتوں سے محروم وہ نصیب کئے گئے ہیں، اور اس لئے) ان کی وہ لذتیں  
 (جو اللہ ان کو دنیا چاہتا تھا) اسی دنیا میں ان کو بے دی گئی ہیں۔ اور  
 ایک روایت میں حضور کا جواب اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا:-  
 اے عمر! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ ان کے لئے دنیا کا عیش ہو، اور

ہمارے لئے آخرت کا عیش۔

(مختاری قسم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فقیرانہ زندگی اور اس کی تکلیفوں کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل دکھا، اور یہ آرزو پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اتنی وسعت اور خوش حالی عطا فرما دیتے کہ یہ تکلیفیں نہ دیکھی جاتیں، اور چونکہ حضورؐ کے متعلق جانے تھے کہ آپ اپنے لئے دنیا کی وسعت اور دولت مندی کی دعا اللہ تعالیٰ سے نہیں کریں گے، اسلئے عرض یہ کیا، کہ حضور اپنی امت کے لئے وسعت اور فراخی کی دعا فرمائیں، اور اس کے ساتھ اپنا یہ خیال بھی ظاہر کر دیا کہ دنیا کی وسعت و دولت جب ایسی محولی چیز ہے، کہ اللہ نے روم و فارس جیسی کافر قوموں کو بھی دے رکھی ہے تو آپ کی دعا سے آپ کی امت کو کیوں نہ عطا فرمائی جائے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی اس گزارش پر بطور تنبیہ کے حیرت و استعجاب کے ساتھ فرمایا، کہ، اے فرزند خطاب! کیا تم بھی ابھی حقیقت ناشناسی کے اُس مقام پر ہو کہ ایسی بات کرتے ہو!۔۔۔۔۔

رؤم و فارس وغیرہ کی یہ قومیں جو ایمان اور خدا پرستی سے محروم ہیں، اُن کا معاملہ تو چھپے کہ آخرت کی اُس زندگی میں جو اہل اور حقیقی زندگی ہے ان بیچاروں کو کچھ نہیں ملنا ہے۔  
 اسلئے اللہ تعالیٰ جو کچھ عیش و راحت ان کو دینا چاہتا تھا، وہ اسی دنیا میں بے دیا گیا ہے  
 ایسی حالت میں اُن کے عیش و آرام اور اُن کی دولت مندی کو دیکھ کر اُس پر ہلچانا، اور  
 اس کی حرص کرنا، حقیقت شنائی سے بہت بعید بات ہے، تم کو تو فکر و طلبِ مبرا آخرت  
 کی ہونی چاہئے، جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے، یہ دنیا تو بس چند روزہ قیام کی سڑک ہے،  
 کیا یہاں کی تکلیف اور کیا یہاں کا عیش و آرام!۔

میں اس دنیا میں اس سفر کی طرح ہوں جو سایہ کھیلے کسی دلی خست کے نیچے بیٹھ گیا ہو:-

(۴۰) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

تَامَ عَلَى عَصِيْبٍ فَقَامَ وَقَدْ أَكْثَرَ فِي جَسَدِهِ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ  
يَا رَسُولَ اللَّهِ كَوِّ أَمْرَيْنَا أَنْ نَبْسُطَ لَكَ وَنَعْمَلْ فَقَالَ مَا لِي وَ  
لِللَّهِ نَبَا وَمَا أَنَا وَاللَّهِ نَبَا أَكْثَرَ كَأَكْبَرِ اسْتَظْلَلْتُ تَحْتَ شَجَرَةٍ  
فَقَرَأْتُ وَتَنَكَّهَا

رواہ احمد و الترمذی و اس ماجہ۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک دن) کھجور کی چٹائی پر سوئے، پھر جب سو کے آپ اُٹھے تو جہم مبارک میں اُس چٹائی کی بناوٹ کے نشانات پٹے ہوئے تھے (اس حالت کو دیکھ کر اُور اس سے متاثر ہو کر) اس خادم ابن مسعود نے عرض کیا کہ اگر حضور فرماویں تو ہم حضرت کے لئے بستر کا انتظام کریں، اُور کچھ بنائیں (یعنی آپ سے اس کی اجازت چاہیں) ارشاد فرمایا۔ مجھے دنیا سے (یعنی دنیا کے ساز و سامان اُور اس کی راحتوں اُور لذتوں سے) کیا تعلق اُور کیا لینا! میرا تعلق دنیا کے ساتھ بس ایسا ہے، جیسا کہ کوئی سوار مسافر کچھ دیر سایہ لینے کے لئے کسی درخت کے نیچے ٹھہرا اُور پھر اُس کو اپنی جگہ چھوڑ کے منزل کی طرف چل دیا۔

(مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح یہ مسافر درخت کے نیچے ٹھہرنے کے قہور سے وقت کے لئے راحتوں کے انتظامات کرنا ضروری نہیں سمجھتا، اُور منزل مقصود پر پہنچنے کی فکر کے سوا اس کی کوئی فکر نہیں ہوتی، بس یہی میرا حال ہے۔ اُور حق یہ ہے کہ دنیا اُور آخرت کی حقیقت جس پر پوری طرح منکشف ہو جائے تو اُس کا حال اسکے سوا کچھ اُور ہو بھی نہیں سکتا۔ اس کو دنیا میں راحتوں کے بڑے بڑے انتظامات کی فکر کرنا، اُور اس کے لئے







(۷۲) عَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ الْقَمِيحَ الْغَنِيحَ الْخَفِيحَ ——— رواه مسلم  
 (ترجمہ) حضرت سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے فرمایا کہ :- اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اُس متقی دولت مند بندہ سے  
 جو (تقویٰ اور دولت مندی کے باوجود) نامعروف اور چھپا ہوا ہو۔

(مسلم)  
 (تشریح) ”چھپا ہوا“ ہونے کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ لوگ اُس کی اس  
 خاص حالت کو عام طور سے جانتے بھی نہ ہوں کہ دولت مند اور صاحب ثروت ہونے  
 کے ساتھ تقویٰ میں بھی اس بندہ خدا کا خاص مقام ہے، جس بندہ میں یہ تینوں چیزیں  
 جمع ہوں، اُس پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے، اور اُس کو اللہ تعالیٰ کی مہربانیت کا مقام  
 حاصل ہے۔

### نیک مقاصد کیلئے دنیا کی دولت حاصل کرنے کی فضیلت :-

(۷۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا حَلَالًا اسْتَعْفَا نَاهِنِ السَّعَةِ  
 وَسَعِيًّا عَلَى أَهْلِهِ وَكَعْظًا عَلَى جَارِهِ لَقِيَ اللَّهَ تَعَالَى بِوَجْهِهِ  
 وَوَجْهِهِ مِثْلُ الْقَمَرِ كَيْلَةَ الْبَيْتِ رَوْ عَنْ طَلَبِ الدُّنْيَا  
 حَلَالًا وَمَا شَرُّ مَفَاحِشٍ مُرَائِيًا لِقَى اللَّهَ تَعَالَى وَهُوَ عَلَيْهِ  
 غَضَبَانِ ——— رواه البيهقي في شعبه بإسناده في الحديث۔

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے فرمایا کہ :- جو شخص دنیا کی دولت بطریق حلال اس مقصد سے حاصل

کرنا چاہیے، تاکہ اُس کو دوسروں سے سوال کرنا نہ پڑے، اور اپنے اہل عیال کے لئے روزی اور آرام و آسائش کا سامان جیسا کر سکے، اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بھی وہ احسان اور سلوک کر سکے، تو قیامت کے دن وہ اللہ کے حضور میں اس شان کے ساتھ حاضر ہوگا، کہ اُس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن اور چمکتا ہوگا۔ اور جو شخص دنیا کی دولت حلال ہی ذریعہ سے حاصل کرنا چاہے کہ وہ بہت بڑا مالدار ہو جائے، اور اس دولت مندی کی وجہ سے وہ دوسروں کے مقابلے میں اپنی شان اونچی دکھائے، اور لوگوں کی نظروں میں بڑا بنے کے لئے داود ہرش کر سکے، تو قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس حال میں حاضر ہوگا، کہ اللہ تعالیٰ اُس پر سخت غضبناک ہوگا۔ (شعلا بیان للبیہقی وعلیہ ابی نعیم)

(تشریح) معلوم ہوا کہ ابھی نیت سے اور نیک مقصد کے لئے دنیا کی دولت حلال ذریعہ سے حاصل کرنے کی کوشش کرنا، نہ صرف یہ کہ جائز اور مباح ہے، بلکہ وہ اتنی بڑی نیکی ہے کہ قیامت کے دن ایسا شخص جب اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوگا، تو اُس پر اللہ تعالیٰ کا خاص انخاص فضل و کرم ہوگا، جس کے نتیجے میں اُس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن اور منور ہوگا، لیکن اگر دولت کمانے سے غرض صرف بڑا دولت مند بننا، اور دنیا کی بڑائی حاصل کرنا، اور لوگوں کے دکھاوے کے لئے بڑے بڑے کام کرنا ہو، تو یہ دولت کمانا اگرچہ حلال ہی طریقے سے ہو، تب بھی یہ ایسا گناہ ہے کہ قیامت کے دن ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہوگا، اور اگر ناجائز اور حرام طریقوں سے ہو، تب تو سخت ترین وبال ہے۔

(۴۴) عَنْ أَبِي كَبْشَةَ أَنَّهُ ذَمَّ أَيْ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ ثَلَاثٌ أَقْسِمُ عَلَيْكُمْ وَأَحَدٌ شَكَّرْتُ حَدِيثًا

فَاَحْفَظُوهُ فَاَمَّا الَّذِي اُفْسِدَ عَلَيْهِمْ فَاِنَّهُ مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ  
 مِنْ صَدَقَةٍ وَلَا ظَلِمَ عَبْدٌ مَظْلَمَةً صَبَرَ عَلَيْهَا اِلَّا رَاَدَهُ اللهُ  
 بِهَا عَذَابًا وَلَا فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مُسْئَلَةٍ اِلَّا فَتَحَ اللهُ عَلَيْهَا  
 بَابَ فَقْرٍ وَاَمَّا الَّذِي اُحْلِيَ ثَمَرُهُ فَاَحْفَظُوهُ فَقَالَ اِنَّمَا الدُّنْيَا  
 لَا رُبْعَةَ نَقِيرِ عَبْدٍ رَزَقَهُ اللهُ مَالًا وَحِلْمًا فَهُوَ يَتَفَنَّى فِيهِ  
 رُبْعَهُ وَيَصِلُ رَحْمَةً وَيَعْمَلُ اللهُ فِيهِ بِحَقِّهِ فَهَذَا اِيَّا قُصِّلَ  
 الْمَنَازِلِ وَعَبْدٌ رَزَقَهُ اللهُ حِلْمًا وَلَمْ يَزِدْهُ مَالًا فَهُوَ  
 صَادِقُ الدِّيَةِ يَقُولُ لَوْ اَنْ لِي مَالًا لَعَمِلْتُ بِعَمَلٍ فَلَا يَنْ  
 فَاجِسُ هُمَا سَوَاءٌ وَعَبْدٌ رَزَقَهُ اللهُ مَالًا وَلَمْ يَزِدْهُ حِلْمًا  
 فَهُوَ يَتَخَبَّطُ فِي مَالِهِ لِيُغْنِيَ عَنْهُ لَا يَتَّقِي فِيهِ رُبْعَهُ وَلَا يَصِلُ  
 فِيهِ رَحْمَةً وَلَا يَعْمَلُ فِيهِ بِحَقِّهِ فَهَذَا اِيَّا خَبِثَ الْمَنَازِلِ  
 وَعَبْدٌ لَمْ يَزِدْهُ اللهُ مَالًا وَلَا حِلْمًا فَهُوَ يَقُولُ لَوْ اَنْ  
 لِي مَالًا لَعَمِلْتُ فِيهِ بِعَمَلٍ فَلَا يَنْ فَهُوَ يَبْذُلُهُ وَوَرَّرَ هُمَا سَوَاءٌ  
 (رواه الترمذی)

(ترجمہ) ابو کبشہ انصاری سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ تین باتیں ہیں جن پر میں قسم  
 کھاتا ہوں، اور ان کے علاوہ ایک اور بات ہے جس کو میں تم سے بیان  
 کرنا چاہتا ہوں، پس تم اس کو یاد کر لیجو! جن تین باتوں پر میں قسم کھاتا  
 ہوں، ان میں ایک تو یہ ہے کہ کسی بندہ کا مال صدقہ کی وجہ سے کم نہیں  
 ہوتا، (یعنی کوئی شخص اپنا مال راہِ خدا میں دینے کے سبب سے کبھی  
 مفلس و نادار نہیں ہوگا، بلکہ اس کے مال میں برکت ہوگی، اور جس خدا

کی راہ میں وہ صدقہ کرے گا، وہ اپنے خزانہ غیب سے اُس کو دیتا ہے گا۔  
 اور (دوسری بات یہ ہے کہ) نہیں ظلم کیا جائے گا کسی بندہ پر ایسا ظلم  
 جس پر وہ مظلوم بندہ صبر کرے، مگر اللہ تعالیٰ اُس کے عوض بڑھا دے گا  
 اُس کی عزت (یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ قانون مقرر فرمایا ہے کہ جب کسی بندہ پر  
 ناحق کوئی ظلم کیا جائے، اور اُس کو مٹایا جائے، اور وہ بندہ صبر کرے،  
 تو اللہ تعالیٰ اُس کے عوض اس کی عزت و رفعت دنیا میں بھی بڑھا دے گا)۔  
 اور (تیسری بات یہ ہے کہ) نہیں کھولے گا کوئی بندہ سوال کا دروازہ،  
 مگر اللہ کھول دے گا اُس پر فقر کا دروازہ (یعنی جو بندہ مخلوق کے سامنے  
 ہاتھ پھیلانے کا پیشہ اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہے کہ  
 فقر و محتاجی اُس پر مسلط ہوگی، گو یا یہ تینوں اللہ کے ایسے اہل فیصلے ہیں کہ  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں ان پر قسم کھا سکتا ہوں۔  
 اسکے بعد آپ نے فرمایا)۔ اور جو بات میں ان کے علاوہ تم سے  
 بیان کرنا چاہتا تھا، جس کو تمہیں یاد کر لینا اور یاد رکھنا چاہئے، وہ یہ ہے کہ  
 دنیا چار قسم کے آدمیوں کے لئے ہے (یعنی اس دنیا میں چار طرح کے آدمی  
 ہیں)۔ ایک وہ بندے جن کو اللہ نے مال دیا ہے، اور صحیح طریق زندگی  
 کا علم بھی ان کو دیا ہے، پس وہ اس مال کے صرف و استعمال میں اللہ سے  
 ڈرتے ہیں، اور اسکے ذریعہ صلہ رحمی (یعنی اپنے اعزہ و اقارب کے ساتھ سلوک  
 اور ان کی ہمدردی) کرتے ہیں، اور اس میں جو عمل اور تصرف کرنا چاہئیے  
 اللہ کی رضا کے لئے وہی کرتے ہیں۔ پس ایسے بندے سب اہل و فضل  
 مرتبہ پر فائز ہیں۔ اور (دوسری قسم) وہ بندے ہیں جن کو اللہ نے  
 صحیح علم (اور صحیح جذبہ) تو عطا فرمایا ہے، لیکن اُن کو مال نہیں دیا پس اُن کی

نیت صحیح اور سچی ہے، اور وہ اپنے دل و زبان سے کہتے ہیں، کہ ہمیں مال مل جائے، تو ہم بھی فلاں (نیک بندے) کی طرح اس کو کام میں لائیں، (اور اللہ کی ہدایت کے مطابق وہ جن اچھے مصارف میں صرف کرتا ہے، ہم بھی اُن ہی میں صرف کریں) پس ان دونوں کا اجر برابر ہے (یعنی دوسری قسم کے اُن لوگوں کو خوشنیت کی وجہ سے پہلی قسم والوں کے برابر ہی ثواب ملے گا)۔ اور (تیسری قسم) وہ لوگ ہیں، جن کو اللہ نے مال دیا، اور اس کے صرف و استعمال کا صحیح علم (اور صحیح جذبہ) نہیں دیا، پس وہ غلطیوں کے ساتھ، اور خدا سے بے خوف ہو کر اس مال کو اندھا دھند غلط راہوں میں خرچ کرتے ہیں، اسکے ذریعہ صلہ بھی نہیں کرتے، اور جس طرح اس کو صرف و استعمال کرنا چاہئے اُس طرح نہیں کرتے، پس یہ لوگ سب سے بُرے مقام پر ہیں۔ اور (چوتھی قسم) وہ لوگ ہیں، جن کو اللہ نے مال بھی نہیں دیا، اور صحیح علم (اور صحیح جذبہ) بھی نہیں دیا، پس اُن کا حال یہ ہے، کہ وہ کہتے ہیں، کہ اگر ہمیں مال مل جائے، تو ہم بھی فلاں (عیاش ادا فضول خرچ) شخص کی طرح، اور اُنسی کے طریقے پر صرف کریں (یعنی اس شخص کی طرح ہم بھی عیاشی اور فضول خرچی کریں) پس بھی اُن کی نیت ہے، اور ان دونوں گروہوں کا گناہ برابر ہے (یعنی آخری قسم کے لوگوں کو اُنکی بُری نیت کی وجہ سے وہی گناہ ہوگا، جو تیسری قسم کے لوگوں کو اُن کے بُرے اعمال کا گناہ ہوگا۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) حدیث کے نفس مطلب کی وضاحت ترجمہ کے ساتھ ساتھ کر دی گئی ہے، البتہ یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ بُرے عمل کی جس نیت پر گرفت ہے، اور جو گویا بُرے عمل ہی کی طرح گناہ ہے، وہ غرضم کا درجہ ہے، یعنی بندہ کو اس گناہ کا شوق، اور اپنی طرف سے



ان کو اپنی سخت پکڑ میں لے لیا، پس وہ حیران و ششدر اور آئندہ کیلئے  
بالکل ناامید ہو کر رہ گئے۔ (سند نام احمد)

(تشریح) اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے جو قوانین چل رہے ہیں، جن کے مطابق  
افراد یا اقوام کے ساتھ وہ معاملہ فرماتا ہے اُن میں سے ایک ”استدراج“ بھی ہے، جس کا  
مطلب یہ ہے کہ جب اللہ کا کوئی مجرم اور باغی بندہ یا گروہ مصیبت کو شکی اور سرکشی میں  
حد سے بڑھ جاتا ہے، اور آخرت اور خدا کے احکام سے بالکل بے پروا اور بے فکر ہو کر  
زندگی گزارنے لگتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اُس سے سخت ناراض ہو کر کبھی کبھی ایسا بھی کرتا ہے  
کہ اُس کی رستی اور دراز کر دی جاتی ہے، اور کچھ مدت کے لئے نعمتوں کے دروازے  
اُس پر کھول دیئے جاتے ہیں تاکہ وہ اور زیادہ اطمینان اور سرمستی کے قسا اس غلاموشی  
اور سرکشی میں آگے بڑھتا رہے، اور پھر بڑی سے بڑی سزا پائے۔۔۔۔۔ دین کی  
خاص زبان میں اللہ تعالیٰ کے اس معاملہ کو ”استدراج“ کہا جاتا ہے۔۔۔۔۔ پس  
مندرجہ بالا حدیث کا مطلب یہ ہوا، کہ جب کسی بندہ یا گروہ کو تم اس حال میں دیکھو کہ  
وہ خدا اور آخرت کو بالکل بھلا کر بھڑانہ اور باغیانہ زندگی گزار رہے ہیں، اور اس کے باوجود  
اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کو انواع و اقسام کی نعمتیں مل رہی ہیں، اور وہ دنیا کے مزے  
لوٹ رہے ہیں، تو کسی کو یہ مغالطہ نہ ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو کر اپنی  
نعمتیں اُن پر اُنڈیل رہا ہے، بلکہ سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی رستی دراز کر رہا ہے  
اور اُن کا آخری انجام بہت بُرا ہونے والا ہے۔

کافروں، فاجروں کی خوش حالی پر رشک نہ کرو:-

(۶۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ لَا تَغِيظَنَّ فَاجِرًا يَغْتَمِيهِ فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا هُوَ لَكَ بِ

بَعْدَ مَوْتِهِ إِنَّ لَهُ عِنْدَ اللَّهِ قَاتِلًا لَا يَمُوتُ يَعْنِي النَّارَ۔

(رواہ ابنہوی فی شرح السنہ)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کسی بدکار (کافر یا فاسق) پر کسی نعمت اور خوش حالی کی وجہ سے کبھی ہرگز رشک نہ کرنا، تم کو معلوم نہیں ہے کہ مرنے کے بعد اس پر کیا کیا مصیبتیں پڑنے والی ہیں، اللہ کے یہاں (یعنی آخرت میں) اس کے لئے ایک ایسا قاتل ہے جس کو کبھی موت نہیں۔ (اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرنے والے راوی عبد اللہ بن ابی مریم کہتے ہیں کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب اس "قاتل" سے دلخیز کی آگ ہے، (یعنی وہ بیچارہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں رہنے والا ہے، پس ایسے شخص پر رشک کرنا کتنی بڑی حماقت اور گمراہی ہے)۔ (شرح السنہ)

(تشریح) بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کا ایک مومن اور نیکو کار بند جو اس چند روزہ امتحانی دنیا میں تنگی اور تکلیف کی زندگی بسر کر رہا ہے، جب وہ کسی بدکار اور خدا سے تعلق نہ رکھنے والے آدمی کو دیکھتا ہے کہ وہ ٹھاٹھ کے ساتھ عیش و آرام کی زندگی گزار رہا ہے، تو شیطان اس کے دل میں طرح طرح کے دوسے ڈالتا ہے، اور کم سے کم یہ کہ دل میں اس کی حالت پر رشک ہی پیدا ہوتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی بڑی ناشکری ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی، کہ جو لوگ ایمان اور عمل صالح کی نعمت سے محروم ہیں، اور خدا فراموشی اور بد اعمالی کی وجہ سے آخرت کی دوائی زندگی میں عذابِ نار میں گرفتار ہونے والے ہیں، اس دنیا میں ان کی چند روزہ خوش حالی اور عیش و راحت کو دیکھ کر ہرگز کسی صاحبِ ایمان کو ان پر رشک بھی نہ آنا چاہئے، ان بیچاروں کی جنتی کے ماروں کا جو آخری انجام ہونے والا ہے، اور ان پر جو رہتا



پڑنے والی ہے، اگر وہ معلوم ہو جائے تو ان کی اس خوش حالی اور خوش عیشی کی نعمت بالکل ایسی نظر آئے گی جیسے کہ پھانسی پانے والے مجرم کو دو چار دن پہلے سے خاص سہولتیں دی جاتی ہیں، اور کھانے پینے کے بارہ میں اس کی خواہش اور چاہت معلوم کر کے حتی الوسع اس کو پورا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو آخرت کے اُن حقائق کا یقین نصیب فرمایا جن کی اطلاع اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام نے دی ہے، اُن کی نظر میں خدا کے مجرموں اور باغیوں کی دنیوی خوش حالی اور خوش عیشی کی نوعیت بالکل یہی ہے اسلئے ان کے دلوں میں ان کو دیکھ کر رشک نہیں پیدا ہوتا، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اُس نے ہم کو ایمان نصیب فرما کر ان بیچاروں کے بُرے حال اور بُرے انجام سے بچالیا ہے۔

اس عاجز نے اللہ کے بعض بندوں کا یہ حال دیکھا ہے کہ خدا فراموش اور نیا کو دیکھ کر بے اختیار اُن کی زبانوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر کی یہ دعا جاری ہو جاتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مصیبت زدہ کو دیکھ کر پڑھا کرتے تھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَنِیْ  
وَمَعَا اَبْتِلَآئِیْہِمْ وَفَضَّلَنِیْ  
عَلٰی کَثِیْرٍ مِّنْ خَلْقٍ فَضِیْلًا۔

ساری حمد و شائش اُس اللہ کیلئے ہے  
جنہ نے مجھے اس مصیبت سے محفوظ رکھا، جن میں  
لے بندے تو مبتلا کیا گیا ہے، اور اُس نے

مجھے اپنی بہت سی مخلوق پر برتری عطا فرمائی

کسی کی ظاہری خستہ حالی اور غربت کی وجہ سے اُس کو حقیر نہ سمجھو :-

(۷۷) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْ بَعِلَ جَنْدٌ جَالِسٌ مَا دَأْبَتْ

فِي هَذَا؟ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ أَشْرَافِ النَّاسِ، هَذَا وَاللَّهِ حَرِيٌّ  
 أَنْ يَخْطُبَ أَنْ يَمْلِكَكَ وَدَانُ شَفْعَةٍ أَنْ يُشَفِّعَ، قَالَ فَسَكَتَ  
 وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ مَرَّ رَجُلٌ فَقَالَ لَهُ  
 رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاذَا يَكُنْ فِي هَذَا؟ فَقَالَ  
 يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذَا رَجُلٌ مِنْ فَقَرَاءِ الْمُسْلِمِينَ، هَذَا حَرِيٌّ  
 أَنْ يَخْطُبَ أَنْ لَا يَمْلِكَكَ وَدَانُ شَفْعَةٍ أَنْ لَا يُشَفِّعَ وَدَانُ قَالَ  
 أَنْ لَا يُشَفِّعَ لِقَوْلِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 هَذَا أَخِيذْ مِنْ مِلَّةِ الْإِنْسَانِ مِثْلُ هَذَا — رواه البخاري مسلم

(ترجمہ) سہل بن سعد سے روایت ہے کہ ایک شخص (جو غالباً دولت مند  
 اور عزیزین میں سے تھا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گزرا،  
 تو آپ نے ایک صاحب سے جو آپ کے پاس اُس وقت بیٹھے ہوئے تھے،  
 پوچھا کہ :- اس گزرنے والے شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے آدکیا  
 اندازہ ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ :- حضرت! یہ بہت بڑے اور معزز  
 آدمیوں میں سے ہے، یہ ایسی شان والا ہے کہ جس گھرانے کی بیٹی کے لئے  
 نکاح کا پیغام دے تو منظور کر لیا جائے، اور نکاح کر دیا جائے، اور اگر  
 کسی معاملے میں سفارش کر دے تو اس کی سفارش ضرور مانی جائے۔

سہل بن سعد کہتے ہیں کہ یہ جواب سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش  
 ہو گئے، اور آپ نے کچھ نہیں فرمایا۔ پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک وراثت کا  
 بندہ گزرا، آپ نے اُن ہی صاحب سے پھر پوچھا کہ :- اس شخص کے بارے میں  
 تمہاری کیا رائے آدکیا اندازہ ہے؟ انھوں نے عرض کیا :- یا رسول اللہ  
 یہ بیچارہ نادار اور مسکین مسلمانوں میں سے ہے، یہ ایسا ہے کہ اگر کہیں نکاح کا



(۷۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
رُبَّ أَشْعَثَ أَغْبَرَ مَذْفُوعٍ بِالْأَبْوَابِ لَوْ أَقْسَرَ عَلَى اللَّهِ  
لَا بَرَّكَ

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے فرمایا کہ: بہت سے پر اگندہ بالوں والے گرو غبار میں لٹے ہوئے جن کو  
دروازوں پر دھکے دیئے جائیں (اللہ کے نزدیک ان کا مقام یہ ہوتا ہے کہ)  
اگر اللہ پر وہ قسم کھا جائیں، تو ان کی قسم کو اللہ ضرور پورا کرے۔

(اسلم)

(تشریح) اس حدیث کا مطلب بھی یہی ہے کہ کسی کو نیلا کچھلا، خستہ حال، اور  
پر اگندہ بال دیکھ کر حقیر نہ سمجھنا چاہئے، ایسوں میں اللہ کے بعض بندے وہ بھی ہوتے ہیں  
جو اللہ کے لئے اپنے کو مشاکرہ اسکے یہاں ایسا تقرب اور محبوبیت و مقبولیت کا وہ مقام  
حاصل کر لیتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر وہ کسی معاملہ میں قسم کھا جائیں، کہ اللہ  
ایسا ہی کرے گا، یا ایسا نہیں کرے گا، تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کی لاج رکھتا ہے، اور  
ویسا ہی کر دیتا ہے۔

واضح رہے کہ حدیث کا مقصد و نشانہ پر اگندہ بالی اور گرد آلودگی اور نیلا کچھلا  
رہنے کی ترغیب دینا نہیں ہے (جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے) حدیث و سیر کی متواتر  
شہادت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام طور سے صاف ستھرا رہنا پسند فرماتے تھے  
اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے، بلکہ بعض لوگوں کو جب آپ نے اس حال میں  
دیکھا، کہ اس بارہ میں وہ تقریط اور غلو میں مبتلا ہو گئے ہیں، اور انہوں نے اپنا حلیہ بگاڑ  
رکھا ہے، تو آپ نے ان کو اپنی اس حالت کے درست کرنے کا حکم دیا۔

پس یہ سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ اس حدیث کا مقصد و مدعا یہ ہے، کہ لوگ

پراگندہ بال، پیلے کچیلے اور گرد و غبار میں اُٹے ہوئے رہا کریں، بلکہ جیسا کہ عرض کیا گیا حدیث کا مقصد و منشا اور اس کی روح یہی ہے، کہ اللہ کے کسی بندہ کو خستہ حال ناؤ گرد آلود دیکھ کر اُس کو حقیر اور اپنے سے کمتر نہ سمجھا جائے، کیونکہ بہت سے اس حال میں رہنے والے بھی خاصانِ خدا ہیں سے ہوتے ہیں۔ پس اس حدیث میں دراصل اُن لوگوں کے خیال اور حال کی اصلاح کی گئی ہے جو اللہ کے غریب و خستہ حال بندوں کو ناکارہ و نکما سمجھتے ہیں، اور اُن کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، اور اپنے ذہنی تکبر کی وجہ سے ان کے ساتھ ملنے جلنے اور اُن کے پاس بیٹھنے سے بچتے ہیں، اور اسی میں اپنی بڑائی کی حفاظت سمجھتے ہیں۔

بہت سے غریب و خستہ حال ایسے ہیں کہ انکی برکت و عارِ نازق ملتا ہے۔

(۷۹) عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ رَأَى سَعْدُ أَنَّ لَهُ  
فَضْلًا عَلَى مَنْ دُونَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
هَلْ تَنْصَرُّونَ وَتُزْذَقُونَ إِلَّا بِضَعْفَائِكُمْ

(رواہ البخاری)

(ترجمہ) مصعب بن سعد سے روایت ہے کہ میرے والد سعد کو اللہ تعالیٰ نے جو خاص صلاحیتیں بخش تھیں، مثلاً شہادت، سخاوت، قہم و فراست، وغیرہ، ان کی وجہ سے ان کا کچھ خیال تھا کہ جو غریب اور کمزور قسم کے مسلمان ان چیزوں میں ان سے کمتر ہیں، وہ ان کے مقابلہ میں فضیلت اور برتری رکھتے ہیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (انکے اس خیال اور حال کی اصلاح کیلئے) فرمایا کہ:۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم لوگوں کی جو عود ہوتی ہے، اود تم کو جو نعمتیں ملتی ہیں، وہ تمہاری صلاحیتوں اور

قابلیتوں کی بنیاد پر نہیں ملتیں، بلکہ تم میں جو بیچارے کمزور اور خستہ حال ہیں

اُن کی برکت اور ان کی دعاؤں سے ملتی ہیں۔ (بخاری)

(تشریح) حضرت سعد کا جو خیال تھا، جو نکلا اس کی بنیاد ایک قسم کے کبسر پر تھی اس لئے اس کی اصلاح اور اس کے علاج کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو بتلایا کہ تم جن مسکینوں کو اپنے سے کمتر اور اپنے کو اُن سے برتر سمجھتے ہو، اللہ تعالیٰ ان ہی کے طفیل میں، اور ان ہی کی دعاؤں سے تم کو وہ سب کچھ دیتا ہے جس سے تم یہاں بڑے بنے ہوئے ہو آج بھی ہم جیسے لکھے پڑھے، جن کو اللہ تعالیٰ نے کچھ صلاحیتیں دی رکھی ہیں، اور دین کی کسی خدمت کی توفیق مل رہی ہے، عموماً اسی قسم کے کبیر میں مبتلا ہیں۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّهِ آفَئِسْتَا (ف) اسی حدیث کی نسانی کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ اس طرح ہیں: "لَا تَأْتَاكُمْ مَوَالِدُكُمْ هَلَاكًا مَتَةً يَضْعِيفُ فِيهِمْ يَدَ غَوِيَّتِهِمْ وَصَلَوْتُهُمْ وَاجْتَلَا صَعِيَّتُهُمْ" ظاہر ہے کہ اس روایت کے الفاظ ادا مطلب میں صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ سے زیادہ واضح ہیں۔

اپنے سے کم درجہ والوں کو دیکھ کر صبر و شکر کا سبق لیا کرو۔

(۸۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ

سَلَّمَ إِذَا نَظَرَ أَحَدَكُمْ إِلَى مَنْ قُضِلَ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَالْخَلْقِ

فَلْيَنْتَظِرْ إِلَى مَنْ هُوَ أَشَقُّ مِنْهُ \_\_\_\_\_ رواه البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی ایسے شخص کو دیکھے جو مال و دولت اور جسمانی

بناوٹ، یعنی شکل و صورت میں اس سے بڑھا ہوا ہو (اور اس کی وجہ سے

اس کے دل میں حرص و طمع اور شکایت پیدا ہو) تو اس کو چاہئے کہ کسی ایسے

بندہ کو دیکھے، جو ان چیزوں میں اس سے بھی کمتر ہو (تاکہ بجائے حرص و طمع اور

(بخاری و مسلم)

شکایت کے صبر و شکر پیدا ہو)

(تشریح) انسان کی یہ ایک فطری کمزوری ہے کہ جب وہ کسی ایسے شخص کو دیکھتا ہے جو مال و دولت اور دنیوی وجاہت یا شکل و صورت میں اس سے بہتر حال میں ہو، تو اس میں اس کی طبع اور حرص پیدا ہوتی ہے، اور خیال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایسا نہیں بنایا، اس حدیث میں اس کا علاج یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ شخص اللہ کے ایسے بندوں کو دیکھے، اور ان کے حال پر غور کرے، جو مال و دولت، شکل و صورت، اور عزت و وجاہت کے لحاظ سے اس سے بھی کمتر اور پسماندہ ہوں، انشاء اللہ ایسا کرنے سے اس بیماری کا علاج ہو جائے گا۔

(۸۱) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَصَلَتَانِ مِنْ كِتَابِيهِ كُتِبَتْهُمَا شَاكِرًا صَابِرًا، مَنْ نَظَرَ فِي دِينِهِ إِلَى مَنْ هُوَ قَوَّوَةٌ قَافَتْهُ يَهُ وَنَظَرَ فِي دُنْيَاهُ إِلَى مَنْ هُوَ دَوَّوَةٌ خَسِمَتْهُ اللَّهُ عَلَى مَا فَتَّلَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ كُتِبَتْهُ اللَّهُ شَاكِرًا صَابِرًا وَمَنْ نَظَرَ فِي دِينِهِ إِلَى مَنْ هُوَ دَوَّوَةٌ وَنَظَرَ فِي دُنْيَاهُ إِلَى مَنْ هُوَ قَوَّوَةٌ فَاسِيفَ عَلَى مَا قَاتَتْهُ مِنْهُ لَمْ يَكْتُبْهُ اللَّهُ شَاكِرًا وَلَا صَابِرًا — رواه الترمذی

(ترجمہ) عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے دادا عبد اللہ بن عمر بن العاص سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص میں دو خصلتیں ہوں گی، اللہ تعالیٰ اس کو شاکرین اور صابرین میں لکھیں گے (ان دو خصلتوں کی تفصیل یہ ہے کہ) جس شخص کی یہ عادت ہو کہ وہ دین کے معاملہ میں تو اللہ کے ان بندوں پر نظر رکھے، جو دین میں اس سے فائق اور بالاتر ہوں، اور ان کی پیروی اختیار کرے، اور

دنیا کے معاملہ میں اُن غریب و مسکین اور خستہ حال بندوں پر نظر رکھے جو دنیوی حیثیت سے اس سے بھی کمتر ہوں، اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرے کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے ان بندوں سے زیادہ دنیا کی نعمتیں اس کو عطا رکھی ہیں، تو اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ صابر و شاکر لکھا جائے گا۔ اور جس کا حال یہ ہو کہ وہ دین کے بارے میں تو ہمیشہ اپنے سے ادنیٰ درجہ کے لوگوں کو دیکھے، اور دنیا کے بارے میں اپنے سے بالاتر لوگوں پر نظر کرے، اور جو دنیاوی نعمتیں اس کو نہیں ملی ہیں، اُن کے شے ہر افسوس اور رنج کو اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ شاکر و صابر نہیں لکھا جائے گا۔ (ترمذی)

(تشریح) شکر اور صبر ایمان اور تعلق باللہ کے دو ایسے رُخ ہیں کہ جس بندہ میں یہ دونوں جمع ہو جائیں، تو اس کو گویا ایمان کا کمال نصیب ہو گیا، اور دین کی دولت بھر پور مل گئی۔ اور اس کی تدبیر اور اس کا معیار اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بندہ اپنے کو اس بات کا عادی بنالے، کہ دین کے معاملہ میں ہمیشہ اللہ کے اُن اچھے بندوں پر نظر را کرے جن کا مقام دین میں (یعنی ایمان و اعمال اور اخلاق میں) اپنے سے بلند تر ہو اور اُن کی پیروی کرتا رہے، اور دنیا کے معاملہ میں ہمیشہ اللہ کے اُن خستہ حال اور مبتلائے مصائب بندوں پر نظر رکھے، جو دنیوی لحاظ سے اپنے سے کمتر اور ہست تر ہوں اور اُن کے مقابلے میں دنیوی راحت و عافیت کی جو فضیلت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو دے گئی ہے اس کو محض اللہ کا فضل سمجھ کر اپنے اس محسن مالک کا شکر ادا کرتا رہے۔

**اگر حسنِ عمل کی توفیق ہو، تو زندگی بڑی نعمت ہے**

(۸۲) عَنْ أَبِي بَكْرٍ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ آخِ النَّاسِ خَيْرٌ قَالَ مَنْ طَالَ عُمْرُهُ وَحَسُنَ عَمَلُهُ قَالَ آخِ النَّاسِ



شَسَّ، قَالَ مَنْ طَالَ عَمْرُهُ فَسَاءَ عَمَلُهُ ————— رواہ احمد  
 (ترجمہ) ابو بکرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت  
 میں ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آدمیوں میں کون بہتر ہے؟  
 (یعنی کس قسم کا آدمی آخرت میں زیادہ کامیاب اور فلاح یاب رہے گا)  
 آپ نے ارشاد فرمایا: کہ وہ جس کی عمر لمبی ہوئی، اور اسکے اعمال اچھے  
 رہے۔۔۔۔۔ پھر اسی سائل نے عرض کیا، کہ: آدمیوں میں زیادہ بُرا  
 (اور آخرت میں زیادہ خسارہ میں رہنے والا) کون ہے؟ آپ نے  
 ارشاد فرمایا: جس کی عمر لمبی ہوئی اور اعمال اسکے بُرے رہے۔  
 (مسند احمد)

(تشریح) ظاہر ہے کہ جب کسی شخص کی زندگی اعمالِ صالحہ والی زندگی ہوگی تو  
 جتنی طویل عمر اس کو ملے گی اسی قدر اُس کے دینی درجات میں ترقی ہوگی، اور اس کے برعکس  
 جس کے اعمال و اخلاق اللہ سے دور کرنے والے ہوں گے، اس کی عمر جتنی زیادہ ہوگی  
 اسی قدر وہ اللہ کی رحمت و درمنا سے دور تر ہوتا چلا جائے گا۔

(۸۴) عَنْ عُبَيْدِ بْنِ خَالِدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 أَخْبَى بَيْنَ دَجَلَيْنِ فَقِيلَ أَحَدُهُمَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتَ  
 الْآخَرُ بَعْدَهُ بِجَمْعَةٍ أَوْ نَحْوِهَا فَصَلُّوا عَلَيْهِ فَقَالَ النَّبِيُّ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قُلْتُمْ؟ قَالُوا هُوَ نَا اللَّهُ أَنْ يُفِيدَ لَهُ  
 وَرَحْمَةً وَيُلْحَقَهُ بِصَاحِبِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 قَائِلِينَ صَلَوَاتُهُ بَعْدَ صَلَوَاتِهِ وَعَمَلُهُ نَعْدَ عَمَلِهِ أَوْ قَالَ مِثْلَهُ  
 بَعْدَ مِثْلِهِ لَمَّا بَيْنَهُمَا آبَعْدُ مِثْلَيْنِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ  
 (رواہ ابو داؤد و الترمذی)

(مترجمہ) عبید بن خالدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شخصوں کے درمیان مواخات قائم فرمائی (یعنی اس وقت کے دستور کے مطابق ان کو باہم بھائی بھائی بنایا) پھر یہ ہوا کہ ان میں سے ایک صاحب (قریبی ہی نماز میں چھاد میں شہید ہو گئے، پھر ایک ہی ہفتہ بعد یا اس کے قریب دوسرے صاحب کا بھی انتقال ہو گیا) (یعنی ان کا انتقال کسی بیماری سے گھر ہی پر ہوا) تو صحابہؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھنے والے ان اصحاب سے دریافت کیا، کہ: آپ لوگوں نے (نماز جنازہ میں) کیا کہا (یعنی مرنے والے بھائی کے حق میں تم نے اللہ سے کیا دعا کی؟) انھوں نے عرض کیا، کہ: ہم نے اس کے لئے یہ دعا کی، کہ اللہ اس کی مغفرت فرمائے، اس پر رحمت فرمائے، اور (ان کے جو ساتھی شہید ہو کے اللہ کے قرب و رضا کا وہ مقام حاصل کر چکے ہیں، جو شہیدوں کو حاصل ہوتا ہے، اللہ ان کو بھی اپنے فضل و کرم سے اسی مقام پر پہنچائے) اپنے اس بھائی اور ساتھی کے ساتھ کئے (تاکہ جنت میں اُسی طرح ساتھ رہیں جس طرح کہ یہاں رہتے تھے)۔ یہ جواب سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ پھر اس کی وہ نمازیں کہاں گئیں جو اس شہید ہونے والے بھائی کی نمازوں کے بعد (یعنی شہادت کی وجہ سے ان کی نمازوں کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد) انھوں نے پڑھیں، اور دوسرے وہ اعمالِ نیر کہاں گئے، جو اس شہید کے اعمال کے بعد انھوں نے کئے، یا آپ نے یوں فرمایا، کہ اسکے وہ روزے کہاں گئے، جو اس بھائی کے روزوں کے بعد انھوں نے رکھے۔۔۔ (راوی کو شک ہے کہ نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام اعمال کا ذکر کیا تھا، یا روزوں کا ذکر فرمایا تھا)

اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ: ان دونوں کے مقامات میں تو اس سے بھی زیادہ فاصلہ ہے، جتنا کہ زمین و آسمان کے درمیان فاصلہ ہے۔ (ابوداؤد، نسائی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ تم نے بعد میں مرنے والے اس بھائی کا درجہ پہلے شہید ہونے والے اس بھائی سے کمتر سمجھا، اسی واسطے تم نے اللہ سے یہ دعا کی، کہ اللہ اپنے فضل و کرم سے اس کو بھی اس شہید بھائی کے ساتھ رکھے حالانکہ بعد میں مرنے والے بھائی نے شہید ہونے والے بھائی کی شہادت کے بعد بھی جو نمازیں پڑھیں، اور جو روزے رکھے اور جو دوسرے اعمال خیر کئے، تمہیں معلوم نہیں کہ ان کی وجہ سے اس کا درجہ پہلے شہید ہونے والے اس بھائی سے بہت زیادہ بلند ہو چکا ہے، یہاں تک کہ دونوں کے مقامات اور درجات میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ فرق اور فاصلہ ہے۔

راہِ خدا میں جان دینا بلاشبہ بہت اونچا عمل ہے، اور اس کی بڑی فضیلتیں ہیں، لیکن نماز، روزہ وغیرہ اعمال خیر اگر غلام اور احماتی کیفیت کے ساتھ نصیب ہوں، تو ان کے ذریعہ جو ترقی اور بلندی نصیب ہوتی ہے، اس کی بھی کوئی حد نہیں ہے۔ نیز جو تک بعد میں مرنے والے یہ بھائی بھی راہِ خدا کے سپاہی، اور جہاد کے لئے ہر وقت کمر بستہ رہنے والوں میں سے تھے، اس لئے بستر پر موت آنے کے باوجود جو اپنی نیت اور شوقِ شہادت کی وجہ سے مقامِ شہادت پر بھی فائز ہوئے، اور بعد کے نماز، روزہ وغیرہ اعمال خیر نے اُن کے درجہ کو اس قدر بلند کر دیا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے درجوں میں زمین اور آسمان سے زیادہ فاصلہ بتلایا

(۸۴) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَلَالٍ إِذْ آتَتْ تَقَرَّأَيْنِ بَيْنِي عُدَّتْ ثَلَاثَةً  
أَتَوُّ السَّجَّ حَتَّى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْلَمُوا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَكْفُلُنِي هُمْ؟ قَالَ حَلَمَةُ أُنَا، فَمَكَثُوا

عِنْدَ مَا قَبِعَتْ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَا فَخَرَجَ فِيهِ أَحَدُهُمْ  
فَاسْتَشْهَدَ ثُمَّ بَعَثَ بَعَثَا فَخَرَجَ فِيهِ الْآخَرُ فَاسْتَشْهَدَ ثُمَّ  
مَاتَ الثَّالِثُ عَلَى فِرَاشِهِ قَالَ قَالَ طَلْحَةُ قَرَأْتُمْ هَؤُلَاءِ الثَّلَاثَةَ  
فِي الْجَنَّةِ وَرَأَيْتُمُ الْمَيِّتَ عَلَى فِرَاشِهِ أَمَا مَهْمٌ وَالَّذِي اسْتَشْهَدَ  
اِخْتِارًا بَيْنَهُمَا وَأَوْ لَهُمْ بَيْنُهُمَا قَدْ خَلَيْتُ مِنْ ذَلِكَ قَدْ كُذِّبْتُ لِلنَّبِيِّ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ فَقَالَ وَمَا أَكْذَبْتَ مِنْ ذَلِكَ؟  
لَيْسَ أَحَدٌ أَفْضَلَ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ مُؤْمِنٍ يُعْتَمَرُ فِي الْإِسْلَامِ  
لِتَسْبِيحَةٍ وَتَكْبِيرَةٍ وَتَهْلِيلَةٍ ————— رواه احمد

(ترجمہ) عبداللہ بن شداد سے روایت ہے کہ قبیلہ بنی عذرہ میں سے تین  
آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور سلام لائے  
(اور حضورؐ کی خدمت میں قیام کا ارادہ کیا) تو آپ نے (صحابہ کرام سے)  
فرمایا کہ: ان نو مسلم مسافروں کی خبر گیری میری طرف سے کون اپنے ذمہ  
لے سکتا ہے؟ طلحہ نے عرض کیا، کہ: میں اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ چنانچہ یہ تینوں  
اُن کے پاس پہنچ گئے، اسی اثنا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک  
لشکر کسی جگہ کے لئے روانہ فرمایا، تو ان تینوں صاحبوں میں سے ایک اُس لشکر  
میں چلے گئے، اور وہاں شہید ہو گئے، پھر آپ نے ایک اور لشکر روانہ فرمایا، تو  
ایک دوسرے ساتھی اُس میں چلے گئے، اور وہ بھی جا کر شہید ہو گئے۔ پھر  
(کچھ دنوں بعد) ان میں سے تیسرے جو باقی بچے تھے اُن کا انتقال بستر ہی پر  
ہو گیا۔ ————— (حدیث کے راوی عبداللہ بن شداد) کہتے ہیں، کہ طلحہ نے  
ذکر کیا، کہ میں نے خواب میں اُن تینوں ساتھیوں کو جنت میں دیکھا، اور یہ دیکھا  
کہ جو صاحب سب سے آخر میں اپنے بستر پر طبعی موت سے مرے، وہ سب سے

آگے ہیں، اور ان کے قریب اُن کے وہ ساتھی ہیں جو دوسرے غیر پر شہید ہوئے تھے، اور اُن کے قریب اُن کے وہ ساتھی ہیں جو پہلے شہید ہوئے تھے اس خواب سے میرے دل میں شدید اور غلمان پیدا ہوا (کیونکہ میرا خیال تھا کہ شہید ہونے والے ان دو ساتھیوں کا درجہ اس تیسرے ساتھی سے بلند ہوگا جس کا انتقال بستر پر طبعی موت سے ہوا) پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (اس خواب اور اپنے اس تاثر اور غلمان کا ذکر کیا، آپ نے ارشاد فرمایا، کہ: اس میں تم کو کیا بات ادبیری اور غلط معلوم ہوتی ہے، (تم نے ان کے درجات کی جو ترتیب دیکھی ہے وہی ہونا چاہئے، اور جو تیسرا ساتھی اپنے دو ساتھیوں کی شہادت کے بعد بھی کچھ عرصہ زندہ رہا اور نازیں پڑھتا رہا، اور اللہ کا ذکر کرتا رہا، اسی کو سب سے آگے اور بلند تر ہونا چاہئے، کیونکہ اللہ کے نزدیک اس مومن سے کوئی افضل نہیں، جس کو ایمان اور اسلام کے ساتھ عمر دراز ملے، جس میں وہ اللہ کی تسبیح (سبحان اللہ کا ذکر) تکبیر (اللہ اکبر کا ذکر) اور تہلیل (لا الہ الا اللہ کا ذکر) کرے۔

(تشریح) اس سے پہلی حدیث کی تشریح میں جو کچھ لکھا جا چکا ہے اسی سے اس حدیث کی بھی تشریح ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر سمجھ دے تو ان دونوں حدیثوں میں اُن جہزباتی اور باقوتی لوگوں کے لئے بڑا سبق ہے، جو جہاد اور شہادت کی صرف باتوں اور جھوٹی تمناؤں میں اپنا وقت گزارتے ہیں، حالانکہ جہاد و شہادت کا کوئی میدان اُن کے سامنے نہیں ہوتا، اور نماز، روزہ، ذکر و تلاوت وغیرہ اعمالِ غیر کے ذریعہ اعلیٰ سے اعلیٰ دینی ترقیوں کا جو موقع اللہ کی طرف سے ان کو ہر وقت ملا ہوا ہے، وہ اس کی قدر نہیں کرتے، اور ان چیزوں کو معمولی اور ادنیٰ درجہ کی چیزیں سمجھ کر ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے، بلکہ بعض اوقات تو ان اعمالِ غیر کو طرک کا نشانہ بنا کر اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔ وَجَّهْتُمْ لَكُمْ وَجْهَكُمْ وَمَنْعَتُم مِّنْ عَمَلِكُمْ

# رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

## جامع اور اہم نصیحتیں اور وصیتیں

(۸۵) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
إِذَا تَقَرَّبَ اللَّهُ حَيْثُ مَا كُنْتَ وَأَتَمَّعَ الشَّيْئَةَ الْحَسَنَةَ فَمَا وَدَّكَ الْإِنْسَانُ  
يُحَلِّقُ حَسَنَ ————— رواه احمد والترمذي والداودي۔

(ترجمہ) حضرت ابو ذر غفاری سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ تم جہاں اور جس حال میں ہو (خلوت  
میں ہو یا جلوت میں، آرام میں ہو یا تکلیف میں) خدا سے ڈرتے رہو (اور تقویٰ تمہارا  
شعار رہے) اور ہر برائی کے پیچھے نیکی کرو، وہ اس کو مٹا دے گی، اور اللہ کے بندوں  
کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، دارمی)

(تشریح) تقویٰ کی اصل خدا کا خوف اور اس کے مواخذہ اور محاسبہ کی فکر ہے، اور یہ ایک  
باطنی کیفیت ہے، اور اس کا ظہور ظاہری زندگی میں اس طرح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و  
احکام کی اطاعت کی جائے، اور نہیات اور معاصی سے بچا جائے۔ لیکن انسان کی  
سرشت اور اس دنیا میں اُس کا ماحول ایسا ہے کہ اس خوف و فکر (یعنی تقویٰ) کے باوجود اس سے  
غلیظیاں اور خطائیں سرزد ہو جاتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تدارک کیلئے ارشاد  
فرمایا، کہ جب کوئی غلطی اور برائی ہو جائے تو اس کے بعد کوئی نیکی ضرور کرو، نیکی کا نور اس برائی کی ظلمت کو  
ختم کر دے گا اور مٹا دے گا۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے: "إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ الشَّرَّاتِ"۔

(نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری نصیحت اس شخص پر کی جس نے حضرت ابو ذر کو یہ فرمائی کہ لوگوں کے ساتھ تمہارا برتاؤ حسن اخلاق کا ہو۔ معلوم ہوا کہ تقویٰ اور تکثیر حسنات کے ذریعہ گناہوں کی تطہیر کے بعد بھی کامیابی اور رضا اگلی حاصل ہونے کیلئے مسندوں کے ساتھ حسن اخلاق کا برتاؤ بھی ضروری ہے۔

(۸۶) عَنْ أَبِي أَيُّوبَ أَنَّهُ نَصَّادِي قَالَ جَاءَ نَجِيلٌ لِي مِنَ الْمَدِينَةِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ خُذْ بِيْنَ وَأَوْجِزْ فَقَالَ إِذَا قَامَتِ فِي صَلَاتِكَ فَصَلِّ صَلَوةَ مُؤَدِّعٍ وَلَا تُكَلِّمْ بَعْلًا وَرَبَّةً رَمِيئَةً خَدًا وَلَا جَبَّحًا وَلَا يَأْسَ مِمَّا فِي أَيْدِي النَّاسِ۔۔۔۔۔ (مسند احمد)

(ترجمہ) حضرت ابو ایوب انصاری سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرمائیے اور مختصر فرمائیے (تاکہ یاد رکھنا آسان ہو) آپ نے ارشاد فرمایا کہ (ایک بات تو یہ یاد رکھو کہ) جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو، تو اس شخص کی سی نماز پڑھو جو سب کو اللہ وادع کہنے والا، اور سب سے رخصت ہونے والا ہو (یعنی دنیا سے جانے والے آدمی کی نماز جیسی ہونی چاہئے) تم ہر نماز ویسی پڑھنے کی کوشش کرو، اور دوسری بات یہ یاد رکھو کہ (ایسی کوئی بات زبان سے نہ نکالو جس کی کل تم کو معذرت اور جواب دہی کرنی پڑے) (یعنی بات کرتے وقت ہمیشہ اس کا خیال رکھو کہ ایسی بات منہ سے نہ نکلے جسکی جواب دہی کسی کے سامنے اس دنیا میں یا قیامت کے دن خدا کے حضور میں کرنی پڑے، اور تیسری بات یہ یاد رکھو کہ) آدمیوں کے پاس اقدان کے ہاتھ میں جو کچھ نظر آتا ہے اس سے اپنے کو قطعاً مایوس کر لو (یعنی تمہاری امیدوں اور توجہ کا مرکز صرف رب العالمین ہو، اور مخلوق کی طرف سے اپنی امیدوں کو بالکل منقطع کر لو)۔

(مسند احمد)

(۸۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ  
ثَلَاثٌ مُجِيبَاتٌ وَثَلَاثٌ مُهْلِكَاتٌ فَأَمَّا الْمُنْجِيَاتُ فَقَوْلُ اللَّهِ فِي الْبُزْرِ  
وَالْعَلَانِيَةِ وَالْعَوْلُ بِالنَّحْيِ فِي الرِّضَا وَالسَّخِيَّةُ وَالْفَصْدُ فِي الْفِتْنَةِ  
وَالْفَقْرُ وَأَمَّا الْمُهْلِكَاتُ فَعَوْنُ مَتَّبِعٍ وَشَحْمُ مَطَاعٍ وَإِعْجَابُ مَلَأَةٍ  
بِنَفْسِهِ وَهِيَ أَشَدُّ حَقًّا ————— رواه البيهقي في شعب الإيمان۔

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے فرمایا: تین چیزیں ہیں جو نجات دلائے والی ہیں، اور تین ہی چیزیں ہیں جو ہلاک  
کردینے والی ہیں، پس نجات دلائے والی تین چیزیں تو یہ ہیں:۔ ایک خدا کا خوف  
خلوت میں اور جلوت میں (مظاہر میں اور باطن میں) اور دوسرے، حق بات کہنا،  
خوشی میں اور غصہ میں، اور تیسرے یہ کہ رومی خوشحالی میں اور تنگدستی میں —  
اور ہلاک کرنے والی تین چیزیں یہ ہیں:۔ وہ خواہش نفس جس کی پیروی کی جائے، اور  
وہ بخل جس کی اطاعت کی جائے (یعنی اسکے تقاضے پر چلا جائے)۔ اور آدمی کی خود پسندی  
کی عادت اور یہ ان سب میں زیادہ سخت ہے۔ (شعبا لایمان طبیعتی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو حاضرین مجلس اور مخاطبین کے خاص حالات  
کے لحاظ سے، اور کسی کسی اور ایسے ہی سبب سے بعض اوقات اپنے ارشادات میں بعض عامل احوال  
اور اخلاقِ حسنہ کی اہمیت خصوصیت سے بیان فرماتے تھے، اور اسی طرح بعض خاص خاص جگہ  
احوال و اخلاق کی قباحت و شامت پر خصوصیت سے زور دیتے تھے (اور علم اور مرتب کا طرز میں  
ہونا بھی چاہئے)۔ یہ حدیث بھی اسی نوعیت کی ہے، اور حضور کے اس ارشاد کا حاصل  
صرف یہ ہے کہ جس شخص کو اس کی فکر ہو کہ وہ ہلاکت سے بچے اور نجات حاصل کرے، اُسے چاہئے کہ  
ان چند نصیحتوں کی خصوصیت سے پابندی کرے، مظاہر و باطن اور خلوت و جلوت میں خدا کا خوف  
اور تقویٰ اُس کا شعار ہے، اور خواہ کسی سے رضامندی ہو یا ناراضی، ہمیشہ حق و انصاف کی بات کہے،



اور دعوہ خوشامی و تنگدستی دونوں حالتوں میں میانہ روی برتے۔۔۔۔۔ اور اپنی نفسانی خواہش اور بخل کے تقاضوں پر نہ چلے، اور خود پسندی کی نہایت ہلک بھاری سے اپنی حفاظت کرتا رہے۔۔۔۔۔ آپ نے خود پسندی کو سب سے زیادہ شدید غالباً اس لئے فرمایا کہ اس مرض میں مبتلا ہونے والا آدمی اپنے کو کبھی بیمار ہی نہیں سمجھتا، بلکہ اگر کوئی اور نصیحت کرے اور سمجھائے تو وہ اسی کو غلطی پر سمجھتا ہے۔۔۔۔۔ اور بلاشبہ وہ مرض بڑا سخت اور لاعلاج ہے، جس کو مریض مرض ہی سمجھے۔

(۸۸) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَأَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
قَالَ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَكُنْتُ فِيكَ فَلَا حَلِيكَ مَا قَاتَاكَ اللَّهُ لِمَا حَفَظَ أَمَانَتَهُ  
وَصِدْقَ حَلِيَّتِهِ وَحَسَنَ خَلِيقَتِهِ وَهَقَّةً فِي طُعْمَتِهِ

(رواہ احمد و ابوداؤد فی شعبہ الامانیات)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔۔۔ چار باتیں اور چار غصلیں ایسی ہیں کہ اگر وہ تم کو نصیب ہو جائیں تو پھر دنیا (اور اس کی نعمتوں) کے فوت ہو جائے اور ہاتھ نہ کھائے میں کوئی مضائقہ نہ ہو کوئی گھانا نہیں۔ امانت کی حفاظت، باتوں میں سچائی، حسن اخلاق، اور کھانے میں احتیاط اور پرہیزگاری۔ (مسند احمد شعبہ الامانیات طبعی)

(تشریح) آگے امانت کے بیان میں انشاء اللہ تفصیل سے بیان کیا جائے گا کہ نبوت کی زبان اور دین کی اصطلاح میں امانت بہت وسیع معنی میں استعمال ہوتا ہے، اللہ کے اور اسی طرح بندوں کے ہر حق کی ادائیگی اور ہر عہد کی پابندی امانت کے وسیع مفہوم میں داخل ہے، پس ظاہر ہے کہ جس شخص میں امانت کی صفت ہو یعنی جس کا یہ حال ہو کہ وہ اللہ کے اور اس کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی پوری دیانت داری کے ساتھ کرتا ہو، اور اسی کے ساتھ اس کی زبان صداقت اور سچائی کی پابند ہو، اور حسن اخلاق کی دولت بھی اس کو حاصل ہو، اور کھانے پینے کے معاملہ میں بھی محتاط اور پرہیزگار ہو، یعنی صرف حلال کھاتا ہو، اور اتنا ہی کھاتا ہو جتنا اس کو کھانا چاہیے، نہ حرام اور

مشتبہ سے پرہیز کرتا ہو، الموضع جس شخص کو یہ چار خصلتیں نصیب ہوں، ظاہر ہے کہ اس کو انسانیت کا کمال نصیب ہے جو اس دنیا کی سب سے بڑی بلندی ہے اور آخرت کی کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی میں اس کو وہ بے حساب اوسلہ شادمانیتیں ملیں گی جن میں سے ایک ایک کی قیمت اس دنیا سے اور اس کی ساری دولتوں اور نعمتوں سے زیادہ ہوگی، پس ایسا شخص اگر دنیا سے خالی ہاتھ رہے تو اسے کوئی غم اور کوئی ناسوس نہ ہونا چاہئے، کیونکہ جو کچھ اسے ملا ہوا ہے دنیا اور اس کی ساری دولتیں اور بہاریں اس کے سامنے ہیں۔

(۸۹) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ قَدْ أَخْلَمَ مَنْ أَخْلَمَ اللَّهُ قَلْبَهُ لِلْإِيمَانِ وَجَعَلَ قَلْبَهُ سَلْبًا وَلِسَانَهُ صَادِقًا وَنَفْسَهُ مُطِيعَةً وَخَلْقَهُ مُسْتَقِيمَةً وَجَعَلَ أَذُنَهُ مُسْتَمِعَةً وَعَيْنَهُ نَاطِلَةً فَأَمَّا الْأَمُودُنُ فَصَوْرَةٌ وَمَا الْعَيْنُ فَمَقِيقَةٌ لِمَا يُرَى الْقَلْبُ وَكَفَنٌ أَخْلَمَ مَنْ جَعَلَ قَلْبَهُ فِدَاعِيًّا — رواه احمد والبيهقي في شعب الایمان۔

(ترجمہ) حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، وہ شخص کا یہاب اور بامراد ہوا جس کے دل کو اللہ نے ایمان کے لئے خالص کر دیا اور اس کے قلب کو صیح و سالم بنادیا (یعنی جس کے دل کو ایسا صاف و یقین نصیب فرمایا جس میں شک یا انفاق کی کوئی آئینہ نش اور کوئی گنجائش نہیں، اور حسد و کینہ جیسے باطنی امراض سے بھی اس کے دل کو پاک کر کے سلیم بنایا) اور اس کی زبان کو سچائی اور اس کے نفس کو اطمینان عطا فرمایا (یعنی اس کے نفس کو ایسا کر دیا کہ اللہ کی یاد سے اور اس کی مرضیات سے اس کو چین و اطمینان ملتا رہے) اور اس کی طبیعت کو سیدھا اور درست کر دیا (کہ وہ برائی کی طرف نہیں جلتی) اور اس کے کان کو سننے والا اور آنکھ کو دیکھنے والا بنادیا (کہ وہ حق باتوں کو اور اللہ کی نشانوں کو سننے میں اور دیکھنے میں اور نصیحت و عبرت حاصل کرتے ہیں) پس

کان تو شلیقہ کے ہے (کہ باتیں اس کے راستے سے دل میں اس طرح جاتی ہیں جس طرح بزل یا شیشی میں کوئی چیز قیف کے ذریعہ جاتی ہے) اور آنکھ پہنچانے والی، اور ٹھہرانے والی ہے اُن چیزوں کو جو وہ قلب کو پہنچتی ہے، اور باہر اداؤں کا مایاب ہوا وہ شخص جس کے دل کو بنا دیا اللہ نے یاد رکھنے والا۔

(مسند احمد، شعب الایمان، بیہقی)

(تشریح) حدیث کے آخر حصہ میں کان اور آنکھ کے متعلق جو بات فرمائی گئی ہے :-  
 ۱۔ فَاَمَّا الْاَذُنُ فَتَعْرِفُ الْفَرْقَ جس کے ترجمہ پر اقیانہ کے لئے خط لگادیا گیا ہے اس سے وجود انسانی میں کان اور آنکھ کی یہ امتیازی اہمیت ظاہر کرنا مقصود ہے کہ دل جو انسانی اعضاء میں گویا بادشاہ اور فرمانروا کی حیثیت رکھتا ہے اس میں جو چیزیں پہنچتی ہیں اور اس کو متاثر کرتی ہیں وہ عموماً کان اور آنکھ ہی کے ذریعہ پہنچتی ہیں، اسلئے انسان کی فلاح و سعادت اس پر موقوف ہے کہ اللہ اس کے کان کو شنوا، اور اس کی آنکھوں کو بینا بنائے۔ اور سب سے آخر میں فرمایا کہ "فلاح یا بادل باہر ادا ہوا وہ انسان جس کے دل کو اللہ نے یاد رکھنے والا بنا دیا" مطلب یہ ہے کہ فلاح و سعادت تک پہنچانے والی جو باتیں کان یا آنکھ کے ذریعہ دل میں پہنچیں اُن سے ہی منزل سعادت تک جب ہی پہنچا جاسکتا ہے جبکہ دل ان کو محفوظ رکھے اور ان سے برابر کام لیتا رہے، اسلئے انسان کی سعادت اور خوش بختی کی آخری اور سب سے اہم شرط یہ ہے کہ قلب اپنا فریضہ اور وظیفہ ٹھیک ٹھیک انجام دیتا رہے۔

قرآن مجید میں بھی جا بجا انسان کی ان تینوں قوتوں (سمع، بصر، قلب) کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ گویا انسان کی ہدایت اور نجات کا دار و مدار ان تینوں کی سلامتی اور راست روی پر ہے۔

(۹۰) عَنْ غَيْرِ وَنِ مَيُّونٍ الْاُذُنِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ وَهُوَ يَعْطَلُ اِغْتَنَمَ خَمْسًا قَبْلَ تَحْسِبِ شَيْءًا بَارَكَ قَبْلَ

هَرَمِكَ وَحَقَّتْكَ قَبْلَ سَقَمِكَ وَغَنَّاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَكَرَّ اَعْلَكَ

قَبْلَ شُغْلِكَ وَحَيَاتِكَ قَبْلَ مَوْتِكَ ————— رواہ السنہذی۔

(ترجمہ) عمرو بن میمون اودی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔ پانچ حالتوں کو دوسری پانچ حالتوں کے آنے سے پہلے غنیمت جانو، اور ان سے جو فائدہ اٹھانا چاہیے، وہ اٹھا لو — غنیمت جانو جو ان کی کوڑھاپے کے آنے سے پہلے، اور غنیمت جانو تندرستی کو بیمار ہونے سے پہلے، اور غنیمت جانو خوش حالی اور فراخ دستی کو ناداری اور تنگ دستی سے پہلے، اور غنیمت جانو فراغت اور فراغت کو مشغولیت سے پہلے، اور غنیمت جانو زندگی کو موت آنے سے پہلے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ انسان کے حالات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے، اس لئے اُس کو چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ اُسے کچھ حاصل کرنے کے قابل بھی اور اطمینان کی حالت نصیب فرمائے، تو اس کو غنیمت، اور پروردگار کی طرف سے ملی ہوئی نعمت سمجھے، اور اللہ کی ہضما اور آخرت میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے جو کچھ کر سکتا ہو اُس وقت کر لے، کیا خبر ہے کہ آئندہ کر سکنے کے قابل رہے گا، یا نہیں — اگر جوانی کی قوت ملی ہوئی ہے تو بڑھاپے کی کمزوریوں اور معذوریوں کے آنے سے پہلے اس سے فائدہ اٹھالے، اگر تندرست و توانا ہے تو بیماری کی مجبوریوں سے پہلے اس سے کام لے لے، اگر خوش حالی اور مالی وسعت اللہ نے نصیب فرمائی ہے تو افلاس اور محتاجی آنے سے پہلے اس سے فائدہ حاصل کر لے، اور اگر کچھ فرصت ملی ہوئی ہے تو مشغولیت اور پریشانی حالی کے دن آنے سے پہلے اس کی قدر کر لے اور کام کر لے، اور زندگی کے بعد ہر حال موت ہے جو ہر قسم کے اعمال کا خاتمہ کر دینے والی ہے، اور اس کے ساتھ توبہ و استغفار کا دروازہ بھی بند ہو جاتا ہے، اس لئے زندگی کے ہر لمحہ کو غنیمت اور خداداد فرصت سمجھے، اور اس سے فائدہ اٹھانے میں غفلت نہ کرے۔

(۹۱) عَنْ ابْنِ مَرْزُوقٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا

يَنْتَظِرُ أَحَدَكُمْ لَا غَيْرِي مُطْلِقِيًّا أَوْ كُفْرًا مُنْسِيًّا أَوْ مَرَضًا مُقْسِلًا  
أَوْ هَمًّا مُقْتِلًا أَوْ مَوْتًا مُعْجِزًا أَوَالِدَ جَالٍ وَالذَّجَالِ شَرُّ  
غَائِبٍ يُنْتَظَرُ أَوَالِ السَّاعَةِ وَالسَّاعَةِ أَذْهَى وَأَمَرُّ

(رواه الترمذی والنسائی)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ تم عمل کیلئے انتظار کرتے ہو اُس خوشحالی اور دولت مندی کا جو آدمی کو سرکش کر دیتی ہے، یا انتظار کرتے ہو اُس ناداری اور محتاجی کا جو سب کچھ بھٹا دیتی ہے، یہ انتظار کرتے ہو حالت بگاڑ دینے والی بیماری کا، یا عقل و حواس کھودینے والے بڑھاپے کا، یا اچانک آنے والی اور فنا کر دینے والی موت کا، یا تم منتظر ہو دجال کے۔ اور دجال بدترین غائب ہے، جس کا انتظار ہے، یا منتظر ہو قیامت کے، اور قیامت بڑا سخت حادثہ اور بڑا کڑا و گھونٹ ہے۔ (جامع ترمذی و سنن نسائی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو لوگ فرصت اور فراغت کو غنیمت نہیں سمجھتے، اور اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ رضا، اکتی اور فلاح اخروی کے لئے عملی جدوجہد سے غافل رہ کر تن آسانی میں اپنا وقت گزار رہے ہیں، گویا وہ اسکے منتظر ہیں کہ مذکورہ بالا بلاؤں اور آفتوں میں سے جب کوئی بلا اور آفت اُن پر آئے گی، جب وہ جاگیں گے، اور اس وقت آخرت کی فکر اور تیاری کو سینگے۔

(۹۲) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ  
لَا تَزُولُ قُلُوبُ مَا بَيْنَ أَدْمَدِ يَوْمِ الْقِيَمَةِ حَتَّى يَسْأَلَ عَنْ تَمِيمٍ عَنْ  
عُمَرَ فِيمَا أَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَا أَبْلَاهُ وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ  
الْكَسْبَةِ وَفِيمَا أَنْفَقَهُ وَمَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَ۔ (رواه الترمذی)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ ابن مسعود سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا :- قیامت کے دن (عجب حساب کے لئے بارگاہِ خداوندی میں پیشی ہوگی، تو) آدمی کے پاؤں سرک نہ سکیں گے جیتنے کے اُس سے پانچ چیزوں کا سوال نہ کر لیا جائے گا۔۔۔ ایک اُس کی پوری زندگی اور عمر کے بارے میں، کہ کن کاموں میں اس کو ختم کیا۔۔۔ اور دوسرا خصوصیت سے اُس کی جوانی (اور جوانی کی قوتوں) کے بارے میں، کہ کن مشاغل میں جوانی اور اس کی قوتوں کو بوسیدہ اور پُرانا کیا، اور تیسرا اور چوتھا مال و دولت کے بارے میں، کہ کہاں سے اور کن طریقوں اور راستوں سے اس کو حاصل کیا تھا، اور چہ کن کاموں اور کن راہوں میں اس کو صرف کیا، اور پانچواں سوال یہ ہوگا، کہ جو کچھ معلوم تھا اُس کے بارے میں کیا عمل کیا؟۔۔۔ (جامع ترمذی)

(ہت) ہر شخص اپنی زندگی، اپنی جوانی، اپنے آمد و خرچ، اور اپنے علم و عمل کا دنیا ہی میں محاسبہ کرے، اور خدا سوچے، کہ دربارِ خداوندی میں کھڑا کر کے جب مجھ سے سرِ محشر یہ سوالات کئے جائیں گے، تو میرا حال اور انجام کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور اپنے کرم سے آسانی فرمائے، ورنہ امتحان اپنی نوعیت کے لحاظ سے یقیناً بڑا سخت ہے، اور صرف وہی خوش نصیب بندے اُس دن رسوائی سے بچ سکیں گے جو اُس گھڑی کے آنے اور اس امتحان گاہ میں پہنچنے سے پہلے اسی دنیا میں تیاری کر لیں، اور زندگی اس طرح گزاریں کہ اس محاسبہ اور اس امتحان میں کامیاب اور سرخرو ہو سکیں۔

(۹۳) عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ جَابِرِ بْنِ سُلَيْمٍ قَالَ أَتَيْتُ الْمَدِيْنَةَ  
فَرَأَيْتُ رَجُلًا يَصُدُّ النَّاسَ عَنْ دَارِهِ لَا يَقُولُ شَيْئًا إِلَّا  
صَدَّقُوا عَنْهُ قُلْتُ مَنْ هَذَا قَالَ هَذَا رَسُولُ اللَّهِ قَالَ  
قُلْتُ عَلَيْكَ السَّلَامُ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ لَا تَقُلْ  
عَلَيْكَ السَّلَامُ عَلَيْكَ السَّلَامُ فَحَيَّاهُ الْمَيِّتُ قُلْ السَّلَامُ

عَلَيْكَ قُلْتُ أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ؟ فَقَالَ أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ الَّذِي  
 إِنْ أَصَابَكَ مُرٌّ فَقَدْ عَوْتَهُ كَشَفَهُ عَنْكَ وَإِنْ أَصَابَكَ عَامٌ  
 سَنَةٌ فَقَدْ عَوْتَهُ أَنْتَبَهَا لَكَ وَإِذَا كُنْتَ بِأَرْضٍ قَفِيًا وَفَلَاةٍ  
 فَضَلَّتْ رَأْسُكَ فَقَدْ عَوْتَهُ رَدَّهَا عَلَيْكَ قُلْتُ إِنْ عَهْدًا إِلَى  
 قَوْمٍ لَا تَسْبِيحُ أَحَدًا قَالَ فَمَا سَبَبَتْ بَعْدَهُ حُرًّا وَلَا عَبْدًا  
 وَلَا بَعِيدًا وَلَا شَاةً قَالَ وَلَا تُحَقِّقَنَّ شَيْئًا مِنَ الْمَعْرُوفِ  
 وَأَنْ تَكَلَّمَ أَحَاكَ وَأَنْتَ مُنْبَسِطٌ إِلَيْهِ وَجْهًا إِنْ ذَاكَ  
 مِنَ الْمَعْرُوفِ فَارْفَعْ إِنْ أَرَاكَ إِلَى نِصْفِ السَّاقِ فَإِنْ  
 أَبَيْتَ فَإِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِنِّيَاكَ وَإِسْبَالُ الْأَنْزَارِ فَإِنَّهَا  
 مِنَ الْمُخَيَّلَةِ وَإِنَّ اللَّهَ لَا يُجِيبُ الْمَخْجَلَةَ وَإِنْ أَمْرٌ  
 شَتَمَكَ وَخَيَّرَكَ بِمَا يَعْلَمُ فِيكَ فَلَا تُعَيِّنْهُ بِمَا تَعْلَمُ فِيهِ  
 فَإِنَّهُ أَوْبَالُ ذَلِكَ عَلَيْهِ۔ رواه ابو داود۔

(ترجمہ) ابو جریج جابر بن سلیم سے روایت ہے کہ میں مدینہ پہنچا (اور میں  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس وقت کچھ جانتا نہیں تھا) میں نے  
 ایک شخص کو دیکھا کہ لوگ اسکے پاس طالب بن کر حاضر ہوتے ہیں اور وہ اس کو جو کچھ  
 بتا دیتا ہے اس کو قبول کر کے چلے جاتے ہیں، جو کچھ بھی اس کی زبان سے نکلتا ہے  
 لوگ اس کو دل و جان سے ملتے اور تسلیم کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا۔ یہ کون ہیں؟  
 لوگوں نے مجھے بتایا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا،  
 اور میں نے عرض کیا ”عَلَيْكَ السَّلَامُ يَا رَسُولَ اللَّهِ!“ یہ میں نے دودھ  
 عرض کیا، آپ نے فرمایا: ”عَلَيْكَ السَّلَامُ“ نہ کو، یہ مردوں کا سلام ہے۔  
 (یعنی اہل جاہلیت اس طرح مردوں کو سلام کیا کرتے تھے، بجائے اس کے)

”السلام علیک“ کہو۔ میں نے عرض کیا :- آپ اللہ کے رسول ہیں؟ آپ نے فرمایا :- ہاں! میں رسول ہوں اُس اللہ کا جس کی شان یہ ہے کہ اگر تمہیں کوئی دھک اُڑ تکلیف ہو، اور تم اُس سے دعا کرو، تو وہ تمہارے دھک کو دور کر دے، اور اگر تم پر قحط سالی کی مصیبت آجائے اور تم اُس سے دعا کرو تو تمہارے لئے وہ زمین سے پیداوار پیدا کر دے، اور جب تم کسی جنگل میں یا بان میں اور لُح و دق میدان میں ہو، اور تمہاری سواری کا جانور وہاں گم ہو جائے، اور تم اُس سے دعا کرو، تو وہ تمہاری سواری کے اُس جانور کو تمہارے پاس پہنچا دے۔ (حدیث کے راوی جابر بن سلیم کہتے ہیں کہ) میں نے آپ سے عرض کیا کہ :- مجھے کچھ نصیحت اُڑ دیتے فرمائیے! — آپ نے ارشاد فرمایا :- (تمہیں میری پہلی نصیحت یہ کہ) تم کبھی کسی کو گالی نہ دینا، جابر بن سلیم کہتے ہیں ہر کے بعد سے میں نے کسی کو بھی گالی نہ دی، نہ کسی آزاد کو نہ غلام کو، نہ اونٹ بکری جیسے کسی جانور کو (اس کے بعد سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے مجھے حضور نے یہ نصیحتیں بھی فرمائیں) کسی احسان کو تم حقیر نہ سمجھو، اور تم اپنے بھائی سے سخت تر روٹی کے ساتھ بات کیا کرو، یہ بھی ایک حکم کا احسان اور حُرین سلوک ہے، اور اپنا شہنشاہ آدمی پند لیوں تک اونچا رکھو، اگر اتنا اونچا رکھنا منظور نہ ہو تو کم سے کم ٹخنوں تک اونچا رکھو، اور شہنشاہ کو زیادہ نیچے ٹکانے سے پرہیز کرو، کیونکہ یہ تکبر کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ کو تکبر پسند نہیں ہے، اور اگر کوئی تمہیں گالی دے اور تمہاری کسی ایسی بُری بات کا ذکر کرے کہ تم کو مار دلائے، جو وہ تمہارے جلسے میں جانتا ہو، تو تم ایسا نہ کرو، اس صورت میں اُسکی اس ساری زبان اندازی کا پورا وبال اُسی پر ہو گا۔ (سنن ابی داؤد)

(۹۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
مَنْ يَأْخُذْ عَرِيَّ هُوَ لَدَى الْكَلِمَاتِ يُعْمَلُ بِهِ عَقْلٌ أَوْ يُعْلَمُ مَنْ يَعْمَلُ



يَعْنِي؟ قُلْتُ أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ فَأَخَذَ يَبْدِي فَعَدَّ خَمْسًا فَقَالَ  
لَا تَقِ الْمَحَارِبَ تَكُنْ عَبْدَ النَّاسِ وَأَرْضُ بِمَا قَسَمَ اللَّهُ لَكَ تَكُنْ  
أَعْنَى النَّاسِ وَأَخْسِنُ إِلَى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا وَاحِبًا لِلنَّاسِ  
مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا وَلَا تَكْثُرِ الصَّخَفَ فَإِنَّ كَثْرَةَ  
الصَّخَفِ تُمَيِّتُ الْقَلْبَ ————— رواه احمد والترمذی۔

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دن ہم لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا:۔ کون ہے جو مجھ سے  
سیکھ لے یہ چند خاص باتیں، پھر وہ خود ان پر عمل کرے یا دوسرے عمل کرنے والوں کو  
بتائے؟ میں نے عرض کیا:۔ یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں۔ تو آپ نے  
لا زارہ شفقت لیسرا ماتھ اپنے دست مبارک میں چلیا، اور گن کر یہ پانچ باتیں  
بتائیں۔ فرمایا:۔ جو چیزیں اللہ نے حرام قرار دی ہیں ان سے بچو، اور  
ان سے پورا پورا پرہیز کرو، اگر تم نے ایسا کیا، تو تم بہت بڑے عبادت گزار ہو،  
(اور یہ عبادت نفعی عبادت کی کثرت سے افضل ہے)۔ دوسری بات  
آپ نے یہ فرمائی کہ:۔ اللہ نے جو تمہاری قسمت میں لکھا ہے اس پر راضی اور مطمئن  
ہو جاؤ، اگر ایسا کرو گے تو تم بڑے بے نیاز اور دولت مند ہو جاؤ گے۔ اور  
تیسری بات یہ کہ:۔ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اگر ایسا کرو گے، تو تم  
مومن کامل ہو جاؤ گے۔ اور چوتھی بات یہ کہ:۔ جو تم اپنے لئے چاہتے اور پسند  
کرتے ہو، وہی دوسرے لوگوں کیلئے بھی چاہو اور پسند کرو، اگر تم ایسا کرو گے، تو  
حقیقی مسلم اور پورے پورے مسلمان ہو جاؤ گے۔ اور پانچویں بات یہ ہے  
کہ:۔ زیادہ مت ہنس کرو، کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مرده کر دیتا ہے۔

(مسند احمد، جامع ترمذی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ پانچ باتیں بتانا چاہتے تھے، اپنے پیغمبر میں خاص طلب پیدا کرنے کے لئے، اور ان کے دلوں کو پوری طرح بیدار اور متوجہ کرنے کیلئے پہلے ارشاد فرمایا کہ: میں اس وقت کچھ خاص باتیں بتانا اور سکھانا چاہتا ہوں، تم میں سے کون ان کو سیکھنا چاہتا ہے، لیکن اس کو ان باتوں کا یہ حق ادا کرنا ہو گا کہ وہ خود ان پر عمل کرے اور دوسروں کو بھی بتلائے، تاکہ وہ بھی عمل کریں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو آدمی دین کی باتیں سیکھے اس پر دو حق ہیں ایک یہ کہ خود ان پر عمل کرے اور دوسرے یہ کہ اوروں کو پہنچائے اور بتلائے، بلکہ اگر خود پورا عمل نہ کرے، تب بھی دوسروں کو بتانے سے دریغ نہ کرے۔

جو پانچ باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر تعلیم فرمائیں، وہ بڑی اہم حقیقتیں ہیں۔ پہلی بات آپ نے یہ ارشاد فرمائی کہ: بڑا عبادت گزار بندہ وہ ہے جو عورات اور ممنوعات سے پرہیز کرتا ہے، اگرچہ زیادہ فعلی نمازیں نہ پڑھتا ہو، فعلی روزے زیادہ نہ رکھتا ہو، ذکر و تسبیح میں بہت زیادہ مشغول نہ رہتا ہو۔ دوسری بات یہ فرمائی کہ: اللہ کی طرف سے جو مقصود اور مقدر ہے اس پر راضی ہو جانے سے آدمی کو بڑا طہیمان اور بڑی بے فکری نصیب ہو جاتی ہے۔ تیسری بات یہ کہ: پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ نکالنا ایمان کی شرط ہے۔ چوتھی بات یہ کہ: کامل مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی دوسروں کا اتنا خیر خواہ اور ہی خواہ ہو کہ جو اپنے لئے چاہے وہی دوسروں کے لئے چاہے۔ اور پانچویں بات یہ کہ: زیادہ نہ ہنسنا چاہئے، کیونکہ یہ عادت دل کو مردہ اور بے حس کر دیتی ہے۔

اگر اللہ کی توفیق سے اس کا کوئی بندہ آج بھی ان پانچ باتوں پر کاربند ہو جائے تو دنیا ہی میں وہ جنت کا مزا چکھ لے گا، اس کی زندگی پاک صاف اور بڑے طہیمان والی ہوگی، دوسرے لوگ اس سے محبت کریں گے، اس کا دل اللہ کے ذکر سے زندہ اور شاداب ہوگا، اہل آخرت میں اللہ کی رضا اور جنت کی نعمتیں اس کو ملیں گی ان کی قدر و قیمت اور حقیقی لذت تو

بس وہیں جا کر معلوم ہوگی۔

(۹۵) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ أَمَرَنِي خَلِيفَتِي بِسَبْعٍ، أَمَرَنِي بِحُبِّ الْمَسْكِينِ  
وَاللَّيْثِ وَمَنْعِهِمْ وَأَمَرَنِي أَنْ أَنْظُرَ إِلَى مَنْ هُوَ مُؤَنِّي وَلَا أَنْظُرَ إِلَى  
مَنْ هُوَ مُؤَفِّقِي، وَأَمَرَنِي أَنْ أَصِلَ الرَّحِمَ وَلَنْ أَذْبُوثَ، وَأَمَرَنِي  
أَنْ لَا أَسْأَلَ أَحَدًا شَيْئًا وَأَمَرَنِي أَنْ أَقُولَ بِالْحَقِّ وَلَنْ كَانَ مُرًا،  
وَأَمَرَنِي أَنْ لَا أَخَافَ فِي اللَّهِ لَوْمَةً لَا تُبِيحُ، وَأَمَرَنِي أَنْ أَكْثُرَ  
مِنْ قَوْلِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ فَإِنَّهُ مَنْ كَثُرَتْ تَحْتَهُ الْعُرَشُ.

(رواہ احمد)

(ترجمہ) حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ  
مجھے میرے محبوب دوست (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سات باتوں کا خاص طور سے  
حکم فرمایا ہے۔ مجھے آپ نے حکم فرمایا ہے: مساکین اور غرباء سے محبت  
رکھنے کا، اور ان سے قریب رہنے کا۔ اور آپ نے حکم فرمایا ہے کہ:۔  
دنیا میں ان لوگوں پر نظر رکھوں جو مجھ سے نیچے درجہ کے ہیں (یعنی جن کے پاس  
دنوی زندگی کا سامان مجھ سے بھی کم ہے) اور ان پر نظر نہ کروں جو مجھ سے اوپر کے  
درجہ کے ہیں (یعنی جن کو دنیوی زندگی کا سامان مجھ سے زیادہ دیا گیا ہے، اور بعض  
دوسری احادیث میں ہے کہ ایسا کرنے سے بندوں میں حسرت و شکرت کی صفت پیدا ہوتی ہے)  
اور یہ ظاہر بھی ہے) آگے حضرت ابو ذر فرماتے ہیں کہ:۔ اور مجھے آپ نے  
حکم دیا ہے کہ:۔ میں اپنے اہل قربت کے ساتھ صلہ رحمی کروں، اور قرابتی ہشتہ کو  
جوڑوں (یعنی ان کے ساتھ وہ معاملہ اور وہ سلوک کرتا رہوں جو اپنے عزیزوں قریبوں  
کے ساتھ کرنا چاہئے) اگرچہ وہ مجھ کے ساتھ ایسا نہ کریں۔ اور آپ نے مجھے  
حکم دیا ہے کہ:۔ کسی آدمی سے کوئی چیز نہ مانگوں (یعنی اپنی ہر حاجت کے لئے)

اللہ ہی کے سامنے ہاتھ پھیلاؤں، اور اسکے سوا کسی کے در کا سائل نہ بنوں۔  
 اور آپ نے مجھے حکم فرمایا، کہ ہمیشہ ہر موقع پر حق بات کہوں، اگرچہ وہ لوگوں کیلئے  
 گروہی ہو (اور ان کی خواہشات اور اغراض کے خلاف ہونے کی وجہ سے انہیں  
 بُری لگے)۔ اور آپ نے مجھے حکم فرمایا ہے، کہ: میں اللہ کے راستے میں کسی  
 ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈروں (یعنی دنیا والے اگرچہ مجھے بُرا کہیں،  
 لیکن میں وہی کہوں اور وہی کروں جو اللہ کا حکم ہو، اور جس سے اللہ راضی ہو،  
 اور کسی کے بُرا بھلا کہنے کی مطلق پرواہ نہ کروں)۔ اور آپ نے مجھے حکم فرمایا، کہ:  
 میں کلمہ ”کَا حَوْلَیْ وَ کَا قُوَّةٌ اِلَّا بِاللّٰهِ“ کثرت سے پڑھا کروں، کیونکہ یہ سب  
 باتیں اُس خزانے سے ہیں جو عرش کے نیچے ہے (یعنی یہ اُس خزانے کے قیمتی جواہرات  
 ہیں جو عرشِ اکہی کے نیچے ہے، اور جن کو اللہ ہی جن بندہ کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے  
 کسی اور کی وہاں تک دسترس نہیں)۔ (مسند احمد)

(تشریح) حدیث کی ضروری تشریح ترجمہ ہی کے ضمن میں ہو چکی ہے، یہاں صرف ایک  
 بات یہ قابل ذکر ہے، کہ کلمہ ”کَا حَوْلَیْ وَ کَا قُوَّةٌ اِلَّا بِاللّٰهِ“ جس کی کثرت کی اس حدیث میں تاکید  
 فرمائی گئی ہے، اس کی تشریح خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث میں یہودی ہے کہ  
 ”گناہوں سے بچاؤ، اور نیکی کرنے کی قوت، بس اللہ ہی کی توفیق سے بندہ کو ملتی ہے“ یعنی اللہ کا  
 فضل اور اس کی توفیق اگر شامل حال نہ ہو، تو بندہ نگناہوں سے بچ سکتا ہے، اور نہ نیک اعمال  
 کر سکتا ہے، پس بندہ کو چاہئے کہ وہ ہمیشہ اللہ سے توفیق اور اس کا فضل مانگتا رہے، اور نصیحت  
 سے بچتا، اور نیک اعمال کا کرنا اگر تعصیب ہو، تو اس کو اپنا کمال نہ سمجھے، بلکہ اللہ کا فضل و کرم جانے  
 ————— واقعہ یہ ہے کہ یہ کلمہ جس حقیقت کو بیان کرتا ہے، اگر اسکے دھیان اور استحضار کے ساتھ  
 کثرت سے اس کا ورد کیا جائے، تو بندہ کی اصلاح کے لئے اکیسیرہم، اور اس میں بُری تاثیر ہے،  
 شایخ طریقت میں سے خصوصیت کے ساتھ حضراتِ شاذلیہ طالبین و سالکین کو اسی کلمہ کی کثرت کی

زیادہ یقین کرتے ہیں۔

(۹۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
أَمَرَنِي رَبِّي بِتَسْعِ خَشْيَةِ اللَّهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ، وَكَلِمَةِ الْحَدِّ  
فِي الْعَصَبِ وَالرِّضَا، وَالْقَصْدِ فِي الْفَقْرِ وَالْعِنَا وَأَنْ أَصِلَ مَنْ  
تَقَعَّرَ عَنِّي، وَأَعْطِيَ مَنْ حَرَمَنِي، وَأَعْفُو عَمَّنْ ظَلَمَنِي، وَأَنْ يَكُونَ  
صَهْنِي فِكْرًا وَأُظْلَمِي ذِكْرًا، وَلَطَرِي عِزَّةً وَمَا مَرَّ بِالْعَرْفِ وَقِيلَ  
بِالْمَعْرِفِ

دواہ دین۔

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ مجھے میرے پروردگار نے ان توباتوں کا خاص  
طور سے حکم فرمایا ہے۔ ایک اللہ سے ٹھنا خلوت میں اور جلوت میں۔ اور  
عدل و انصاف کی بات کہنا غصہ میں اور رضا مندی میں (یعنی ایسا نہ ہو کہ جب  
کبھی سے تارہنی اور اس پر غصہ ہو تو اس کی حق تلفی اور اس کے ساتھ بے انصافی  
کی جائے، اور جب کسی سے دوستی اور رضا مندی ہو تو اس کی بیجا حمایت اور  
طرفداری کی جائے، بلکہ ہر حال میں عدل و انصاف اور اعتدال کی راہ پر چلا جائے)۔  
اور حکم فرمایا میاں روی پر قائم رہنے کا، غریبی و ناہاری و فراخ دستی و دولت مندی  
کی دونوں حالتوں میں (یعنی جب اللہ تعالیٰ ناہاری اور غریبی میں مبتلا کرے، تو  
بے صبری اور پریشانی حالی کا اظہار نہ ہو، اور جب وہ فراخ دستی اور خوشحالی نصیب  
فرمائے، تو بندہ اپنی حقیقت کو بھول کر غرور اور سرکشی میں مبتلا نہ ہو جائے۔ الغرض  
ان دونوں امتحانی حالتوں میں افراط و تفریط سے بچا جائے، اور اپنی روش دنیائی  
رکھی جائے، یہی وہ میاں روی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کو حکم فرمایا ہے۔ (اگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں) اور مجھے حکم فرمایا کہ

میں ان اہل قرابت کے ساتھ بھی رشتہ جوڑوں اور ان کے حقوق قرابت اچھی طرح ادا کروں جو مجھ سے رشتہ قرابت توڑیں اور میرے ساتھ بدسلوکی کریں، اور یہ کہ میں اُن لوگوں کو بھی دوں جنہوں نے مجھے محروم رکھا ہو، اور میرا حق مجھے نہ دیا ہو، اور یہ کہ میں ان لوگوں کو معاف کر دوں جنہوں نے مجھ پر ظلم کیا ہو اور مجھے ستایا ہو، اور مجھے حکم دیا ہے کہ میری خاموشی میں تفکر ہو (یعنی جس وقت میں خاموش ہوں تو اُس وقت سوچنے کی چیزیں سوچوں، اور جو چیزیں قابلِ تفکر ہیں اُن میں غور و تفکر کروں، مثلاً اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی آیات، اور مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ میرے ساتھ کیا ہے اور اس کا مجھے کیا حکم ہے، اور میرا معاملہ اللہ کے ساتھ اور اسکے احکام کے ساتھ کیا ہے اور کیا ہونا چاہئے، اور میرا انجام کیا ہے اور اللہ کے اور مثلاً یہ کہ اللہ کے خاغل بندوں کو کس طرح اللہ سے جوڑا جائے، الخرض خاموشی میں اس طرح کا تفکر ہو)۔ اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میری گفتگو ذکر ہو (یعنی میں جب بھی بولوں، اور جو بھی بولوں اُس کا اللہ سے تعلق ہو، خواہ اس طرح کہ وہ اللہ کی ثناء و صفت ہو، یا جس کے احکام کی تعلیم و تبلیغ ہو، یا اس طرح کہ اس میں اللہ کے احکام اور حدود کی رعایت اور نگہداشت ہو، ان سب صورتوں میں جو گفتگو ہوگی وہ ذکر کے قبیل سے ہوگی) اور مجھے حکم ہے کہ میری نظر عبرت والی نظر ہو، یعنی میں جس چیز کو دیکھوں اس سے سبق اور عبرت حاصل کروں، اور لوگوں کو حکم کر دوں اچھی باتوں کا۔

(نزہیں)

(تشریح) ضروری تشریح ترجمہ کے ضمن میں ہو چکی ہے۔ صرف ایک بات اور قابلِ ذکر ہے، کہ حدیث کا آخری جز (وَأَمَّا بِالْمَعْنَى) اُن نو باتوں کے علاوہ ہے، گویا حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کے وہ خاص قواعد حکم بیان فرمانے کے بعد جو آپ اس موقع پر بیان فرمانا چاہتے تھے، اللہ تعالیٰ کا ایک اہم حکم بھی بیان فرمادیا، جس کے لئے آپ نبی و رسول ہونے کی حیثیت سے خاص طور

ماہور ہیں، اور وہ آپ کا خاص انخاص فرض منصبی ہے، یعنی ”امر بالمعروف“ جس میں نبی عن المنکر بھی داخل ہے، کیونکہ وہ دراصل امر بالمعروف ہی کی منفی صورت ہے۔۔۔۔۔۔ یہ حدیث اور اس سے پہلی حدیث بھی بڑی اہم تعلیمات کی جامع ہیں، اور حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر عمل نصیب فرماویں، تو اصلاح و تزکیہ کے لئے یہی دو حدیثیں کافی ہیں۔

(۹۷) عَنْ مُعَاذٍ قَالَ أَوْصَانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَشْرٍ كَلِمَاتٍ، قَالَ لَا تَشْرِكْ بِاللَّهِ شَيْئًا فَإِنَّ قِتْلَتَ وَحَرِقَتَ، وَلَا تَعْصَنَّ وَالِدَيْكَ وَإِنْ أَمَرَكَ أَنْ تَخْرُجَ مِنْ أَهْلِكَ وَ مَالِكَ، وَلَا تَشْرُكَ صَلَوةً مَكْتُوبَةً مُتَعِدًّا فَإِنَّ مَنْ تَرَكَ صَلَوةً مَكْتُوبَةً مُتَعِدًّا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ ذِمَّةُ اللَّهِ، وَلَا تَشْرَبْ خَمْرًا فَإِنَّهُ دَامَسَ كُلَّ فَاحِشَةٍ، وَلَا تَأْكُلْ بِالْمَعْصِيَةِ فَإِنَّ بِالْمَعْصِيَةِ حَلَّ مَخْطِ اللَّهِ، وَلَا تَأْكُلْ وَالْفِرَارِ مِنَ الرَّحْفِ وَإِنْ هَلَكَ النَّاسُ، وَإِلَّا أَصَابَ النَّاسَ مَوْتُ فَأَنْتَ فِيهِمْ فَأَثِمْتُ، وَأَنْفَقَ عَلَى عِيَالِكَ مِنْ طَوْلِكَ وَلَا تَرْفَعُ عَنْهُمْ عَصَاكَ أَدَبًا، وَأَخَفُّهُمْ فِي اللَّهِ۔۔۔۔۔۔ رواہ احمد۔

(ترجمہ) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دفعہ) مجھے دس باتوں کی وصیت فرمائی، فرمایا:۔۔۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اگرچہ تم کو قتل کر دیا جائے اور جلاؤں والا جائے۔۔۔ اور اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کرو، اگرچہ وہ تم کو حکم دیں کہ اپنے اہل و عیال اور مال و مال بھوڑ کے نکل جاؤ۔۔۔ اور کسی ایک فرض نماز بھی قصداً نہ چھوڑو، کیونکہ جس نے ایک فرض نماز بھی قصداً چھوڑی، اس کے لئے اللہ کا عہد اور ذمہ نہیں رہا۔۔۔ اور ہرگز کبھی شراب نہ پیو، کیونکہ شراب نوشی سارے فواجہش کی جڑ بنیاد ہے،

اسی لئے اس کو ام ابھارث کہا گیا ہے۔ اور برگناہ سے بچو کیونکہ گناہ کی وجہ سے  
 اللہ تعالیٰ کا غصہ نازل ہوتا ہے۔ اور جہاد کے معرکہ سے پیٹھ پھیر کے نہ بھاگو، اگرچہ  
 کشتیوں کے پشتے لگ رہے ہوں۔ اور جب تم کسی جگہ پر لوگوں کے ساتھ رہتے ہو،  
 اور وہاں (کسی وبائی مرض کی وجہ سے) موت کا بازار گرم ہو جائے، تو تم وہیں  
 جھے رہو (جان بچانے کے خیال سے وہاں سے مت بھاگو)۔ اور اپنے اہل و عیال پر  
 اپنی استطاعت اور حیثیت کے مطابق خرچ کرو (نہ بخل سے کام لو کہ پیسہ پاس  
 ہوتے ہوئے اُن کو تکلیف ہو، اور نہ خرچ کرنے میں اپنی حیثیت سے آگے بڑھو)۔  
 اور ادب دینے کے لئے اُن پر (حسب ضرورت و موقع) سختی بھی کیا کرو۔ اور  
 اُن کو اللہ سے ڈرایا بھی کرو۔ (مسند احمد)

(تشریح صحیح) حدیث اپنے مطلب کے لحاظ سے بالکل واضح ہے۔ تاہم چند باتیں قابلِ فکر ہیں،  
 شریعت کا مشہور و معروف مسئلہ ہے، اور قرآن مجید میں بھی اس کو صراحت سے بیان کیا گیا ہے کہ  
 اگر کسی شخص کو شرک و کفر پر مجبور کیا جائے، اور اندازہ یہ ہو کہ اگر میں انکار پر ہی قائم رہوں گا تو  
 مار ڈالا جاؤں گا، تو ایسے موقع پر اس کی اجازت ہے کہ صرف زبان سے شرک و کفر کا اظہار کر کے  
 اُس وقت جان بچالی جائے۔ لیکن عزیمت اور فضل یہ ہے کہ زبان سے بھی شرک و کفر کا  
 اظہار نہ کرے، اگرچہ جان چلی جائے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ چونکہ خواص میں سے تھے، اس لئے  
 حضور نے اُن کو نصیحت فرمائی، کہ وہ ایسے موقع پر عزیمت ہی پر عمل کریں، اور جان کی قربانی نہ کریں۔  
 اسی طرح والدین کی اطاعت کے بارے میں جو آپ نے ارشاد فرمایا، کہ: اگر وہ اہل و  
 عیال اور اپنا کمایا ہوا سارا مال چھوڑ کے نکل جانے کو کہیں، تب بھی ان کی نافرمانی نہ کرو، یہ بھی دینی  
 اور فضل کا بیان ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اولاد کو چاہئے کہ اُن کے سخت سے سخت حکم اور ناگوار  
 سے ناگوار حکم کو بھی مانے۔ ورنہ مسئلہ یہ ہے کہ۔ ماں باپ کے ایسے سخت اور ناواقب  
 مطالبات کا پورا کرنا اولاد پر شرعاً واجب نہیں ہے، ہاں اگر رضا کا راز نہ طور پر اولاد دیا کرے،



(اُدھر کسی دوسرے کی اس میں حق تلفی نہ ہو) تو افضل ہے اور بڑی مندرجات ہے۔  
 نماز کے متعلق آپ نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے ایک فرض نماز قصداً ترک کی، اُس کیلئے  
 اللہ کا عہد و ذمہ نہیں رہا۔ — یہ اُن حدیثوں میں سے ایک ہے جن کی بنا پر حضرت امام شافعیؒ  
 اور بعض دوسرے ائمہ نے تارک مملوۃ کے قتل کا فتویٰ دیا ہے۔ حضرت امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ  
 رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ حاکم اسلام اس کو جو سزا دینا مناسب سمجھے دے اور قید کرے، اللہ  
 کے عہد و ذمہ کی برائت کی یہ بھی ایک صورت ہو سکتی ہے۔ بہر حال اس میں شبہ نہیں کہ عداً فرض نماز  
 چھوڑنے کی اسلام میں کوئی گناہ نہیں، اور یہ گناہ اگر عین کفر نہیں ہے تو قریب بہ کفر ضرور ہے۔  
 — حضورؐ کی اس جامع وصیتِ آخری حصہ کا تعلق اولاد کی خبر گیری اور ان کی تادیب تربیت ہے،  
 اور اس سلسلہ میں سب سے زیادہ اہم حضورؐ کی بالکل آخری وصیت یہ ہے **وَاِذَا خُفِرَ فَاللّٰهُ** یعنی تمہارے  
 ذمہ یہ ہے کہ اپنے اہل و عیال کے دلوں میں خدا کا خوف پیدا کرتے رہو، اس کے لئے جو تدبیریں بھی  
 کرنی پڑیں وہ گویا ہمارے فرائض میں سے ہیں، اور ہم اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دہ  
 ہوں گے۔

(۹۸) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّهُ خَرَجَ يَوْمًا إِلَى مَسْجِدِ رَسُولِ اللَّهِ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ قَاعِدًا عِنْدَ قَبْرِ النَّبِيِّ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَكَبَّرُ فَقَالَ مَا يَمْكِيكَ قَالَ يَمْكِيَنِي شَيْئٌ  
 مِمَّنَّةٍ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ هَذَا رِجَالُ  
 شُرْكَ وَمَنْ مَادَى لِلَّهِ وَلِيًّا فَقَدْ بَارَزَ اللَّهَ بِالْمُعَارَاةِ إِنَّ اللَّهَ  
 يُحِبُّ الْإِنْسَانَ إِذَا تَقَيَّأَ أَلَا تُخْفِيَاءَ الَّذِينَ إِذَا غَابُوا لَمْ يُعْقَدُوا  
 وَلَنْ خَصَرُوا لَمْ يُدْعَوْا لَمْ يُقَرَّبُوا لَمْ يَخْلَوْا بِهِمْ مَصَابِيهُمُ الْهَدْمُ  
 يَخْرُجُونَ مِنْ كُلِّ غَبْرَاءٍ مُّظْلَمَةٍ

(رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک دن مسجد نبوی میں آئے، وہاں انہوں نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں، حضرت عمرؓ نے اُن سے دریافت کیا: تمہارے اس رونے کا سبب کیا ہے؟ انہوں نے کہا: کہ مجھے ایک بات رُلا رہی ہے جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی میں نے آپؐ سے سنا تھا، آپؐ فرماتے تھے کہ: تھوڑا سا ریا بھی شرک ہے، اور جس شخص نے اللہ کے کسی دوست سے دشمنی کی، تو اُس نے خود اللہ کو جنگ کی دعوت دی، اور بیشک اللہ تعالیٰ مجتہد کرتا ہے اُن نیکو کار متقی بندوں سے جو ایسے پھپھے ہوئے اور نامعروف ہوں کہ جب غائب ہوں تو کوئی اُن کو تلاش نہ کرے، اور مہاجر ہوں تو کوئی اُن کو دعوت دے نہ اپنے پاس نہ بلائے، اُن کے دل ہدایت کے روشن چراغ، نکل جاتے ہیں کالی آمدیوں میں سے۔

(سنن ابن ماجہ و شعبہ الایمان للبیہقی)

(تشریح) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث جس کو یاد کر کے وہ رو رہے تھے، چند اجزاء پر مشتمل ہے۔

پہلی بات یہ تھی کہ حضورؐ نے فرمایا، کہ تھوڑا سا ریا بھی شرک ہے، و حقیقت تنہا یہی بات اُن بندوں کو رلانے کے لئے کافی ہے جن کے دلوں میں خدا کا خوف ہو، اور وہ شرک کی شناعیت و قباحیت کو بھی جانتے ہوں۔ کیونکہ خفی اور باریک قسم کے ریا سے بچنا اُن بندوں کیلئے بھی بہت مشکل ہے جو اُس سے بچنے کی فکر اور کوشش بھی کرتے ہیں، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کا بندہ اپنے عمل کو ریا وغیرہ سے پاک رکھنے کی پوری کوشش کرتا ہے، لیکن پھر اُس کو محسوس ہوتا ہے کہ ریا کی کچھ لگاؤٹ آہی گئی، عارفین کا یہ عام حال ہے کہ وہ عمل کرتے ہیں اور بعد میں یہ محسوس کر کے روتے ہیں کہ جس اخلاص کے ساتھ عمل ہونا چاہئے وہ نصیب نہیں ہوا۔

غالباً حضرت معاذ کے اس رونے میں بھی اس احساس کو دخل تھا۔ حضرت معاذ کا بیان ہے کہ ریا کے متعلق اس انتباہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری تنبیہ یہ فرمائی تھی، کہ جن بندوں کا اللہ سے خاص تعلق ہو ان کے بارے میں بہت محتاط رہنا چاہئے، جو کوئی ان خاصانِ خدا سے دشمنی کرتا ہے وہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کو جنگ کی دعوت دیتا ہے، اور اس کے غضب اور عذاب سے کھیلنا چاہتا ہے۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا، کہ یاد رکھو وہ بندے محبوبانِ بارگاہِ خداوندی ہیں جو نیکو کار اور تقویٰ شعار ہیں، لیکن اسبابِ شہرت سے بچنے کی وجہ سے کوئی ان کے اس اقبال کو جانتا بھی نہیں، وہ ایسے گناہ اور نامعروف ہیں کہ غائب ہوں تو کسی کو ان کی فکر اور تلاش نہ ہو، اور موجود ہوں تو کوئی ان کو مدعو نہ کرے، ان کے دل روشن بلکہ دوسروں کو روشنی دینے والے چراغ ہیں، اور وہ اپنے دل کی اس روشنی کی وجہ سے حقوں کی سخت سے سخت اندھیریوں میں سے اپنے دین و ایمان کو محفوظ رکھتے ہوئے نکل جاتے ہیں۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے رونے میں غالباً ان کے اس احساس کو بھی دخل ہو گا کہ افسوس ہم ایسے گناہ اور نامعروف نہیں ہے، اور ہماری زندگی ایسی غربت اور کس پیرسی کی نہیں رہی، اولاً ممکن ہے یہ بھی احساس ہو کہ اللہ کے کسی ایسے مستورا کمال بندے کی مجھ سے کوئی حق تلفی نہ ہو گئی ہو، اور اس کو میری ذات سے کوئی ایذا کبھی نہ پہنچ گئی ہو۔

(۹۹) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
فَدَعَا نَحْمِي نَيْتَ بِطَوْلِهِ إِلَى أَنْ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَذْصِيفُ !  
قَالَ أَذْصِيفُكَ بِتَقْوَى اللَّهِ فَإِنَّكَ أَذْصِيفُكَ بِمِرْكٍ خَلَّكَ قُلْتُ رِذْنِي !

لے اکثر شارحین مشکوٰۃ نے حدیث کے آخری فقرے ”يَخْرُجُونَ مِنْ حَتَّىٰ خَبَرَاءَ مُظْلَمَةٍ“ کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ ”اللہ کے بندے تاریک اور گمراہ لوگوں میں سے برآمد ہوتے ہیں، یعنی ان کے رہنے کے مکانات اندھیر اور گمراہی میں ہوتے ہیں۔“ اس عاجز کے نزدیک راجح یہ ہے کہ ”غیر مظلومہ سے مراد حقوں کی کالی آنندھیاں ہیں، اسلئے اس فقرے نے تمہارا دل شراب میں مہی کو اختیار کیا ہے۔“ واللہ اعلم۔

قَالَ عَلَيْكَ بِرَّكَ وَالْقُرْآنِ وَذِكْرُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فَإِنَّهُ ذَكَرْتُ لَكَ  
 فِي السَّمَاءِ وَتَوَدَّ لَكَ فِي الْأَرْضِ قُلْتُ زِدْنِي قَالَ عَلَيْكَ بِطَوْلِ  
 الصَّمْتِ فَإِنَّهُ مَطْرَدٌ لِلشَّيْطَانِ وَعَوْنُكَ لَكَ عَلَى أَمْرِ دِينِكَ،  
 قُلْتُ زِدْنِي قَالَ إِيَّاكَ وَكَثْرَةَ الصَّغَائِرِ فَإِنَّهُ يُمَيِّتُ الْقَلْبَ وَ  
 يَذْهَبُ بِشَوْرِ الْوَجْهِ، قُلْتُ زِدْنِي قَالَ قُلِ الْحَقَّ وَلَنْ كَانَ مُثْلًا،  
 قُلْتُ زِدْنِي قَالَ لَا تَخَفَنَّ فِي اللَّهِ كَوْمَةً لَا تَمُوتُ قُلْتُ زِدْنِي قَالَ  
 لِيُحْجِزَنَّ عَنِ النَّاسِ مَا تَعَلَّمُ مِنْ نَفْسِكَ

(رواه البيهقي في شعب الايمان)

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں :-  
 میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اسکے بعد  
 (یا تو خود حضرت ابوذر نے یا ان سے روایت کرنے والے نیچے کے راوی نے) ایک  
 طویل حدیث بیان کی (جس کو یہاں بیان نہیں کیا گیا ہے) اسی سلسلہ کلام میں  
 حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا، کہ میں نے عرض کیا :- یا رسول اللہ!  
 مجھے وصیت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا :- میں تم کو وصیت کرتا ہوں، اللہ کے  
 تقویٰ کی، کیونکہ یہ تقویٰ بہت زیادہ آراستہ کر دینے والا اور سنوار دینے والا ہے  
 تمھارے سارے کاموں کو۔ ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، کہ :- حضرت! اور  
 وصیت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا :- تم قرآن مجید کی تلاوت اور اللہ کے ذکر کو  
 لازم پکڑ لو، کیونکہ یہ تلاوت اور ذکر ذریعہ ہوگا آسمان میں تمھارے ذکر کا، اور انس میں  
 میں نور ہوگا تمھارے لئے۔ ابوذر کہتے ہیں میں نے پھر عرض کیا، حضرت مجھے کچھ اور  
 نصیحت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا :- زیادہ خاموش رہنے اور کم بولنے کی عادت  
 اختیار کرو، کیونکہ یہ عادت شیطان کو دفع کرنے والی اور دین کے معاملے میں تم کو مدد

دینے والی ہے۔ ابوذر کہتے ہیں میں نے عرض کیا:۔ مجھے اور نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا:۔ زیادہ ہنسنا چھوڑ دو، کیونکہ یہ عادت دل کو مردہ کر دیتی ہے، اور آدمی کے چہرے کا نور اس کی وجہ سے جاتا رہتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ:۔ حضرت! مجھے اُذ نصیحت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ ہمیشہ حق اور سچی بات کہو اگرچہ (لوگوں کے لئے) ناخوشگوار اور کڑوی ہو میں نے عرض کیا:۔ مجھے اور نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا:۔ اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کرو۔ میں نے عرض کیا کہ:۔ حضرت! مجھے اور نصیحت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ تم جو کچھ اپنے نفس اور اپنی ذات کے بارے میں جانتے ہو، چاہئے کہ وہ تم کو باذنہ کے دوسروں کے پیوں کے پیچھے پڑنے سے۔

(شعب الایمان البیہقی)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اکثری عادت مبارکہ کے مطابق سب سے پہلی وصیت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو تقویٰ کی فرمائی، اور ارشاد فرمایا کہ تقویٰ تمہارے سارے کاموں کو بہت مزین اور آراستہ کر دینے والا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر آدمی تقویٰ کو اپنا شعار بنالے، تو اس کی ساری زندگی اطاعت اور بندگی والی زندگی ہو جائے گی، اور اس کا ظاہر و باطن سب ہی آراستہ ہو جائے گا۔ پھر آپ نے تلاوت قرآن اور ذکر اللہ کی کثرت کی وصیت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا، کہ یہ اس کے نتیجہ میں آسمانوں میں عیسیٰ علیہ السلام میں تمہارا ذکر ہوگا۔ چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہو رہا ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کو پس دنیا میں یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کی مجلس میں اس کا ذکر فرماتے ہیں۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے ”قَدْ كُنْزُ فِیْ اَذْكُرْ كُتْرَ“ (تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا) تلاوت ذکر کی دوسری برکت آپ نے یہ بیان فرمائی کہ اس سے اسی دنیا اور اسی زمین میں ایک نئے رقم کو حاصل ہوگا، ذکر و تلاوت سے پیدا ہونے والا نور و رطل تو بندہ کے باطن میں پیدا ہوتا ہے لیکن اسکے آثار ظاہر میں بھی محسوس ہوتے ہیں۔

اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ خاموش رہنے کی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔ یہ وہ ہتھیار ہے جس سے شیطان دفع ہو سکتا ہے اور دین کے بارے میں اس سے بڑی مدد مل سکتی ہے۔ یہ واقعہ ہے جس کو ہر شخص محسوس کر سکتا ہے کہ شیطان آدمی کے دین کو سب سے زیادہ نقصان زبان ہی کے راستے سے پہنچا سکتا ہے، جھوٹ، غیبت، بہتان، گالی گلوچ، چنل خوری وغیرہ ہی وہ گناہ ہیں جن میں آدمی سب سے زیادہ مبتلا ہوتے ہیں۔ اسی لئے ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ:۔ آدمیوں کو جہنم میں منہ کے بل اُن کی زبانوں کی بیابکیاں ہی ڈلوائیں گی۔ پس ظاہر ہے کہ جو شخص زیادہ خاموش رہنے اور کم بولنے کی عادت ڈال لے وہ اپنے کو اور اپنے دین کو شیطان کے حملوں سے زیادہ محفوظ رکھ سکے گا، واضح ہے کہ زیادہ خاموش رہنے کا مطلب یہ ہے کہ جس بات کے کرنے کی ضرورت نہ ہو اور جس پر آخرت میں ثواب ملنے کی امید نہ ہو، اس سے زبان کو روکا جائے، یہ مطلب نہیں ہے کہ اچھی باتیں بھی نہ کی جائیں۔ کتابا لایمان میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ:۔ جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہئے کہ یا تو اچھی بات کرے یا خاموش رہے۔

اسکے بعد آپ نے زیادہ نہ منہنے کی نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:۔ اس سے دل مردہ ہو جاتا ہے اور چہرہ بے نور ہو جاتا ہے۔ دل کے مرجانے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں غفلت اور بے حس اور ایک طرح کی ظلمت آجاتی ہے اور اس کا اثر ظاہر پر یہ پڑتا ہے کہ چہرہ پر وہ نور باقی نہیں رہتا جو زندہ اور بیدار دل رکھنے والے اہل ایمان کے چہروں پر ہوتا ہے۔

اس سلسلہ کلام میں آپ نے سب سے آخری نصیحت حضرت ابو ذر کو یہ فرمائی، کہ:۔ اپنے عیبوں اور گناہوں کے بارے میں جو کچھ تم جانتے ہو، اس کی فکر تم کو اتنی ہونی چاہئے کہ دوسرے بندوں کے عیوب و ذنوب کو دیکھنے اور ان کی باتیں کرنے کی تم کو فرصت ہی نہ ہو، بلاشبہ جو بندہ بھی اپنے عیوب اور اپنے گناہوں پر نظر رکھے گا، اور اپنے نفس کا ایک سچے مومن کی طرح احتساب کرتا رہے گا، اُسے دوسروں کے معائب اور معاصی نظر ہی نہ آئیں گے، اور وہ اپنے ہی کو

سب سے زیادہ قصور وار اور گناہگار سمجھے گا، دوسروں کے عیوب ان ہی کو زیادہ نظر آتے ہیں جو اپنی فکر سے خالی ہوتے ہیں۔

غافل اندایں خلق از خود بے خبر  
لا جرم گویند عیبے یکدگر

(۱۰۰) عَنْ مُعَاوِيَةَ أَنَّهُ كَتَبَ إِلَى عَائِشَةَ أَنَّ الْكُتُبِيَّ إِلَيَّ كِتَابًا  
فَوَصَّيْتُ فِيهِ وَلَا تَكْثُرِي فَكَتَبْتُ سَلَامًا عَلَيْكَ، أَمَّا بَعْدُ فَايَا  
سَمِيعَتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنِ الْمَسْ  
رُومِيُّ الَّذِي يَسْخَطُ النَّاسَ كَغَاةِ اللَّهِ مَمْنُونَةَ النَّاسِ مِنَ الْمَسْ  
رُومِيِّ النَّاسِ يَسْخَطُ اللَّهُ وَخَلَقَهُ اللَّهُ إِلَى النَّاسِ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ۔

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے ام المومنین  
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو خط لکھا، اور اس میں درخواست کی کہ آپ  
مجھے کچھ نصیحت اور وصیت فرمائیں، لیکن بات مختصر اور جامع ہو، بہت زیادہ  
نہیں۔ تو حضرت ام المومنین نے ان کو یہ مختصر خط لکھا:-

سلام ہو تم پر — اما بعد — میں نے رسول اللہ ﷺ  
علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے جو کوئی اللہ کو راضی  
کرنا چاہے، لوگوں کو اپنے سے خفا کرے، تو اللہ مستغنی کرے گا اسکو  
لوگوں کی فکر اور بار برداری سے، اور خود اس کیلئے کافی ہو جائیگا  
اور جو کوئی بندوں کو راضی کرنا چاہے گا اللہ کو ناراض کرے،  
تو اللہ اس کو سب پر دکرے گا لوگوں کے۔ والسلام

(جامع ترمذی)

(تشریح) اس دنیا میں رہنے والے انسانوں اور خاص کر وسیع تعلقات اور وسیع ذمہ داریاں رکھنے والے لوگوں کو بکثرت ایسے حالات پیش آتے ہیں کہ اگر وہ ایسا رویہ اختیار کریں جس سے اللہ کی رضا کی امید ہو تو بہت سے وہ لوگ خفا ہوتے ہیں جن سے تعلقات ہیں اور منفعت کی امیدیں ہیں، اور جن سے برابر کام نکلتے رہتے ہیں، اور اگر وہ ان لوگوں کی منشا کے مطابق چلتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔ ایسے وقت کے لئے اس حدیث میں یہ رہنمائی کی گئی ہے کہ بندہ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا والا رویہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات و حاجات کا خود کفیل ہو جائے گا، اور بندوں سے جن منافع کی وہ امید رکھتا ہے وہ سب اس کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہوتے رہیں گے۔ لیکن اگر اُس نے رضا، اُپنی کی فکر و تلاش کو چھوڑ کر بندوں کو راضی رکھنا چاہا، اور اُن کی منشا کے مطابق چلا، تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی عنایت و نصرت سے محروم کر دیں گے اور ان بندوں ہی کے حوالہ کر دیں گے جو اپنی ذات سے خود بھی اسی بند کی طرح محتاج اور بے بس ہیں۔

حاصل یہ کہ اگر بندہ یہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ براہ راست اس کی حاجات و ضروریات کے کفیل ہو جائیں، تو اسے چاہئے کہ وہ ہر معاملہ میں اللہ کی اور صرف اللہ کی رضا جوئی کو اپنا نصب العین اور اصولِ حیات بنائے، اور اس کے قلبِ مومن کی صدا یہ ہو۔

باجہادِ ایم کار و باخلائی کا نیست

یہ نصیحت اگرچہ لفظوں میں مختصر ہے، لیکن غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ معنی و مفہم کے لحاظ سے ایک پورا دفتر ہے۔





## کتاب الاخلاق

### دین میں اخلاق کا درجہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم میں ایمان کے بعد جن چیزوں پر بہت زیادہ زور دیا ہے، اور انسان کی سعادت کو ان پر موقوف بتلایا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی اخلاق حسنہ اختیار کرے، اور بُرے اخلاق سے اپنی حفاظت کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کے جن مقاصد کا قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے، ان میں ایک یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آپ کے انساؤں کا تذکرہ کرنا ہے (وَمِنْ كِتَابِيهِ) اور اس ترکیب میں اخلاق کی اصلاح اور درستی کی خاص اہمیت ہے۔ حدیث کی مختلف کتابوں میں خود آپ سے یہ معنوں روایت کیا گیا ہے کہ میں اخلاق کی اصلاح کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔ یعنی اصلاح اخلاق کا کام میری بیعت کے اہم مقاصد اور میرے روگرام کے خاص اجزاء میں سے ہے۔ اور ہذا بھی ہی چاہئے تھا کیونکہ انسان کی زندگی اور اس کے نتائج میں اخلاق کی بڑی اہمیت ہے، اگر انسان کے اخلاق اچھے ہوں تو اس کی اپنی زندگی بھی قلبی سکون اور خوشگواہی کے ساتھ گزریگی، اور دوسروں کے لئے بھی اس کا وجود رحمت اور چین کا سامان ہوگا، اور اس کے برعکس اگر آدمی کے اخلاق بُرے ہوں تو خود بھی وہ زندگی کے لطف و مسرت سے محروم رہے گا اور جن سے اس کا واسطہ تعلق ہوگا، ان کی زندگیاں بھی بے مزہ اور تلخ ہوں گی۔ یہ تو خوش اخلاقی اور بد اخلاقی کے وہ فکروں ہی نتیجے ہیں جن کا ہم آپ روزمرہ مشاہدہ اور تجربہ کرتے رہتے ہیں، لیکن مرنے کے بعد

والی ابدی زندگی میں ان دونوں کے نتیجے ان سے بددھما زیادہ اہم سمجھنے والے ہیں، آخرت میں خوش اخلاقی کا نتیجہ جہنم والوں کی وصال اور جنت ہے اور بد اخلاقی کا انجام عذاب و قہار کا غضب اور دوزخ کی آگ ہے۔ **اللَّهُمَّ احْفَظْنَا۔**

اخلاق کی اصلاح کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار شادات حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہیں، وہ دو طرح کے ہیں، ایک وہ جن میں آپ نے اصولی طور پر حسن اخلاق پر زور دیا ہے اور اس کی اہمیت و فضیلت اور اس کا غیر معمولی اخروی ثواب بیان فرمایا ہے، اور دوسرے وہ جن میں آپ نے بعض خاص خاص اخلاقی حسن اختیار کرنے کی یا اسی طرح بعض خاص بد اخلاقیوں سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ پہلے ہم قسم اول کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات یہاں درج کریں گے۔

### خوش اخلاقی کی فضیلت و اہمیت :-

(۱۰۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَعْرُوفٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

إِنَّ مِنْ خَيْرِكُمْ أَحْسَنَكُمْ اخْلَاقًا (رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا: تم میں سے اچھے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔

(بخاری و مسلم)

(۱۰۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا (رواہ ابوداؤد و ترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: ایمان والوں میں زیادہ کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں جو اخلاق

میں زیادہ اچھے ہیں۔ (ابوداؤد و ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ایمان اور اخلاق میں ایسی نسبت ہے کہ جس کا ایمان کامل ہوگا اس کے اخلاق لازماً بہت اچھے ہوں گے اور علیٰ ہذا جس کے اخلاق بہت اچھے ہوں گے، اس کا ایمان بھی بہت کامل ہوگا۔ واضح رہے کہ ایمان کے بغیر اخلاق بلکہ کسی عمل کا حتیٰ کہ عبادات کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے۔ ہر عمل اور ہر نیکی کے لئے ایمان بمنزلہ روح اور جان کے ہے اس لئے اگر کسی شخصیت میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کے بغیر اخلاق نظر آئے، تو وہ حقیقی اخلاقی نہیں ہے، بلکہ اخلاق کی صورت ہے، اس لئے اللہ کے یہاں اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

(۱۰۳) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ  
إِنِّي أَتَقَلَّ شَيْئًا يُوضَعُ فِي مِيزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ خَلْقٌ  
حَسَنٌ \_\_\_\_\_ رواه ابو داؤد والترمذی

(ترجمہ) حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن مومن کی میزانِ عمل میں سب سے زیادہ وزنی اور بھاری چیز جو رکھی جائے گی وہ اس کے اچھے اخلاق ہوں گے۔  
(ابو داؤد، ترمذی)

(۱۰۴) عَنْ رَجُلٍ مِنْ مَدِينَةِ قَالَ قَالَ أَيْدَسُ بْنُ سُوَلٍ اللَّهُ مَا خَيْرُ مَا  
أُعْطِيَ الْإِنْسَانُ؟ قَالَ الْخَلْقُ الْحَسَنُ \_\_\_\_\_

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان البغوی فی شرح السنۃ عن اسامۃ بن شریک)  
(ترجمہ) قدید مزینہ کے ایک شخص سے روایت ہے کہ بعض صحابہ نے عرض کیا، کہ یا رسول اللہ انسان کو جو کچھ عطا ہوا ہے اس میں سب سے بہتر کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ”اچھے اخلاق“۔ (اس کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے اور امام بیہقی نے شرح السنۃ میں اس حدیث کو اسامہ بن شریک صحابی سے روایت کیا ہے۔)

(تشریح) ان حدیثوں سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہ ہوگا کہ اخلاق حسہ کا درجہ ایمان یا ارکان سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ صحابہ کرام جو ان ارشادات کے مخاطب تھے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت سے یہ تو معلوم ہی ہو چکا تھا کہ دین کے شعبوں میں سب سے بڑا درجہ ایمان اور توحید کا ہے اور اس کے بعد ارکان کا مقام ہے۔ پھر ان کے بعد دینی زندگی کے جو مختلف اجزاء ہیں ان میں مختلف جہات سے بعض کو بعض پر فوقیت اور امتیاز حاصل ہے اور بلاشبہ اخلاق کا مقام بہت بلند ہے، اور انسانوں کی سعادت اور فلاح میں اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کی مقبولیت و محبوبیت میں اخلاق کو یقیناً خاص الخاص دخل ہے۔

(۱۰۵) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيَذُرُّكَ مِجْسُ خَلْقِهِ دَرَجَةً قَائِمًا اللَّيْلِ وَصَائِرَ النَّهَارِ

رواہ ابو داؤد

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ ارشاد فرماتے تھے کہ صاحب ایمان بندہ اپنے اچھے اخلاق سے ان لوگوں کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جو رات بھر نفل نمازیں پڑھتے ہوں اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہوں۔ (ابوداؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اللہ کے جس بندہ کا حال یہ ہو کہ وہ عقیدہ اور عمل کے لحاظ سے سچا مومن ہو، اور ساتھ ہی اس کو حسن اخلاق کی دولت بھی نصیب ہو، تو اگرچہ وہ رات کو زیادہ نفلیں نہ پڑھتا ہو، اور کثرت سے نفل روزے نہ رکھتا ہو، لیکن پھر بھی وہ اپنے حسن اخلاق کی وجہ سے ان شب بیداروں عبادت گزاروں کا درجہ پالے گا جو قائم لیل اور صائم النہار ہوں جنی جو راتیں نفلوں میں کاٹتے ہوں اور دن کو عموماً روزہ رکھتے ہوں۔

(۱۰۶) عَنْ مُعَاذٍ قَالَ كَانَ الْخِرْمَا وَصَائِرُ يَوْمِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ وَضَعْتُ رِجْلِي فِي الْغُرْبَانِ قَالَ يَا مُعَاذُ أَحْسِنُ

خُلِقَ لِلنَّاسِ ————— دوا مالک

(ترجمہ) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری وصیت مجھے کی تھی جبکہ میں نے اپنا پاؤں اپنی سواری کی رکاب میں رکھ لیا تھا، وہ یہ تھی کہ آپ نے فرمایا: لوگوں کے لئے اپنے اخلاق کو بہتر بناؤ یعنی بندگانِ خدا کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔ (موطا امام مالک)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری دور میں حضرت معاذ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تھا، مدینہ طیبہ سے اُن کو رخصت کرتے وقت آپ نے خاص اہتمام سے بہت سی نصیحتیں کی تھیں جو حضرت معاذ سے مختلف ابواب میں مروی ہیں۔ حضرت معاذ کا اشارہ اس حدیث میں اسی موقع کی طرف ہے، اور ان کا مطلب یہ ہے کہ جب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اپنی سواری پر سوار ہونے لگا، اور اس کی رکاب میں میں نے پاؤں رکھا تو اس وقت آخری نصیحت حضورؐ نے مجھ سے یہ فرمائی تھی کہ: اللہ کے بندوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا۔ واضح رہے کہ خوش اخلاقی کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ جو عادی مجرم اور ظلم پیشہ بد معاش سختی کے مستحق ہوں اور سختی کے لیجان کا علاج نہ ہو سکتا ہو ان کے ساتھ بھی نرمی کی جائے، یہ تو اپنے ذرائع کی ادائیگی میں کوتاہی اور مددِ مہنت ہوگی۔ بہر حال عدل و انصاف اور اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کی پابندی کے ساتھ مجرموں کی تادیب اور تعزیر کے سلسلہ میں اُن پر سختی کرنا کسی اخلاقی قانون میں بھی حسنِ اخلاق کے خلاف نہیں ہے۔

(ف) یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت معاذ کو یمن رخصت کرتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ بھی فرمایا تھا، کہ: شاید اسکے بعد مجھ سے تمھاری ملاقات نہ ہو، اور سبائے میرے میری مسجدِ مدینہ کی قبر پر تمھارا گندہ ہو۔ اور جو ملک آپ کی عام عادت ایسی بات کرنے کی نہ تھی، اسکے حضرت معاذ نے اس سے بھی سمجھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں، اور شاید اب مجھے اس دنیا میں حضورؐ کی زیارت نصیب نہ ہوگی۔ چنانچہ آپ کا

یہ ارشاد سن کر وہ رو پڑے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر من کو تسلی دی کہ: "رَأَيْتَ أَذَى النَّكَاسِ بِنِ الْمَشْكُونِ مَنْ كَانُوا وَحَيْثُ كَانُوا" (اللہ کے ستمی بندے جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں وہ مجھ سے قریب رہیں گے) اور یہی ہوا کہ میں سے حضرت معاذ کی واپسی حضور کی جانتا تھا کہ میں نہیں ہوئی، اور جب آئے تو آپ کی قبر مبارک ہی کو پایا۔

(۱۰۷) عَنْ مَا لَيْقَ بَلْعَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

يُعَذِّبُ كَمَا حَقَّقَهُ حَسَنُ الْأَخْلَاقِ — رواه في الموطأ ورواه أحمد عن أبي هريرة -

(ترجمہ) حضرت امام مالک سے روایت ہے کہ مجھے حضور کی یہ حدیث پہونچی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ میں اس واسطے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاقی غویوں کو کمال تک پہونچا دوں۔ (امام مالک نے اس کو اپنی موطا میں اسی طرح بغیر کسی صحابی کے حوالے کے روایت کیا ہے، اور امام احمد نے اپنی سند میں اس کو حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے)۔

(تشریح) اس روایت سے معلوم ہوا کہ اخلاق کی اصلاح اور کمارم اخلاق کی تکمیل آپ کے خاص مقاصد بعثت میں سے ہے اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا قرآن مجید میں جس تزکیہ کو آپ کا خاص کام بتلا گیا ہے اخلاق کی اصلاح اس کا اہم جز ہے۔

(۱۰۸) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَحْسَنِكُمْ إِلَيَّ أَحْسَنُكُمْ أَخْلَاقًا — رواه البخاری -

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دوستوں میں مجھے زیادہ محبوب وہ ہیں جن کے

(صحیح بخاری)

اخلاق زیادہ اچھے ہیں۔

(تشریح) حضرت جامعہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں جس کو امام ترمذی نے روایت

کیا جو اس طرح ہے کہ "إِنَّ مِنْ أَحْسَنِكُمْ إِلَيَّ وَأَفْضَلِكُمْ مَعِيَ جَلِيسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَحْسَنُكُمْ

اَشْكُوْكَ اَمَّا" (تم دوستوں میں مجھے زیادہ محبوب وہ ہیں اور قیامت کے دن اُن ہی کی نشست بھی  
میں سے زیادہ قریب ہوگی جن کے اخلاق تم میں زیادہ بہتر ہیں) گو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کی محبوبیت اور قیامت کے دن آپ کا قرب نصیب ہونے میں حسن اخلاق کی دولت کو عام من مغل ہے  
حسن اخلاق کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا بھی پڑھ لیجیے، اور  
اپنے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کیا کیجیے۔

(۱۰۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يَقُولُ اللَّهُمَّ أَحْسَنْتَ خَلْقِي فَأَحْسِنْ خَلْقِي ————— رواه احمد۔

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم اپنی دعا میں اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کرتے تھے "اے میرے اللہ! تجھ نے اپنے

کرم سے میرے جسم کی ظاہری بناوٹ ابھی بنائی ہے اسی طرح میرے اخلاق

بھی اچھے کر دے"

(ف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حسن اخلاق کی دعا بہت سے موقعوں پر مختلف الفاظ

میں روایت کی گئی ہے، انشاء اللہ کتاب الدعوات میں آپ کی وہ دعائیں نقل کی جائیں گی۔

یہاں ان میں سے صرف ایک دعا اور بھی پڑھ لیجیے۔

صحیح مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد کی کچھ

تفصیل روایت کی گئی ہے، اسی میں ہے کہ آپ نے دوران نماز میں جو دعائیں اللہ تعالیٰ سے اپنے

لئے مانگیں اُن میں سے ایک دعا یہ بھی تھی۔

اے میرے اللہ! تو مجھ کو بہتر سے بہتر

اخلاق کی رہنمائی کر، تیرے سوا کوئی

بہتر اخلاق کی رہنمائی نہیں کر سکتا،

اور تیرے اخلاق کو میری طرف سے

وَاَهْدِنِي لِحَسَنِ الْخُلُقِ

لَا يَهْدِي لِحَسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ

اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّي سَيِّئَهَا

لَا يَصْرِفُ عَنِّي سَيِّئَهَا

**ایمانت**۔ ہمارے ان کو تیرے سوا کوئی شہابھی نہیں تھا۔

یہ حدیثیں حسن اخلاق کی فضیلت و اہمیت سے متعلق تھیں، اب آگے مختلف عنوانات کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات درج ہوں گے جن میں آپ نے خاص خاص اخلاقِ حسنہ کی ترغیب دی ہے، یا بُرے اخلاق سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔



## اچھے اخلاق اور بُرے اخلاق

رحمد لی اور بے رحمی :-

رحمت \_\_\_\_\_ در اصل اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے، اور رحمن اور رحیم اس کے خاص نام ہیں۔ اور جن بندوں میں اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا جتنا عکس ہے وہ اتنے ہی مبارک اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اتنے ہی مستحق ہیں، اور جو جس قدر بے رحم ہیں وہ اللہ کی رحمت سے اُسی قدر محروم نہ ہنے والے ہیں۔

دوسروں پر رحم کھانیو! ہی اللہ کی رحمت کے مستحق ہیں :-

(۱۱۰) عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَسَلَّمَ لَا يَرْحَمُ اللَّهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ \_\_\_\_\_ رواه البخاري ومسلم

(ترجمہ) حضرت جریر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت سے محروم رہیں گے جن کے دلوں میں دوسرے آدمیوں کے لئے رحم نہیں اور جو دوسروں پر رحم نہیں کھاتے۔

(بخاری ومسلم)

(تشریح) اس حدیث میں "الناس" کا لفظ عام ہے، جو مومن و کافر اور متقی و فاجر سب کو شامل ہے، اور بلاشبہ رحم سب کا حق ہے، البتہ کافر اور فاجر کے ساتھ سچی رحمد لی کا سب سے

بڑا تقاضا یہ ہونا چاہئے کہ اس کے کفر اور فجور کے انجام کا ہمارے دل میں درد ہو، اور ہم اس سے اس کو بچانے کی کوشش کریں، اس کے علاوہ اگر وہ کسی ذمیوی اور جسمانی تکلیف میں ہو، تو اس سے اس کو بچانے کی فکر کرنا بھی رحمدلی کا یقیناً تقاضا ہے، اور ہم کو اس کا بھی حکم ہے۔

(۱۱۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
الْقَاحِشُونَ يَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّهُمْ إِذَا رَحِمُوا أَمِنُوا فِي الْأَرْضِ يَرْحَمُكُمْ  
مَنْ فِي السَّمَاءِ \_\_\_\_\_ رواه ابوداؤد والترمذی۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ:۔۔۔ رحم کرنے والوں اور ترس کھانے والوں پر بڑی رحمت والا خدا رحم کرے گا، زمین پر رہنے بسنے والی اللہ کی مخلوق پر تم رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحمت کرے گا (سنن ابی داؤد و جامع ترمذی)  
(تشریح) مطلب یہ ہے کہ خدا کی خاص رحمت کے مستحق بس وہی نہ کہ دل بندے ہیں جن کے دلوں میں اللہ کی دوسری مخلوق کے لئے رحم ہے۔

اس حدیث میں زمین میں رہنے بسنے والی اللہ کی ساری مخلوق پر رحم کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے جس میں انسانوں کے تمام طبقوں کے علاوہ جانور بھی شامل ہیں، آگے آنے والی حدیثوں میں اس عموم کی صراحت بھی کی گئی ہے۔

ایک شخص پیاسے گتے کو پانی پلانے پر بخش دیا گیا:۔

(۱۱۲) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيقٍ إِشْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطَشُ فَوَجَدَ بِشْرًا  
مَقُولٍ فِيهَا فَشَرِبَ ثُمَّ خَرَجَ فَإِذَا كَلْبٌ يَلْعَثُ يَأْكُلُ التُّرَابَ  
مِنَ الْعُطْشِ فَقَالَ الرَّجُلُ لَقَدْ بَلَغَ هَذَا الْكَلْبُ مِنَ الْعُطْشِ



نظر لگایا، لیکن پانی نکالنے کا کوئی سامان رتی ڈول وغیرہ وہاں نہیں ہے اسلئے مجبوراً یہ شخص پانی پینے کے لئے خود ہی کنوئیں میں اتر گیا، وہیں پانی پیا اور نکل آیا، اب اس کی نظر ایک کتے پر پڑی جو پیاس کی شدت سے کچھڑ چاٹ رہا تھا، اس کو اس کی حالت پر ترس آیا، اور دل میں غم پیدا ہوا کہ اس کو بھی پانی پلاؤں، اس وقت ایک طرف اس کی اپنی حالت کا تقاضا یہ ہو گا کہ اپنا رشتہ لوں، اور منزل پر جلدی پہنچ کے آرام کروں، اور دوسری طرف اس کے جذبہ رحم کا داعیہ یہ ہو گا کہ خواہ میرا رشتہ کھوٹا ہو، اور خواہ کنوئیں سے پانی نکالنے میں مجھے کیسی ہی محنت و مشقت کرنی پڑے لیکن میں اللہ کی اس مخلوق کو پیاس کی تکلیف سے نجات دوں، اس کشمکش کے بعد جب اس نے اپنی طبیعت کے آرام کے تقاضے کے خلاف جذبہ رحم کے تقاضے کے مطابق فیصلہ کیا اور کنوئیں میں اتر کر موزے میں پانی بھر کر اوڑھن میں موزا تمام کر محنت و مشقت سے پانی نکال کے لایا، اور اس پیاسے کتے کو پلایا، تو اس بندہ کی اس خاص حالت اور ادا پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آگیا، اور اسی پیاس کی مغفرت کا فیصلہ فرما دیا گیا۔

الغرض مغفرت و بخشش کے اس فیصلہ کا تعلق صرف کتے کو پانی پلانے کے عمل ہی سے نہ سمجھنا چاہئے، بلکہ جس خاص حالت میں او جس جذبہ کے ساتھ اس نے یہ عمل کیا تھا، وہ اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند آیا، اور اسی پر اس بندہ کی مغفرت اور بخشش کا فیصلہ کر دیا گیا۔

(۱۱۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَلَاطًا لِلرَّجُلِ مِنْ أَهْلِ نَهَارٍ فَإِذَا فِيهِ رَجُلٌ قُلُوبًا مَلَأَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقٌّ وَدَرَسَتْ عَيْنَاهُ فَأَتَاهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمِعَ دُرُوكًا فَسَكَتَ فَقَالَ مَنْ رَبُّ هَذَا الْجَمَلِ؟ لَيْسَ هَذَا الْجَمَلُ؟ فَبَاءَ فَنَبِيٍّ مِنْ أَهْلِ نَهَارٍ فَقَالَ لِي يَا رَسُولَ اللَّهِ! فَقَالَ لَهُ أَفَلَا تَتَّبِعِي اللَّهَ فِي هَذَا الْبَيْتِ؟ أَلَيْسَ مَكْحَلٌ رَأَيْتَ؟ فَإِنَّهُ سَلَّمَ إِلَيْهَا أَمَّاكَ تَجِيعُهُ وَتَذَنُّبُهُ

رواہ ابو داؤد۔

(ترمذی) عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری صحابی کے باغ میں تشریف لے گئے، وہاں ایک اونٹ تھا، جب اُس اونٹ نے آپ کو دیکھا، تو ایسا ڈکرایا اور ایسی درد بھری آواز اُسے نکالی، جیسی بچے کے جدا ہو جانے پر اونٹنی کی آواز نکلتی ہے اور اُس کی آنکھوں سے آنسو بھی جاری ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے قریب تشریف لیگے، اور آپ نے اس کی کونتوں پر اپنا دست شفقت پھیرا (جیسے کہ گھوڑے یا اونٹ پر پیار کرتے وقت ہاتھ پھیرا جاتا ہے) وہ اونٹ خاموش ہو گیا۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا کہ :- یہ اونٹ کس کا ہے؟ اس کا مالک کون ہے؟ ایک انصاری نوجوان کے پاس اور انھوں نے عرض کیا، حضرت! یہ اونٹ میرا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس بیچارے بے زبان جانور کے بارے میں تم اس اللہ سے ڈرتے نہیں جس نے تم کو اس کا مالک بنایا ہے اس نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اس کو بھوکا رکھتے ہو، اور زیادہ کام لے کر تم کو بہت دکھ پہنچاتے ہو۔ (سنن ابی داؤد)

(تفسیر صحیح) جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے مہرمانہ طور پر پرندوں کی بولی سمجھ لیتے تھے، جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے (وَعَلَّمَكَ مَنْ خَلَقَ الْفُكَّيْرَ) اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جانوروں کی بات چیت مہرمانہ طور پر سمجھ لیتے تھے۔ اس حدیث میں اونٹ کی شکایت کو سمجھنے کا، اور اس سے بعد والی حدیث میں ایک چڑیا کی شکایت کو سمجھنے کا جو ذکر ہے، نظاً ہر وہ اسی قبیل سے ہے، اور گویا حضور کا ایک مہرمانہ ہے۔ حدیث کی خاص تعلیم یہ ہے کہ جس کے پاس کوئی جانور ہو، اُس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اُس کے کھلانے پلانے سے غافل نہ ہو، اور اُس پر کام کا بوجھ بھی اُس کی قوت سے زیادہ نہ ڈالے۔

دنیا نے سانسدادیے رکھی، کی ذمہ داری کو اب کچھ سمجھا ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے قریباً چودہ سو برس پہلے دنیا کو یہ سکھایا تھا۔

(۱۱۴) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَأُتِلَتْ بِحَاجَتِهِ قُرْآنُنَا حَمْرًا مَعَهَا فَرُخَانٌ فَأَخَذْنَا فَرُخَيْيَهَا فَجَاءَتْ الْعُمَرَةُ فَجَلَّتْ تَعْرِشُهَا فَجَاءَ السَّيِّدُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ تَجْعَلُ هَذِهِ يُولَدُهَا؟ قَالَتْ قَوْلُكَ هَذَا إِلَيْهَا ——— وَذَلِكَ قُرْبَى نَمْلٍ وَذَلِكَ حَرَقْنَاهَا فَقَالَ مَنْ حَرَقَ هَذِهِ؟ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ إِنَّهُ لَا يَنْبَغِي أَنْ يُعَذِّبَ رَبُّ النَّارِ إِلَّا رَبُّ النَّارِ ——— رواه ابوداؤد۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبد الرحمن اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، آپ قضاء حاجت کے لئے قشر لینے گئے، اس اتنا میں ہماری نظر ایک چھوٹی سی شرخ چڑیا (غالبا نیل کنٹھ) پر پڑی، جس کے ساتھ چھوٹے چھوٹے افس کے دو بچے بھی تھے ہم نے ان بچوں کو کپڑ لیا، وہ چڑیا آئی اور ہمارے سرور پر منڈلانے لگی، اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ آپ نے فرمایا: کس نے اس کے بچے کپڑ کے اسے ستایا ہے؟ اس کے بچے اس کو واپس کر دو۔ اور آپ نے چوٹیوں کی ایک جہتی دیکھی (یعنی زمین کا ایک ایسا کڑا جہاں چوٹیوں کی بہت سوراخ تھے اور چوٹیوں کی بہت کثرت تھی) ہم نے وہاں آگ لگا دی تھی۔ آپ نے فرمایا: کس نے ان کو آگ سے بلایا ہے؟ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم نے ہی یہ آگ لگائی ہے۔ آپ نے فرمایا: آگ کے پیدا کرنے والے خدا کے سوا کسی کے لئے یہ سزاوار نہیں ہے کہ وہ کسی جاندار کو آگ کا عذاب دے۔

(سنن ابوداؤد)

(تشریح) ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جانوروں جیسی کہ زمین کی چوٹیوں کا بھی حق ہے

کہ اُن کو بلاوجہ نہ ستایا جائے۔

(۱۱۵) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
دَخَلْتُ أَمْرًا كَأَنَّ الشَّارِبِيَّ هَتَّيْتُ رِبْطَتَهَا فَلَمْ تُطْعِمْنَهَا وَلَمْ تَدَعْهَا  
تَأْكُلْ مِنْ خَشَائِشِ الْكَافِرِينَ \_\_\_\_\_ رواه البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ:۔ ایک بے درد اور بے رحم عورت اسلئے بہنم میں ڈالی گئی کہ جس نے ایک بچی کو باندھ کے (بھوکا مار ڈالا) نہ تو اسے خود کچھ کھانے کو دیا، اور نہ اسے پھوڑا کہ وہ زمین کے کیڑے کوڑوں سے اپنی غذا حاصل کر لیتی۔ (بخاری ومسلم)

(تشریح) حضرت جابر کی ایک روایت سے جو صحیح مسلم میں مروی ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بے درد اور بے رحم عورت بنی اسرائیل میں سے تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج میں، یا خواب یا بیداری کے کسی اور مکاشفہ میں اس کو دوزخ میں پھینچ خود مبتلائے عذاب دیکھا۔

بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جانوروں کے ساتھ بھی بے رحمی اور بے رحمی کا معاملہ اللہ تعالیٰ کو سخت ناراض کرنے والا اور جہنم میں لے جانے والا عمل ہے۔ اللہم! حفظنا!۔

(۱۱۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا الْقَاسِمِ الصَّادِقَ الْمَعْمُورِيَّ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ كَمَا تَنْزِعُ الرَّحْمَةُ الْإِنْسَانَ مِنْ شَقِيٍّ \_\_\_\_\_  
(رواه احمد والترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں، کہ میں نے صادق و صدوق سیدنا ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ ارشاد فرماتے تھے کہ نہیں نکالا جاتا رحمت کا مادہ مگر بد بخت کے دل سے۔ (مسند ابن ماجہ ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ رحم اور ترس کے مادہ سے کسی کے دل کا بالکل خالی ہونا اس بات کی نشانی ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ بد بخت اور بے نصیب ہے کیونکہ کسی بد بخت ہی کا دل رحمت کے مادہ سے خالی ہوتا ہے۔

(۱۱۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَسَمَ قَلْبَهُ قَالَ إِمْسَحُوا عَنْ يَدَيْكُمْ وَأَطِيعُوا الْمُسْكِينَ

(رواہ احمد)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قساوت قلبی (سخت دلی) کی شکایت کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: یمسحوا عن یدئکم اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔

(مسند احمد)

(تشریح) سخت دلی اور سنگ دلی ایک روحانی مرض اور انسان کی بد بختی کی نشانی ہے، سائل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے دل اور اپنی روح کی اس بیماری کا علاج عرض کیا کہ آپ سے علاج دریافت کیا تھا، آپ نے ان کو دو باتوں کی ہدایت فرمائی، ایک یہ کہ یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا کرو، اور دوسرے یہ کہ بھوکے فقیر مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بتلایا ہوا یہ علاج علم النفس کے ایک خاص اصول پر مبنی ہے، بلکہ کہنا چاہئے کہ حضور کے اس ارشاد سے اس اصول کی تائید و توثیق ہوتی ہے، وہ اصول یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے نفس یا قلب میں کوئی خاص کیفیت نہ ہو، اور وہ اس کو پیدا کرنا چاہے، تو ایک تدبیر اس کی یہ بھی ہے کہ اس کیفیت کے آثار اور لوازم کو وہ اختیار کر لے، انشاء اللہ کچھ عرصہ کے بعد وہ کیفیت بھی نصیب ہو جائے گی۔ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے کے لئے کثرت ذکر کا طریقہ جو حضرات صوفیہ کرام میں رائج ہے، اس کی بنیاد بھی اسی اصول پر ہے۔

بہر حال یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنا، اور مسکین کو کھانا کھلانا دراصل جذبہ رحم کے آثار میں سے ہے،



لیکن جب کسی کا دل اس جذبہ سے خالی ہو، وہ اگر یہ عمل یہ تکلف ہی کرنے لگے تو انشاء اللہ اس کے قلب میں بھی رحم کی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔

## سماوات اور بخل :-

سماوات یعنی اپنی کمائی دوسروں پر خرچ کرنا، اور دوسروں کے کام نکالنا بھی رحم ہی کی ایک شاخ ہے۔ جس طرح بخل اور کجوسی یعنی دوسروں پر خرچ نہ کرنا، اور دوسروں کے کام نہ آنا بے رحمی اور سخت دلی ہی کی ایک خاص صورت ہے۔۔۔۔۔ ان دونوں کے بارے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سنئے :-

(۱۱۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
الْمُشْرَقُ قَرِيبٌ مِنَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِنَ النَّاسِ قَرِيبٌ مِنَ الْجَنَّةِ بَعِيدٌ  
مِنَ النَّارِ وَالْمُغْنِلُ بَعِيدٌ مِنَ اللَّهِ بَعِيدٌ مِنَ النَّاسِ بَعِيدٌ  
مِنَ الْجَنَّةِ قَرِيبٌ مِنَ النَّارِ وَكَجَاهِلٌ سَخِيٌّ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنْ  
عَاطِلٍ بَخِيلٍ ————— رواه الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- سخی بندہ اللہ سے قریب ہے (یعنی اس کو قرب خداوندی حاصل ہے) نیز اللہ کے بندوں سے قریب ہے (یعنی اللہ کے بندے اس کی سماوات کی صفت کی وجہ سے اس سے تعلق اور محبت رکھتے ہیں، اور اس کے ساتھ لگے رہتے ہیں) اور جہت سے قریب اور دوزخ سے دور ہے۔۔۔۔۔ اور بخیل اور کجوس آدمی اللہ سے دور یعنی قرب خداوندی کی نعمت سے محروم ہے، اللہ کے بندوں سے بھی دور ہے (کیونکہ اس کی کجوسی کی وجہ سے اس سے الگ اور بے تعلق رہتے ہیں) اور جہت سے دور اور دوزخ سے قریب ہے، اور بلاشبہ ایک

جے علم سخی اللہ تعالیٰ کو عبادت گزار کنجوس سے زیادہ پیا راہوتا ہے۔ (جامع ترمذی)  
 (۱۱۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 قَالَ اللَّهُ تَعَالَى أَتَفْقَهُنَّ عَلَيْكَ \_\_\_\_\_ رواه البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ :- اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو ارشاد ہے کہ تم دو مشن پر غریب کرتے رہو میں تم پر خرچ کرتا رہوں گا۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ منشور انسانی ہے کہ جو بندے اپنی کمائی اور اپنی محنت دوسرے ضرورت مندوں پر صرف کرتے رہیں گے اللہ تعالیٰ اپنے خزانہ غیب سے اُن کو برابر عطا فرماتا رہے گا، اور وہ ہمیشہ فقر و فاقہ کی تکلیف سے محفوظ رکھے جائیں گے۔

(۱۲۰) عَنْ جَابِرٍ قَالَ مَا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَطُّ فَقَالَ لَا \_\_\_\_\_ رواه البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کا سوال کیا گیا ہو، اور آپ نے جواب میں نہیں فرمایا ہو۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ آپ نے کبھی کسی سائل کو نہ نہیں سکھ کر واپس نہیں کیا، بلکہ ہمیشہ ہر سائل کو دیا، اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ آپ کے پاس نہ ہوا، تو آپ نے عرض منگو کر دیا۔

(۱۲۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 لَوْ كَانَ عِنْدِي مِثْلُ أَحَدٍ ذَهَبًا لَسَرَّيْنِي أَنْ لَا يَمُرَّ عَلَيَّ قَلْبٌ  
 لَيْلًا وَنَهْدِي مِنْهُ شَيْئًا وَلَا شَيْئًا أَزْهَدًا كَالْإِنِّ \_\_\_\_\_

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر میکہ پاس اعد ہوا تو پرہیز بھی سونا ہو، تو میری خوشی ہی ہوگی کہ مجھ پر تین راتیں بھی ایسی نہ گزریں، کہ میرے پاس اس میں سے کچھ بھی باقی ہو، بجز اسکے کہ میں کسی قرص کی ادائیگی کے لئے اس میں کچھ روک لوں۔

(بخاری و مسلم)

(۱۲۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجْتَنِبُ الشَّعْرَ وَالْأَيْمَانَ فِي قَلْبِهِ عَبْدٌ أَبَدًا

(رواہ النسائی)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حرص و غفل اور ایمان کسی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے (یعنی بغفل و کنجوسی اور ایمان کا کوئی جوڑ نہیں)۔

(سنن نسائی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ایمان کی حقیقت اور غفل کی عادت میں ایسی منافات ہے کہ جس دل کو حقیقی ایمان نصیب ہوگا اس میں غفل نہیں آسکتا، اور جس میں غفل دیکھا جائے، تو سمجھ لیا جائے کہ اس میں ایمان کا نور نہیں ہے۔ ذرا سا غور کرنے سے ہر ایک کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر کامل ایمان و یقین کے بغفل میں غفل اور کنجوسی جیسی کسی خصلت کے لئے کوئی گنہائش ہی نہیں رہ سکتی۔

(۱۲۳) عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدُخُلُ الْجَنَّةَ خَمِيٌّ وَلَا بَخِيلٌ وَلَا مَنَّانٌ

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: کہ: دھوکہ باز، بخیل اور احسان



أَعَزَّ اللَّهُ بِهَا نَصْرَهُ وَمَا فَتَحَ رَجُلٌ بَابَ عَطِيَّةٍ يُرِيدُ بِهَا صِلَةً  
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ بِهَا كَشْرَةً، وَمَا فَتَحَ رَجُلٌ بَابَ مَشْئَلَةٍ يُرِيدُ بِهَا  
كَشْرَةً إِلَّا نَادَا اللَّهُ بِهَا قَوْلَهُ \_\_\_\_\_ رواه احمد۔

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو گالیاں دیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، (اور آپ اس شخص کے سلسل گالیاں دینے پر اور ابوبکر کے صبر کرنے اور خاموش رہنے پر) تعجب اور متحیر فرما رہے تھے، پھر جب اُس آدمی نے بہت ہی زیادہ گالیاں دیں (اور زبان کو روکا ہی نہیں) تو ابوبکر نے بھی اُس کی بعض باتوں کو اُس پر لٹایا اور کچھ جواب دیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ ناراضی کے ساتھ وہاں سے اُٹھ کھپچل دیئے (حضرت ابوبکر کو اس سے بہت فکر لاحق ہوئی، اور وہ بھی معذرت کے لئے اور حضور کی ناراضی کا سبب معلوم کرنے کے لئے آپ کے پیچھے چلے)۔ پس ابوبکر آپ کے پاس پہنچے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! (یہ کیا بات ہوئی، کہ) وہ شخص مجھے گالیاں دیتا رہا اور آپ وہاں تشریف فرما رہے، پھر جب میں نے کچھ جواب دیا، تو حضور ناراض ہو کر اُٹھ آئے؟ \_\_\_\_\_ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ جب تک تم خاموش تھے اور صبر کر رہے تھے، تمہارے ساتھ اللہ کا ایک فرشتہ تھا، جو تمہاری طرف سے جواب دہی کر رہا تھا، پھر جب تم نے خود جواب دیا، تو وہ فرشتہ تو چلا گیا، اور شیطان بیچ میں آگیا (کیونکہ اُسے امید ہو گئی کہ وہ لڑائی کو اور آگے بڑھا سکے گا)۔ \_\_\_\_\_ اس کے بعد آپ نے فرمایا:۔ اے ابوبکر! تین باتیں ہیں جو سب کی سب بالکل حق ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ جس بندہ پر کوئی ظلم و زیادتی کیجائے اور وہ محض اللہ عز و جل کے لئے اس سے درگزر کرے (اور انتقام نہ لے)، تو اللہ تعالیٰ اسکے بدلہ میں اس کی بھرپور مدد فرمائیں گے (دنیا اور آخرت میں اس کو

عزت دیں گے)۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ جو شخص صلہ رحمی کے لئے دوسروں کو دینے کا دروازہ کھولے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض اُس کو اور بہت زیادہ دیں گے۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ جو آدمی (ضرورت کے مجبور ہو کر نہیں، بلکہ) اپنی دولت بڑھانے کے لئے سوال اور گدگری کا دروازہ کھولے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کی دولت کو اور زیادہ کم کر دیں گے۔ (مسند احمد)

(تشریح) انصاف کے ساتھ ظلم کا بدلہ لینا اگرچہ جائز ہے، لیکن فضیلت اور عزیمت کی بات یہی ہے کہ بدلہ لینے کی قدرت کے باوجود محض اللہ کے لئے معاف کر دے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ چونکہ انھیں انھما میں سے تھے، اسلئے آپؓ نے اُن کی طرف سے تھوڑی سی جوابدہی کو بھی پت نہیں فرمایا۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے :-

وَجَزَاءٌ سَعِيَّتْهُ سَعِيَّتُهُ مِثْلُهَا  
فَمَنْ عَفَا وَأَعْفَا فَأَجْرُهُ  
عَلَى اللَّهِ

(شوری - ع - ۴۲)

لیکن اللہ کا جو بندہ انتقام نہ لے، اور معاف کر دے، اور صلہ رحمی کو پیش کرے، تو اس کا خاص اجر و ثواب اللہ کے ذمہ ہے۔

(۱۲۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
قَالَ مُوسَى بْنُ عِمْرَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَارِئٌ مَنْ أَعَذَّ عِبَادَكَ  
عِنْدَكَ قَالَ مَنْ إِذَا أَعَذَّ رَعْفَرٌ

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :- کہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا، پروردگار! آپ کے بندوں میں کون آپ کی بارگاہ میں







مجازاً کفیل ہوتا ہے) پس اللہ کو اپنی ساری مخلوق میں زیادہ محبت اُن بندوں کو ہو جو اس کی عیال (یعنی اس کی مخلوق) کے ساتھ احسان کریں۔

(تشریح) ہماری اس دنیا کا دستور بھی یہی ہے کہ جو کوئی کسی کے اہل و عیال کیساتھ احسان کرے اُس کے لئے دل میں خاص جگہ ہو جاتی ہے۔ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی یہی ہے کہ جو کوئی اُن کی مخلوق کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرے (جس کی مختلف صورتیں اوپر ذکر کی جا چکی ہیں) وہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہو جاتا ہے۔

(ف) یہ بات پہلے بھی بار بار ذکر کی جا چکی ہے، اور یہاں بھی طوطا رہتی چاہئے کہ اس قسم کی بشارتوں کا تعلق صرف اُن بندوں سے ہوتا ہے جو کسی ایسے سنگین جرم کے مجرم نہ ہوں جو آدمی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور محبت سے بالکل ہی محروم کر دیتا ہو۔

اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک بادشاہ اعلان کرتا ہے کہ جو کوئی میری رعایا کیساتھ اچھا سلوک کرے گا وہ میری محبت کا مستحق ہوگا، اور میں اُس کو انعامات سے نواز دوں گا، تو ظاہر ہے کہ جو لوگ خود اس بادشاہ کے باغی ہوں، یا دوسرے ناقابل معافی جرائم بطور پیشہ کے کرتے ہوں (مثلاً قتل و غارتگری، ڈاکہ زنی وغیرہ) وہ اگر رعایا کے کچھ افراد کے ساتھ بڑے سے بڑا سلوک بھی کریں، تب بھی وہ اس اعلان کی بنیاد پر بادشاہ کی محبت اور انعام کے مستحق نہیں ہوں گے، اُھ یہی کہا جائے گا کہ اس شاہی فرمان کا تعلق ایسے باغیوں اور پیشہ ور مجرموں سے نہیں ہے۔

(۱۳۸) عَنْ عَبْدِ يَزِيدَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
لَا تَكُونُوا مَعَهُ تَقُولُونَ إِنَّا أَحْسَنُ النَّاسِ أَحْسَنًا فَإِنَّ ظُلْمَنَا  
ظَلَمْنَا وَلَكِنْ وَظَلَمْنَا أَنْفُسَكُمْ إِنَّا أَحْسَنُ النَّاسِ أَنْ تَحْسِنُوا  
إِنْ أَسَاءَ ذَاكُمْ ظَلَمْنَا

(ترجمہ) حضرت عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تم دوسروں کی دیکھا دیکھی کام کرنے والے نہیں ہو، کہنے لگو کہ اگر

اور لوگ احسان کریں گے تو ہم بھی احسان کریں گے، اور اگر دوسرے لوگ ظلم کا رویہ اختیار کریں گے تو ہم بھی ویسا ہی کریں گے، بلکہ اپنے دلوں کو اس پر پکا کر دو کہ اگر اور لوگ احسان کریں تب بھی تم احسان کرو، اور اگر لوگ برا سلوک کریں تب بھی تم ظلم اور برائی کا رویہ اختیار نہ کرو (بلکہ احسان ہی کرو)۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ دنیا میں خواہ احسان اور حسن سلوک کا چلن ہو یا ظلم اور بد سلوکی کا دور دورہ ہو، اہل ایمان کو چاہئے کہ اُن کا رویہ دوسروں کے ساتھ احسان اور حسن سلوک ہی کا رہے۔ نیز یہ احسان صرف اُن ہی لوگوں کے ساتھ نہ کیا جائے جو ہمارے ساتھ احسان کرتے ہوں، بلکہ جو لوگ ہمارے ساتھ برا سلوک کریں، اُن کے ساتھ بھی ہم احسان ہی کا رویہ رکھیں۔ مکتب ابوالحق کے آخر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مجھے میرے پروردگار کا حکم ہے کہ جو مجھ سے قطع رحم کرے میں اُس کے ساتھ صلہ رکھی کروں، اور جو مجھے نہ رسنے، جب میرے لئے دینے کا وقت آئے، تو میں اُس کو بھی دوں۔“

(۱۲۹) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَطَعَ  
بِإِحْسَانٍ مِنْ أُمَّتِي حَاجَةً يَتَرَدَّدُ عَلَيْهَا فَقَدْ سَلَّى فِي دَمَنٍ  
سَلَّيْتُ فَقَدْ سَلَّى اللَّهُ وَمَنْ سَلَّى اللَّهُ أَدْخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ  
(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کسی نے میرے کسی امتی کی کوئی حاجت پوری کر دی اُس کا علیٰ خوش کرنے کے لئے، تو اُسے مجھے خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا اُس نے میرے اللہ کو خوش کیا، اور جس نے اللہ کو خوش کیا، اللہ اُس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔

(شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اُمتیوں کے ساتھ جو خاص تعلق ہے، اُس کا اعزاز اُس حدیث سے بھی کیا جاسکتا ہے اس میں فرمایا گیا ہے کہ آپ کے کسی اُمتی کو خوش کرنے کے لئے اُس کا کوئی کام کر دینا اور اُس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے والا عمل ہے، اور اس کا صلہ اللہ تعالیٰ کی خوشی اور جنت ہے۔

(۱۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
الْشَّاعِيَ عَلَى الْأَمَةِ زَمَكَةٌ وَالْمُسْتَكِينِ كَالشَّاعِيَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَآخِصَّةُ  
قَالَ كَالْقَائِمِ لَا يَفُتُّ وَكَالْمُصَائِمِ لَا يُفْطِنُ

(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- اللہ کا جو بندہ بے شوہر والی اور بے سہارا کسی عورت اور کسی مسکین کا جتنہ آدمی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتا ہو، وہ اجر و ثواب میں اُس مجاہد بندہ کی طرح ہے جو اللہ کی راہ میں دوڑ دھوپ کرتا ہو۔ —————  
یادی کہتے ہیں ————— اور میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ :- اور اُس شب بیدار بندہ کی طرح ہے جو رات بھر نماز پڑھتا ہو اور تھکتا نہ ہو اور اُس اُمی روزہ دار کی طرح ہے جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو کسی بے روزہ کے رہتا ہی نہ ہو۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) جیسا کہ اوپر کی حدیثوں سے معلوم ہوا، احسان خواہ کسی قسم کا اور اللہ کی کسی مخلوق کے ساتھ کیا جائے، وہ اللہ کو راضی کرنے والا عمل ہے، لیکن خاص کر کسی بے سہارا عورت اور کسی مسکین بندہ کی مدد کے لئے اور اُس کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرنا اتنا اونچا عمل ہے کہ اس کے کرنے والے بندے اجر و ثواب میں اُن بندوں کے برابر ہیں جو راہِ خدا میں جہاد کرتے ہوں، یا جو صائم بنیں اور قائم اللیل ہوں۔

پھوٹے سے پھوٹے احسان کی بھی اللہ کے نزدیک بڑی قیمت ہے۔

(۱۳۱) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُحَقِّقُ أَحَدٌ كُمْ شَيْئًا مِنَ الْمَعْرُوفِ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيَلِمْ أَخَاهُ بِوَجْهِ ظَلَمٍ وَإِذَا اسْتَنْزَيْتَ لِحَمًا أَوْ طَبَخْتَ وَتَدَارَا فَالْكَثْرَ مَرَقًا وَاعْرِفْ لِمَ بَارَكَ مِنْهُ۔ (رواه الترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ تم میں سے کوئی احسان کی کسی صورت اور کسی قسم کو بھی حقیر نہ سمجھے، پس اگر اپنے بھائی کو دینے کے لئے کچھ بھی نہ پائے تو اتنا ہی کہے کہ شکستہ روٹی کے ساتھ اُس سے ملاقات کرے (یہ بھی حُسنِ سلوک کی ایک صورت ہے) اور جب تم گوشت خریدو یا لمبڈی بچاؤ تو اُس میں شور باڑھا دیا کرو، پھر چھ ہر اٹھیں اپنے پڑوسی کے لئے بھی بھلا کرو (جہاں تو مڈی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنے اعزہ و اقارب اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کیا کرے حسبِ استطاعت ان کو تحفے دیا کرے، اور اگر تحفہ دینے کیلئے کوئی زیادہ بڑھیا چیز نہ ہو تو جو کچھ میسر ہو وہی دیدے، اور اس کو حقیر اور معمولی سمجھ کے دینے سے نہ ڈرے، اور اگر کچھ بھی میسر نہ ہو تو اتنا ہی کرے کہ شکستہ روٹی اور خندہ چینی کے ساتھ ان سے ہلا کرے، یہ بھی حُسنِ سلوک کی ایک صورت ہے، اور تحفہ تحائف کی طرح اس سے بھی باہمی محبت و تعلق میں اضافہ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں غریب اور نادار آدمی بھی اتنا تو کر ہی سکتا ہے کہ جب کبھی گھر میں گوشت چپکے، تو اُس میں شور باڑھا کچھ زیادہ کر لیا جائے، اور کسی پڑوس کے گھر بھی اُس میں سے بھیج دیا جائے۔

در اصل حُسنِ سلوک کی ان آخری صورتوں کا ذکر حضور نے بطور مثال کے کیا ہے، اور نہ مطلب یہ ہے کہ جس سے جو ہو سکے وہ دوسروں کے ساتھ اچھا کرے۔

(۱۳۲) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
لَا تُحَقِّقَنَّ مِنَ الْمُعْرُوفِ شَيْئًا فَإِنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ أَنْ تُلْقَ  
أَخَاكَ يَوْجِبُ حِلَاقَ دَانٍ تُفَرِّغُ مِنْ دَنُوكَ فِي إِثَاءِ أَخِيكَ —  
(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے فرمایا: تم حُسنِ سلوک کی کسی صورت اور کسی قسم کو بھی حقیر مت سمجھو، اور اُس کی  
ایک صورت (جس میں کچھ خرچ بھی نہیں ہوتا) یہ بھی ہے کہ تم اپنے بھائی سے شکستہ دُئی  
کے ساتھ ملو، اور یہ بھی (حُسنِ سلوک میں سے ہے) کہ تم اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے  
برتن میں پانی ڈال دو۔  
(جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث میں اپنے بھائی کے برتن میں اپنے ڈول سے پانی ڈالنے کا ذکر بھی  
بطور مثال ہی کے کیا گیا ہے، اور مقصد صرف یہ ہے کہ اپنے بھائی کی جو خدمت اور مدد تم کر سکتے ہو  
اور اُس کو جو آرام تم پہنچا سکتے ہو، اور جس طرح تم اُس کے کام آ سکتے ہو، اُس میں دریغ نہ کرو۔ اللہ  
کی نظر میں یہ سب احسان ہی کی صورتیں ہیں۔

اگر آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہدایات پر عمل کیا جائے تو کیسی محبت و مروت کی  
فضا ہو، اور کیسا بھائی چارہ ہو۔۔۔۔۔ ان حدیثوں نے یہ بھی بتایا کہ کسی پر احسان کی نادر و نایاب  
پر موقوف نہیں ہے، بلکہ اس فضیلت میں غریب بھی اپنی غربت اور ناداری کے ساتھ امیروں کے شریک  
ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان قیمتی ہدایات کی قدر کرنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی  
ہم سب کو توفیق دے۔

ایثار:-

احسان کا ایک اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی ایک چیز کا خود ضرورت مند ہو، لیکن جب کئی دوسرا

حاجت مند کے سامنے آجائے تو وہ چیز اس کو دیدے اور خود تکلیف اٹھائے، اسی کا نام ایثار ہے۔ اور بلاشبہ انسانی اخلاق میں اس کا مقام بہت بلند ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود اپنا طرز عمل بھی یہی تھا، اور دوسروں کو بھی آپ اس کی تعلیم اور ترغیب دیتے تھے۔

(۱۳۳) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ خَافْتُ إِهْمَلَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبِرْدَةٍ فَكَأَلَتْ نَارُ رَسُولِ اللَّهِ أَكْسُوكَ هَذِهِ، فَأَخَذَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُخْتَبِجًا إِلَيْهَا فَلَيْسَهَا فَرَأَاهَا حَلَّتْهُ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا أَحْسَنَ هَذِهِ، فَأَكْسَيْنِيهَا فَقَالَ نَعَمْ فَلَمَّا قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَامَهُ أَصْحَابُهُ قَالَ مَا أَحْسَنَتْ حِينَ رَأَيْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدَهَا مُخْتَبِجًا إِلَيْهَا ثُمَّ سَأَلْتَهُ أَيُّهَا وَفَدٌ عَرَفْتُ أَنَّكَ لَا تَسْأَلُ شَيْئًا فَمَنْعَهُ فَقَالَ رَجَعْتُ بِرَكَتِهَا حِينَ لَيْسَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلِّي أَكْفَنُ فِيهَا۔ رواه البخاري۔

(ترجمہ) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چادر (ہدیہ کے طور پر) لے کر آئی اور عرض کیا کہ: حضرت! میں یہ چادر آپ کو اڑھانا چاہتی ہوں۔ آپ نے وہ چادر قبول فرما کر اڑھ لی اور آپ کی حالت یہ تھی کہ اس وقت آپ کو اس کی ضرورت تھی۔ آپ کے صحابہ میں سے ایک صاحب نے آپ کو وہ چادر اڑھ دے دیکھا تو عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ چادر تو بہت ہی اچھی ہے، یہ تو مجھے عنایت فرمادیجئے۔ آپ نے فرمایا: بہت اچھا (اور وہ چادر اسی وقت اتار کر ان صاحب کو دیدی) پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مجلس سے اٹھ گئے، تو بعض ساتھیوں نے ان صاحب کو ملامت کی، اور کہا: تم نے سچا نہیں کہا، تم نے دکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود

اس کی ضرورت تھی، اور آپ نے حاجت مند کی حالت میں یہ چاہا کہ اس خاتون سے قبول کی تھی، اسکے باوجود تم نے حضور سے اس کو مانگ لیا، حالانکہ تم جانتے ہو کہ آپ کی عادت کریمہ یہ ہے کہ جو چیز بھی آپ سے مانگی جائے آپ اس کو دے ہی دیتے ہیں۔ اُن صاحب نے عرض کیا :- میں نے تو برکت کے خیال سے ایسا کیا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پہن لیا تھا، اب مجھے اُمید ہے کہ یہی مبارک چادر میرے کفن بنے گی۔  
(صحیح بخاری)

(۱۳۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي مُجْعَمٌ فَأَرْسَلْ إِلَى بَعْضِ نِسَائِهِمْ فَقَالَتْ وَاللَّهِ لَأَعْتَكُ بِالْحَقِّ مَا عِنْدِي إِلَّا مَاءٌ ثُمَّ أَرْسَلْ إِلَى أُخْرَى فَقَالَتْ مِثْلَ ذَلِكَ وَكُنْتُ مَكْشُومَةً مِثْلَ ذَلِكَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُصَيِّفُهُ يَرْحَمَهُ اللَّهُ فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ يُقَالُ لَهُ أَبُو طَلْحَةَ فَقَالَ أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ فَأَتَلَّقَ بِهِ إِلَى رَجُلِهِ فَقَالَ لَا مَرْأَتَهُ هَلْ عِنْدَكَ شَيْءٌ قَالَتْ لَا إِلَّا قُبُوتٌ صِينِيَانِي قَالَ فَعَلَيْهِمْ رَيْبٌ دَوْمِيهِمْ فَإِذَا دَخَلَ صَيِّفُنَا فَأَرْنَاهُ أَنَا نَأْكُلُ فَإِذَا أَهْوَى بِهِدِهِ لِيَأْكُلَ مَقْرُونِي إِلَى السَّرَاحِجِ كِي تَصْلِحَ بِهِ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَتْ فَقَصَدْنَا دَاكِلَ الصَّيْفِ رَبَانَا طَلَاوَيْنِ فَلَمَّا أَصْبَحَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ حَبَّبَ اللَّهُ أَوْصِيَاءَ اللَّهِ مِنْ قُلَاسٍ وَقُلَانِي

(رواہ البخاری و مسلمہ)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا :- میں بڑا دکھی فقیر ہوں

(مجھے بھوک بہت تڑپ رہی ہے)۔ آپ نے اپنی بعض انواعِ مطہرات کے پاس کھلا بھیجا (کہ اگر کھانے کی کوئی چیز ہو، تو ایک ایسے حاجت مند کیلئے بھیج دو) وہاں سے جواب ملا، کہ قسم اُس پاک ذات کی جس نے آپ کو دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے، ہمارے ہاں اس وقت کھانے پینے کی کوئی چیز پانی کے سوا نہیں ہے۔ پھر آپ نے اپنے کسی دوسرے گھر میں کھلا کے بھیجا، وہاں سے بھی یہی جواب ملا، پھر یکے بعد دیگرے اپنے سب گھروں میں کھلا کے بھیجا، (اور) اُن سب کی طرف سے یہی جواب ملا (کہ اس وقت پانی کے سوا کھانے پینے کی کوئی چیز گھر میں نہیں ہے، اپنے سب گھروں سے یہ جواب ملنے کے بعد) آپ نے صحابہؓ حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا: تم میں سے کون اس بندہ کو اپنا اہل خانہ بنا سکتا ہے؟ اُس پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہو گئی! انصار میں سے ابوطالب نامی ایک شخص کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! ان کو میں اپنا اہل خانہ بنا تا ہوں چنانچہ وہ اُس حاجت مند شخص کو اپنے گھر لے گئے اور بیوی سے کہا (اس وقت ایک حمان کے لئے) کیا تمہارے ہاں کچھ ہے؟ بیوی نے جواب دیا کہ، بس انچہ بچوں کا کھانا ہے اس کے سوا کچھ نہیں ہے، یہاں تک کہ میسر اور تھکے کھانے کے لئے بھی کچھ نہیں ہے)۔ ابوطالب نے کہا: تو پھر ایسا کرو کہ اُن بچوں کو کسی چیز سے بھلا کے (بلا کھلائے) سُلا دو، اور جب ہمارا اہل خانہ گھر میں آجائے، تو (اپنے طرزِ عمل سے) اُس پر یہ ظاہر کیجئے اور ایسا دکھائی دو کہ (اُس کے ساتھ) ہم بھی کھائیں گے، پھر جب وہ کھانے کے لئے (اتھ بڑھائے) (اور کھا کر شرمندہ کر دے) تو تم چراغِ ٹھیک کرنے کے بہانے چراغ کے پاس جائیو اور اُس کو گل کر دیجئے (تاکہ گھر میں اندھیرا ہو جائے، اور حمان یہ نہ دیکھ سکے کہ ہم اُس کے ساتھ کھا رہے ہیں یا نہیں) چنانچہ بیوی نے ایسا ہی کیا، پس بیٹھے تو سب ٹھیک کھانا صرف حمان ہی نے کھایا، اور ان دونوں میاں بیوی نے بھوکے رہ کر رات گزاری، پھر صبح ہوئی تو ابوطالب رسول اللہ صلی اللہ



علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے اُن کا اور اُن کی بیوی کا نام لے کر اُن کو خوش خبری سنائی کہ :- اللہ تعالیٰ کو اپنے فلاں بندے اور فلاں بندی کا یہ عمل بہت ہی پسند آیا، اور اللہ تعالیٰ بہت ہی خوش ہوا۔ — راوی کو شک ہے کہ آپؐ نے اس مطلب کے ادا کرنے کے لئے ”حُبِّ اللہ“ کا لفظ بولا تھا۔ یا ”حُبِّ اللہ“ کا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت اور آپؐ کے عملی نمونے صحابہ کرامؓ میں ایثار کی یہ صفت جس درجہ میں پیدا کر دی تھی یہ واقعہ اُس کا ایک نمونہ ہے۔ قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار کی اسی صفت اور اسی سیرت کی مدح ان الفاظ میں کی گئی ہے ”وَيُؤْتُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ“ (سورۃ حشر - ع - ۱)۔

ابو طلحہ انصاری کے اس عمل کو اللہ تعالیٰ کے ہاں جو غیر معمولی قبولیت حاصل ہوئی، اور رضا اور پسندیدگی کا جو خاص خاص درجہ نصیب ہوا، اُس کو سمجھانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور مجاز یا استعارہ کے ”حُبِّ“ یا ”حُبِّ اللہ“ کا لفظ بولا، درنظر اہر ہے کہ حیرت و تعجب کرنا اور ہنسنا، اپنے حقیقی معنی کے لئے اسے یہ دونوں صفتیں کسی بندہ ہی کی ہو سکتی ہیں۔

## اُنس و محبت اور بیگانگی و عداوت :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنس و محبت کو بھی خاص ایمانی صفات میں سے بتلایا ہے اور کیوں نہ ہو، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُنس و محبت کا ایک پیکر تھے، اور آپؐ کی ہر خصلت بلاشبہ ایمانی خصلت ہے۔

(۱۳۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ  
الْمُؤْمِنُ مِمَّا لَفَ وَلَا خَيْرَ فِيمَنْ لَا يَأْلَفُ وَلَا يُؤْلَفُ —  
(رواہ احمد والبیہقی فی شعبہ الايمان)

لے (ترجمہ) وہ دو سگھر ورت مندوں کو اپنے پر مقدم رکھتے ہیں، اگرچہ اُن کو فائدہ نہ ہو۔

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مومن تو الفت و محبت کا مرکز ہے، اور اس آدمی میں کوئی بھلائی نہیں جو دوسروں سے الفت نہیں کرتا، اور دوسرا اس سے الفت نہیں کرتے۔

(مسند احمد و شعبہ الایمان بیہقی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ بندہ مومن کو انس و محبت کا مرکز ہونا چاہئے کہ وہ خود دوسروں سے محبت کرے اور دوسرا اس سے محبت کریں اور مانوس ہوں، اگر کسی شخص میں یہ بات نہیں ہے تو گویا اس میں کوئی خیر نہیں، نہ وہ دوسروں کو کوئی نفع پہنچا سکے گا اور نہ دوسرا لوگ اس سے نفع اٹھا سکیں گے۔ اس حدیث میں اُن خشک مزاج متفکرت حضرات کے لئے خاص سبق ہے جو سبک بے تعلق رہنے ہی کو دین کا تقاضا سمجھتے ہیں اور اس لئے نہ وہ خود دوسروں سے مانوس ہوتے ہیں اور نہ دوسروں کو اپنے سے مانوس کہتے ہیں۔ البتہ مومن کی یہ محبت و الفت اور دوسروں سے مانوس ہونا اور اُن کو اپنے سے مانوس کرنا سب اللہ ہی کے لئے اور اس کے احکام کے تحت ہونا چاہئے۔ عَجَاذُكَ اللَّهُ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

### اللہ کیلئے محبت اور اللہ کیلئے بغض و عداوت :-

(۱۳۶) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
إِنَّ أَحَبَّ أَعْمَالٍ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى الْخُبُّ فِي اللَّهِ وَالْبُغْضُ فِي اللَّهِ۔

(رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندوں کے اعمال میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ محبت ہے جو اللہ کے لئے ہو، اور وہ بغض و عداوت ہے جو اللہ کے لئے ہو۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) کسی بندہ کا یہ حال ہو جائے کہ وہ صرف اللہ کے لئے محبت کرے، اور اللہ ہی کے لئے کسی سے بغض رکھے، بلاشبہ بہت اونچا مقام ہے۔ کتاب الایمان "میں یہ حدیث گذر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے فرمایا، کہ ایمان کی مضبوط ترین شاخ اللہ کے لئے محبت و تعلق جوڑنا، اور اللہ کے لئے کسی سے تعلق توڑنا ہے۔

**اللہ کیلئے محبت دراصل اللہ تعالیٰ کی تعظیم و عبادت ہے :-**

(۱۳۷) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
مَا أَحَبَّ عَبْدٌ عَبْدًا إِلَّا أَنْ كَرَّمَ رَبَّهُ عَنْ وَجَلْ

(رواہ احمد)

(ترجمہ) حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس بندہ نے بھی اللہ کے لئے کسی بندہ سے محبت کی، اُس نے اپنے رب عزوجل ہی کی عظمت و توقیر کی۔ (مسند احمد)

(تشریح) یعنی کسی بندہ کا کسی دوسرے بندہ سے اللہ کیلئے اور اللہ کے تعلق سے محبت کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق ادا کرنا ہے اور اس طرح اس کا شمار اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ہے۔

**اللہ کیلئے آپس میں میل محبت کر نیوالے اللہ کے محبوب ہو جاتے ہیں :-**

(۱۳۸) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَجَبَتْ مُحَبَّتِي لِلْمُتَحَابِّينَ فِي وَالْمُتَحَابِّينَ فِي وَالْمُتَحَابِّينَ فِي وَالْمُتَحَابِّينَ فِي

(رواہ مالک)

(ترجمہ) حضرت ساذن جبل سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ :- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میری محبت واجب ہے اُن لوگوں کے لئے جو باہم میری وجہ سے محبت کریں، اور میری وجہ سے تعلق سے کہیں چڑ کر بیٹھیں، اور میری وجہ سے باہم ملاقات کریں، اور میری وجہ سے ایک دوسرے پر خرچ کریں۔ (موطا امام مالک)

(تشریح) اللہ کے جن بندوں نے اپنی محبت و چاہت اور اپنے ظاہری و باطنی تعلق کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے تحت کر دیا ہے، اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ جس سے محبت کرتے ہیں اللہ کے لئے کرتے ہیں، جس کے پاس بیٹھتے ہیں اللہ کے لئے بیٹھتے ہیں، جس سے ملتے ہیں اللہ کے لئے ملتے ہیں، جو کچھ ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی کی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں، بیشک اللہ کے یہ بند اسے مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رضا اور محبت ان کو نصیب ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کے اس بشارتی منشور کا اعلان فرمایا ہے کہ میرے ان بندوں کے لئے میری محبت واجب اور مقرب ہو چکی ہے، میں ان سے محبت کرتا ہوں، ان سے راضی ہوں، اور وہ میرے محبوب اور پسندیدہ بندے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُتَحَابِّينَ فَيْتَكَ وَالْمُتَحَابِّينَ فَيْتَكَ وَالْمُسْرُوْدِيْنَ فَيْتَكَ وَالْمُنْبَادِيْنَ فَيْتَكَ (اے اللہ! ہمیں اپنے اُن بندوں میں سے کر دے جو تیرے ہی لئے آپس میں محبت کرتے ہیں، تیرے ہی لئے باہم چڑ کے بیٹھتے ہیں، تیرے ہی لئے آپس میں ملتے ہیں، اور تیری ہی رضا کے لئے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں)۔

(۱۳۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَجُلًا ذَا لِحَاقَةٍ فِي قَرْيَةٍ أَخْرَفَ فَأَرْصَدَ اللَّهُ لَهُ عَلَى مَدْرَجَتِهِ مَلَكًا، قَالَ أَيْنَ تَنْتَبِهُ قَالَ أُرِيدُ أَخَايَ فِي هَذِهِ الْقَرْيَةِ قَالَ هَلْ لَكَ مِنْ نَفْسٍ تَرْبُهَا قَالَ لَا غَيْرَ إِنِّي أُحِبُّهُ فِي اللَّهِ قَالَ فَارْبُؤْ

رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكَ بِأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحْبَبَكَ كَمَا أَحْبَبْتَهُ فِيهِ —

(دواۓ مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ ایک شخص اپنے ایک بھائی سے — جو دوسری ایک بستی میں رہتا تھا — ملاقات کے لئے چلا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی راہ گزر پر ایک فرشتہ کو منتظر بننا کے بٹھا دیا (جب وہ شخص اس مقام سے گزرا تو) فرشتہ نے اُس سے پوچھا: تمہارا کہاں کا ارادہ ہے؟ اُس نے کہا: میں اس بستی میں رہنے والے اپنے ایک بھائی سے ملنے جا رہا ہوں۔ فرشتہ نے کہا: کیا اُس پر تمہارا کوئی احسان ہے، اور کوئی حق تم پر جس کو تم پورا اور بچتہ کرنے کے لئے جا رہے ہو۔ اُس بندہ نے کہا: نہیں! میرے جانے کا باعث اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ کے لئے مجھے اس بھائی سے محبت ہے (یعنی بس اسی لہی محبت کے قطن اور قلعے سے میں اس کی زیارت اور ملاقات کے لئے جا رہا ہوں)۔ فرشتہ نے کہا: میں تمہیں بتاتا ہوں، کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس یہ بتانے کے لئے بھیجا ہے کہ اللہ تم سے محبت کرتا ہے، جیسا کہ تم اللہ کے لئے اسکے اس بندہ سے محبت کرتے ہو۔ (صحیح مسلم)

(تفسیر صحیح) یہ واقعہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمایا ہے، بظاہر کسی اگلی امت کے کسی فرد کا ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کبھی کبھی فرشتے اللہ کے حکم سے کسی غیر نبی کے پاس بھی آسکتے ہیں، اور اس سے اس طرح کی باتیں دوہر کر سکتے ہیں۔ حضرت جبریلؑ کا اللہ کے حکم سے حضرت مریمؑ صدیقہ کے پاس آکا۔ اور ان سے باتیں کرنا قرآن مجید میں بھی مذکور ہے۔ حالانکہ معلوم ہے کہ حضرت مریمؑ نبی نہ تھیں۔

اس واقعہ کی اصل روح اور اسکے بیان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص مقصد اس حقیقت کا واضح کرنا تھا کہ اللہ کے کسی بندہ کا اپنے کسی بھائی سے اللہ کے لئے محبت کرنا اور

اس نئی محبت کے تقاضے سے اس سے ملاقات کرنے کے لئے جانا ایسا عمل ہے جو اس محبت کرنیوالے بندے کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتا ہے اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فرشتے کے ذریعہ اس کو اپنی محبت کا پیغام پہنچاتا ہے۔ فَطَوَّبِ لَهُمْ وَبُشِّرَى لَهُمْ (ان کو مبارک ان کو بشارت ہو)۔

### اللہ کیلئے محبت کرنیوالوں کا قیامت کے دن خاص امتیاز :-

(۱۲) عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ كَلَامًا نَاسًا مَا هُمْ بِأَنْبِيَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ بَعْضُهُمْ الْأَنْبِيَاءُ وَالشُّهَدَاءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِهِ كَانَهُمْ مِنَ اللَّهِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ تُخَذِرُنَا مِنْهُمْ؟ قَالَ هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوا بِرُوحِ اللَّهِ عَلَى غَيْرِ أَحَامٍ بَيْنَهُمْ فَاَمْوَالٌ يَتَعَاطَوْنَهَا خَوْفَ اللَّهِ إِنَّ وَجْوهَهُمْ لَتُورَى وَأَنَّهُمْ لَعَلَى نُورٍ لَا يَخَافُونَ إِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا يَحْزَنُونَ إِذَا حَزَنَ النَّاسُ وَقَرَعَتْ هَذِهِ الْأَلْيَةُ إِلَّا إِنْ أَفْلِيَاءَ اللَّهُ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا يُدْخِلُ يَحْزَنُونَ رواه ابو داود۔

(ترجمہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- اللہ کے بندوں میں کچھ ایسے خوش نصیب بھی ہیں جو نبی یا شہید تو نہیں ہیں، لیکن قیامت کے دن بہت سے انبیاء اور شہداء ان کے خاص مقام قرب کی وجہ سے ان پر رشک کریں گے۔ صحابہ نے عرض کیا :- یا رسول اللہ! ہمیں بتلاؤ کہ وہ کون بندے ہیں؟ آپ نے فرمایا :- وہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے بغیر کسی رشتہ اور قرابت کے، اور بغیر کسی مالی لین دین کے رُوحِ خداوندی کی وجہ سے سکرِ باہم محبت کی — پس قسم ہے خدا کی، ان کے چہرے قیامت کے دن نورانی ہوں گے۔

بلکہ سراسر نور ہوں گے، اور وہ نور کے منبروں پر ہوں گے، اور عام انسانوں کو جس وقت خوف و ہراس ہوگا اس وقت وہ بے خوف اور مطمئن ہوں گے، اور جس وقت عام انسان بتلائے غم ہوں گے وہ اس وقت بے غم ہوں گے، اور اس موقع پر آپ نے یہ آیت پڑھی: **اِنَّ لِّكَ لَآئَةً اَنْزَلْنَاهَا اِلَيْكَ كَاِخْوَفَ عَلٰى خَشْيَةِ لَّهِ وَكَهَمَمَّ كَيِّدًا** (معلوم ہونا چاہئے کہ جو اللہ کے دوست اور اس سے خاص تعلق رکھنے والے ہیں، اُن کو خوف و غم نہ ہوگا۔)

(منن ابی داؤد)

(تشریح) اس دنیا میں فحشی رشتہ اور قرابت کی وجہ سے محبت و تعلق کا ہونا ایک ایسی عمومی اور فطری بات ہے جو انسانوں کے ملاوہ عام جانوروں بلکہ درندوں میں بھی موجود ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کی مالی امداد کرتا ہے، اس کو ہیلے اور تحفے دیتا ہے تو اس میں اس محسن کی محبت پیدا ہو جانا بھی ایک ایسی فطری بات ہے جو کافروں، مشرکوں اور فاسقوں فلجروں میں بھی پائی جاتی ہے۔ لیکن کسی رشتہ اور قرابت کے بغیر اور کسی مالی لین دین اور کسی ہیلے اور تحفے کے بغیر محض اللہ کے دین کے تعلق سے کسی سے محبت کرنا ایک ایسی ایمانی صفت ہے جسکی اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی قدر و قیمت ہے اور اس کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کا خاص محبوب و مقرب بن جاتا ہے۔ اور قیامت میں اس پر اللہ تعالیٰ کی ایسی نوازشیں ہوں گی کہ انبیاء اور شہداء اس پر رشک کریں گے۔

اس کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ لوگ درجہ اور مرتبہ میں انبیاء و شہداء سے افضل اور بلند تر ہوں گے۔۔۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کم درجے کے کسی آدمی کو کسی خاص اچھی حالت میں دیکھ کر اس سے اونچے درجے والوں کو بھی اس پر رشک آنے لگتا ہے، یہ بات عقل و منطق کے لحاظ سے اگرچہ بہت سوں کو مستبعد معلوم ہوگی، لیکن واقعات کی دنیا میں بکثرت ایسا ہوتا رہتا ہے، اسلئے جو کچھ کہا گیا ہے یہ زبردستی کی تاویل نہیں ہے بلکہ واقعی حقیقت ہے۔

یہ بندگان خدا جن کے مقام قرب پر انبیاء و شہداء کو رشک آئے گا۔ حدیث میں ان کا تعارف

ان الفاظ میں کرایا گیا ہے، "هَمْ خَوْفٌ شَا جُوا بِرُوحِ اللَّهِ" اس لفظ دُوس کے پیش کے ساتھ دُوس بھی پڑھا گیا ہے، اور زبر کے ساتھ دُوس بھی۔ ہمارے نزدیک دونوں صورتوں میں اس سے اللہ کا جنم مراد ہے، اور مطلب یہی ہے کہ یہ وہ بندگان خدا ہوں گے جنہوں نے اس دنیوی زندگی میں اللہ کے دین کے تعلق سے باہم محبت و الفت کی۔۔۔۔۔ دین اُس اُخروی زندگی کے لئے جو عمل زندگی ہے بمنزلہ دُوس کے بھی ہے، اور وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت اور رحمت بھی ہے، اور دُوس کے معنی رحمت، نعمت اور راحت کے ہیں۔ الغرض اس لفظ کو خواہ دس کے پیش کے ساتھ پڑھا جائے یا زبر کے ساتھ، ہر حال میں مطلب ایک ہی ہوگا۔

حدیث کے آخری حصے میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے دین کے تعلق سے باہم محبت کرنیوالے ان بندگان خدا پر اللہ تعالیٰ کا ایک خاص انعام یہ ہوگا کہ قیامت کے دن جبکہ عالم انسان پر خوف اور غم چھایا ہوا ہوگا، ان کے دلوں پر خوف اور غم کا کوئی اثر نہ ہوگا، اور یہ بالکل مطمئن اور اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم سے شادان و فرحان ہوں گے۔ "مَخْفُوفٌ عَلَيْهِمْ ذِكْرُكَ هَمْ يَخُفُّ كَوْنُ"۔

**اللہ کیلئے محبت کرنیوالے قیامت کے دن عرش کے سایہ میں :-**

(۱۳۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 (رَبِّهِ) اللَّهُ تَعَالَى يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ آيُنَ الْمُتَمَكِّنَاتُونَ بِجِلْدِي يَوْمَ  
 أَظْلَمْتُ فِي ظِلِّي يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلِّي۔۔۔۔۔ رواہ مسلم۔

ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ کہاں ہیں میرے وہ بندے جو میری عظمت و جلال کی وجہ سے آپس میں الفت و محبت رکھتے تھے؟ آج جب کہ میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ہے، میں اپنے ان بندوں کو اپنے



(صحیح مسلم)

سایہ میں جگہ دوں گا۔

(تشریح) اللہ تعالیٰ خبیر و بصیر ہے، کائنات کا کوئی ذرہ اس کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ میرے وہ بندے کہاں ہیں؟۔ دراصل استغفار و استفسار کے لئے نہ ہوگا، بلکہ میدانِ حشر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پکار ملے گی کہ اے اللہ! اس لئے بلند ہوگی کہ اُن بندگانِ خدا کی یہ قبولیت و محبوبیت سارے اہلِ حشر اور تمام اولین و آخرین کے سامنے ظاہر ہو جائے، اور سب شن لیں اور دیکھ لیں کہ اللہ کے لئے محبت کرنا لوگوں کا مقام اور مرتبہ اللہ کے یہاں کیا ہے۔ اور حدیث میں اللہ کے سایہ سے مراد غالباً اس کے عرش کا سایہ ہے، جیسا کہ بعض دوسری حدیثوں میں تصریح بھی ہے۔

### محبت ذریعہ قرب و معیت :-

(۱۴۲) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ تَقُولُ فِي رَجُلٍ أَحَبَّ قَوْمًا وَكَمْرًا لِحَقٍّ بِهِمْ فَقَالَ النَّبِيُّ مَعَ مَنْ أَحَبَّ۔

(رواہ البخاری و مسلمہ)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:۔ حضور کیا فرماتے ہیں ایسے شخص کے بارے میں جس کو ایک جماعت سے محبت ہے لیکن وہ ان کے ساتھ نہیں ہو سکا؟ تو آپ نے فرمایا کہ:۔ جو آدمی جس سے محبت رکھتا ہے اس کے ساتھ ہی ہے۔ لہذا یہ کہ آخرت میں اس کے ساتھ کر دیا جائے گا۔۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) سائل کا مقصد بظاہر یہ دریافت کرنا تھا کہ جو شخص اللہ کے کسی خاص صالح

اور متقی بندہ سے یا اہل صلاح و تقویٰ کے کسی گروہ سے محبت رکھتا ہو لیکن عمل اور سیرت میں بالکل ان کے قدم بقدم اودان کے درجہ کا نہ ہو بلکہ ان سے کچھ پیچھے ہو، تو اس کا انجام کیا ہوگا؟ — اور اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ یہ شخص عمل میں کچھ پیچھے ہونے کے باوجود ان بندگانِ خدا کے ساتھ کر دیا جائے گا جن کے ساتھ اس کو اللہ کے لئے اور دین کے تعلق سے محبت تھی۔ — اس سے اگلی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں سوال کے الفاظ زیادہ واضح ہیں۔

(۱۴۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَا تَجُوزُ يَحِبُّ الْقَوْمَ وَلَا يَسْتَعْلِيهِمْ أَنْ يَعْمَلَ كَعَمَلِهِمْ؟ قَالَ أَنْتَ يَا أَبَا ذَرٍّ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ قَالَ فَإِنِّي أَحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ قَالَ فَإِنَّكَ مَعَهُمْ أَحْبَبْتَ قَالَ فَأَعَادَهَا أَبُو ذَرٍّ فَلَمَّا ذَكَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(رواہ ابو داؤد)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن صامت رضی اللہ عنہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کہتے ہیں کہ انھوں نے (ابوذر نے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! ایک آدمی ہے اس کو اللہ کے خاص بندوں سے محبت ہے لیکن وہ اس سے عاجز ہے کہ ان کے سے عمل کر سکے (تو اس بیمار کا انجام کیا ہوگا؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابوذر! تم کو جس سے محبت ہوگی تم اسی کیساتھ ہو گے۔ ابوذر نے عرض کیا: حضرت! مجھے تو اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: پس تم ان ہی کے پاس اور ان ہی کے ساتھ رہو گے جن سے تم کو محبت ہے۔ یہ جواب سن کر ابوذر نے پھر اپنی بات دہرائی اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں پھر وہی ارشاد فرمایا جو پہلی دفعہ  
ارشاد فرمایا تھا۔  
(سنن ابی داؤد)

(۱۴۴) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَتَى السَّاعَةُ  
قَالَ وَبَيْتِكَ وَمَا أَعَدُّتْ لَهَا قَالَ مَا أَعَدُّتْ لَهَا إِلَّا أَنِّي  
أُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ قَالَ أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحَبَّيْتَ قَالَ أَنَسُ فَمَا  
رَأَيْتُ الْمُسْلِمِينَ فَرِحُوا بِشَيْءٍ بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ فَرِحُوا بِهَا  
(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ:۔ حضرت! قیامت کب آئے گی؟۔ آپ نے  
فرمایا:۔ واسے برہم! تو (تو قیامت کا وقت اور اسکے آنے کی خاص گھڑی  
دریافت کرنا چاہتا ہے، بتلا) تو نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟۔  
اُس نے عرض کیا:۔ میں نے اس کے لئے کوئی خاص تیاری تو نہیں کی (جو آپ کے  
سامنے ذکر کرنے کے لائق اور بھروسہ کے قابل ہو) البتہ (توفیق الہی سے مجھے  
یہ ضرور نصیب ہے کہ) مجھے محبت ہے اللہ سے اور اس کے رسول سے۔

آپ نے فرمایا:۔ تجھ کو جس سے محبت ہے تو اُن ہی کے ساتھ ہے اور تجھ کو اُن کی  
محبت نصیب ہوگی۔۔۔ حدیث کے راوی حضرت انسؓ اس حدیث کو بیان  
فرمانے کے بعد فرماتے ہیں کہ:۔ میں نے نہیں دیکھا مسلمانوں کو (یعنی حضورؐ کے  
صحابہ کو) کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ان کو کسی چیز سے اتنی خوشی ہوئی ہو  
جتنی کہ حضورؐ کی اس بشارت سے ہوئی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اسی حدیث کی ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا آخری فقرہ  
اس طرح بھی نقل کیا گیا ہے:۔

فَمَا فَرَحْنَا بِشَيْئٍ فَرَحْنَا بِقَوْلِهِ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْتَ  
 مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ فَأَنَا أَحِبُّ  
 النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَأَنْجُو أَنْ  
 أَكُونُ مَعَهُمْ يُحِبِّي إِيَّاهُمْ  
 فَإِنْ كُنَّا عَمَلًا لَهُمْ  
 ہم لوگوں کو (یعنی حضور کے صحابہ کو)  
 کبھی کسی بات سے اتنی خوشی نہیں ہوئی  
 جتنی کہ آپ کے اس ارشاد سے ہوئی کہ  
 ”أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ“ (تم جس سے  
 محبت کرتے ہو اسی کیساتھ ہو) پس  
 میں محمد اللہ محبت رکھتا ہوں رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ابوبکر و عمر

اور امیر رکھتا ہوں کہ اپنی اس محبت ہی کی وجہ سے مجھے ان کا  
 ساتھ نصیب ہو گا، اگرچہ میرے اعمال ان حضرات کے سے نہیں ہیں۔

ناظرین کو ان حدیثوں کے متعلق دو باتیں خاص طور سے سمجھ لینی چاہئیں۔

محبت کی وجہ سے  
 معیت کا مطلب

اولیٰ یہ کہ ساتھ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ محبت کی وجہ سے محبت ہو  
 کا درجہ اور مرتبہ بالکل ایک ہو جائے گا، اور دونوں کے ساتھ بالکل  
 یکساں معاملہ ہو گا۔ بلکہ یہ ساتھ ہونا اپنے اپنے حال اور اپنے اپنے درجہ کے لحاظ سے ایسا ہی ہو گا  
 جیسا کہ دنیا میں بھی خادم اپنے مخدوموں کے ساتھ اور تابع اپنے متبعوں کے ساتھ جوتے ہیں  
 اور بلاشبہ یہ بھی بہت بڑا شرف اور بہت بڑی نعمت ہے۔

محبت کیلئے  
 اطاعت لازم

دوسری بات یہ کہ محبت کے لئے اطاعت لازم ہے، یہ ناممکن ہے کہ کسی کو  
 اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہو، اور اس کی زندگی بغاوت اور مصیبت  
 کی ہو۔ پس جو لوگ آزادی اور بے فکری کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی خلاف ورزی  
 کرتے ہیں وہ اگر اللہ و رسول کی محبت کا دعویٰ کریں تو جھوٹے ہیں، اور اگر واقعہ میں وہ خود بھی  
 اپنے کو اہل محبت میں سے سمجھیں تو ٹھیک فریب میں مبتلا ہیں۔۔۔ حضرت تابع نے ایسے ہی  
 مدعیان محبت سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے، اور بالکل صحیح فرمایا ہے:-

تُصَيِّبُ أَهْلَهُ وَأَنْتَ تُظَاهِرُ حَبِيْبَكَ هَذَا الْعَمْرِيُّ فِي الْقِيَاسِ بِدَلِيلِهِ  
 لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَا طَعَنَتْهُ إِنَّ الْمَحَبَّةَ لَمِنْ شَيْئَاتِ مَطْبِيعٍ  
 (یعنی اے محبت کے بھوٹے مدعی! تو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اور اس کی محبت کا  
 دعویٰ کرتا ہے، عقل و قیاس کے لحاظ سے یہ بات بہت ہی عجیب ہے، اگر تو دعویٰ محبت  
 میں سچا ہوتا، تو اس کی فراموشداری کرتا، کیونکہ ہر محب اپنے محبوب کی بات مل و جان  
 سے مانا کرتا ہے)۔

بہر حال اللہ و رسول کی محبت کے لئے ان کی اطاعت لازم ہے، بلکہ حق یہ ہے کہ کامل اطاعت  
 محبت ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ ع

عاشقی چسیت بگو بندہ جاناں بودن

اور اللہ و رسول کی اطاعت کرنے والوں کو انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین کی محبت و رفاقت  
 کی بشارت خود قرآن مجید میں بھی دی گئی ہے۔ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ  
 مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ  
 وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا (النساء-۴۷)۔

پس اس آیت اور مندرجہ بالا احادیث کے مضمون میں گویا تعبیر اور عنوان ہی کا فرق ہے  
 یہ بات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ اس حدیث سے اور  
 زیادہ واضح ہو جاتی ہے، جس کو حافظ ابن کثیر نے سورہ نساء کی اس آیت کا شان نزول بیان  
 کرتے ہوئے اپنی تفسیر میں ابن مردودیہ اور طبرانی کی سند سے نقل کیا ہے۔ . . . حاصل  
 اس کلیہ ہے، کہ:-

ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ:-

یا رسول اللہ! مجھے اپنی بیوی، اپنی اولاد، اور اپنی جان سے بھی زیادہ حضورؐ سے  
 محبت ہے، اور میرا حال یہ ہے کہ میں اپنے گھر پر ہوتا ہوں اور حضور مجھے یاد آجاتے ہیں

تو اس وقت تک مجھے صبر اور قرائیں آتا جب تک حاضر خدمت ہو کر ایک نظر دیکھ نہ لوں، اور جب میں اپنے مرنے کا اور حضور کی وفات کا خیال کرتا ہوں تو میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ وفات کے بعد حضور تو جنت میں پہنچ کر انبیاء علیہم السلام کے بلند مقام پر پہنچا دیئے جائیں گے اور میں اگر اللہ کی رحمت سے جنت میں بھی گیا تو میری رسائی اس عالی مقام تک تو ہونہ سکے گی، اسلئے آخرت میں حضور کے دیدار سے بظاہر محرومی ہی ہے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس شخص کی اس بات کا کوئی جواب اپنی طرف سے نہیں دیا، یہاں تک کہ سورۃ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی:-

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ  
فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْزَلْنَا  
اللَّهُ مَوْلَاهُمْ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ  
إِنَّ خَصَمَاتِهِمْ مِنْهُمْ  
وَالشَّاهِدُ الْأُولِيَاءُ  
وَحَسْبُ الْوَلِيِّ الرَّفِيعُ  
(سورۃ نساء)

اور جو لوگ فرمانبرداری کریں اللہ کی  
اور اس کے رسول کی، پس وہ اللہ کے  
ان خاص مقرب بندوں کیساتھ ہوں گے  
جن پر اللہ کا خاص تمام ہو یعنی انبیاء  
صدیقین، شہداء، اور صالحین، اور  
یہ سب بڑے ہی اچھے رفیق ہوں گے۔

گویا اس آیت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس محبت صادق کو اور دوسرے تمام اہل محبت کو خوش خبری سنائی کہ جب تم کو سچی محبت ہے تو تم اللہ و رسول کی فرمانبرداری ضرور کرو گے، اور پھر تم کو جنت میں اللہ کے خاص مقرب بندوں کی معیت اور رفاقت بھی نصیب ہوگی۔

چونکہ محبت کے بارے میں بہت سے لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہے اور وہ ناواقفی اور کم غور  
کی وجہ سے محبت و اطاعت کے باہمی لزوم کو پیش نظر نہیں رکھتے، اسلئے اس موقع پر تھوڑی سی  
تفصیل ضروری سمجھی گئی۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ اَحَبَّکَ وَحُبَّ رَسُوْلَکَ وَحُبَّ  
مَنْ یَّتَقَرَّبُ اَحَبَّہٗ عِنْدَکَ۔ (اللہ اللہ ہم کو اپنی اور اپنے رسول کی محبت عطا فرما، اور جن

بندوں کی محبت تیرے نزدیک ہمارے لئے نفع بخش ہو، اُن سب کی محبت ہم کو عطا فرما۔

## دینی اخوت اور اسلامی ہمدردی و غمخواری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اور آپ کی تعلیم ساری دنیا کیلئے آپ کی محبت ہے، آپ نے اللہ تعالیٰ کی عام مخلوق اور عام انسانوں کے ساتھ ترقی و تہذیب کے بارے میں اپنے مانتے والوں کو جو ہدایات دی ہیں اور جو نصیحتیں فرمائی ہیں، اُن میں سے بعض گذشتہ اوراق میں درج کی جا چکی ہیں، لیکن آپ کو اللہ کا پیغمبر ماننے والی امت چونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دینی رشتہ کے ذریعہ ایک برادری بنا دی گئی ہے، اور اب رہتی دنیا تک اس برادری ہی کو نبوت کی نیابت اور نمایندگی کرنی ہے، اور یہ تب ہی ممکن ہے جبکہ امت کے مختلف افراد اور عناصر دینی اخوت، علمی محبت، مخلصانہ ہمدردی وغیرہ خواہی اور بے غرضانہ تعاون کے ذریعہ ایک وحدت بنے رہیں، اور ان کے دل آپس میں پوری طرح جڑے رہیں، اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم میں اس پر خاص اہتمام ضرور دیا ہے۔۔۔۔۔ اس سلسلہ کے آپ کے زیادہ تر ارشادات تو وہ ہیں جن کا ہم معاشرت کے ابواب میں درج ہونا زیادہ مناسب ہوگا، لیکن دو ایک حدیثوں کا یہاں ”اخلاق کے سلسلہ ہی میں درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مسلمانوں میں باہم کیسی محبت و مودت اور کیسا تعلق ہونا چاہئے۔

(۱۴۵) عَنِ الثَّعْلَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَى لِمَوْمِنِينَ فِي تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادُّهِمْ وَتَعَاطِفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى عَضُّوا كُلُّهُ بِكُلِّ سَائِدَةٍ الْجَسَدِ بِالسَّهْمِ وَالْحَشَى

رواہ البخاری و مسلمہ۔

(ترجمہ) حضرت نعمان بن شثیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :- ایمان والوں کو باہم ایک دوسرے پر رحم کھانے، محبت کرنے اور شفقت و مہربانی کرنے میں تم جہم انسانی کی طرح دیکھو گے کہ جب اُسکے کسی ایک عضو کو جی تکلیف ہوتی ہے تو جسم کے باقی سارے اعضا بھی بخار اور بے خوابی میں اس کے شریکِ حال ہو جاتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو پر ایمان لانے والوں میں باہم ایسی محبت و مودت، ایسی ہمدردی اور ایسا دلی تعلق ہونا چاہئے کہ دیکھنے والی ہر آنکھ اُن کو اس حال میں دیکھے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک کسی مصیبت میں مبتلا ہو تو سب اس کو اپنی مصیبت سمجھیں، اور سب اس کی فکر و غمی میں شریک ہوں۔ اور اگر ایمان کے دعوے کے باوجود یہ بات نہیں ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ حقیقی اور کامل ایمان نصیب نہیں ہے۔ ایمان والوں کی یہی صفت قرآن مجید میں مَرَحَمًا وَبَيْنَهُمْ کے مختصر الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

(۱۴۶) عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ  
الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْأَنْثَىٰ يَشُدُّ بِعَضْمِهِ بَعْضُهَا ثُمَّ شَبَّكَ بَيْنَ  
أَصَابِعِهِ ————— (رواہ البخاری و مسلم۔)

(ترجمہ) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ :- ایمان والوں کا تعلق دوسرے ایمانی والوں سے ایک مضبوط عمارت کے اجزاء کا سا ہونا چاہئے کہ وہ باہم ایک دوسرے کی مضبوطی کا ذریعہ بنتے ہیں (اور اُن کے بڑے دھننے سے عمارت کھڑی رہتی ہے) پھر آپ نے (ایمان والوں کے اس باہمی تعلق کا نمونہ دکھانے کے لئے) اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں (اور بتایا کہ مسلمانوں کو اس طرح باہم مل کر ایک ایسی مضبوط دیوار بن جانا چاہئے جس کی اینٹیں باہم



پیوستہ اور ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہوں اہد کہیں ان میں کوئی خلا نہ ہو۔  
(بخاری و مسلم)

**باہم نفرت عداوت بغض و حسد اور بدگمانی و شامت کی غیرہ کی ممانعت :-**

مندرجہ بالا حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح مسلمانوں کو باہم محبت و  
بھائی کافرناؤ کرنے اور ایک حکیم و جان بن کر رہنے کی تاکید فرمائی ہے، اسی طرح اسکے خلاف براؤ  
کرنے، مثلاً ایک دوسرے کے ساتھ بدگمانی رکھنے، بدگوئی کرنے، بے تعلق رہنے، اس کی معیبت  
پر خوش ہونے، اس کو ایذا پہنچانے اور حسد یا کینہ رکھنے کی سخت مذمت اور انتہائی تاکیدیں کیساتھ  
ممانعت فرمائی ہے۔ اس سلسلہ کے آپ کے چند ارشادات یہ ہیں :-

(۱۳۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
رَأَيْتُكُمْ وَالظُّلْمَ فَإِنَّ الظُّلْمَ أَكْثَرُ الْحَدِيثِ وَلَا تَحْتَسِبُوا وَلَا  
تَحْتَسِبُوا وَلَا تَنَاجَشُوا وَلَا تَحَاكَمُوا وَلَا يَكْفُرُوا وَلَا تَكْلِفُوا  
وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ اخْوَاثًا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

(مگر جمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :- تم دوسروں کے متعلق بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی  
سب سے بھڑائی بات ہے، تم کسی کی کمزوریوں کی ٹوہ میں نہ رہا کرو، اور جاسوسوں کی  
طرح لا زارہ انداز طریقے سے کسی کے عیب معلوم کرنے کی کوشش بھی نہ کیا کرو، اور  
نہ ایک دوسرے پر بڑھنے کی بیجا ہوس کرو، نہ آپس میں حسد کرو، نہ بغض و کینہ رکھو  
اور نہ ایک دوسرے سے ٹھہ پھیرو، بلکہ اے اللہ کے بندو! اللہ کے حکم کے مطابق  
بھائی بھائی بن کر رہو۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں جن جن چیزوں سے ممانعت فرمائی گئی ہے، یہ سب وہ ہیں جو

دلوں میں بغض و عداوت پیدا کر کے آپس کے تعلقات کو خراب کرتی ہیں۔ سب سے پہلے آپ نے بدگمانی کا ذکر فرمایا۔ یہ ایک قسم کا جھوٹا دھم ہے، جو شخص اس بیماری میں مبتلا ہو اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ جس کسی سے اس کا ذرا سا اختلاف ہو اس کے ہر کام میں اس کو بدیتی ہی بدیتی معلوم ہوتی ہے، پھر محض اسی دھم اور بدگمانی کی بنا پر وہ اس کی طرف بہت سی ان ہونی باتیں منسوب کرنے لگتا ہے پھر اس کا اثر قدرتی طور پر ظاہری برتاؤ پر بھی پڑتا ہے، پھر اس دوسرے شخص کی طرف سے بھی اس کا رد عمل ہوتا ہے، اور اس طرح دل بھٹ جاتے ہیں، اور تعلقات ہمیشہ کے لئے خراب ہو جاتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بدگمانی کو "اَلْكَذِبُ اَلْاَعْدِيَّةُ" فرمایا ہے یعنی سب سے جھوٹی بات، بظاہر اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے غلات زبان سے اگر جھوٹی بات کہی جائے تو اس کا سخت گناہ ہونا ہر مسلمان جاننا ہے، لیکن کسی کے تعلق بدگمانی کو اتنی بُری بات نہیں سمجھا جاتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمایا کہ یہ بدگمانی بھی بہت بُرا بلکہ سب سے بُرا جھوٹ ہے، اور دل کا بڑا گناہ زبان والے جھوٹ سے کم نہیں ہے۔

اور جس طرح اس حدیث میں بدگمانی کی شاعت اور قباحت کو ان الفاظ سے ظاہر فرمایا گیا ہے، اُسی طرح ایک دوسری حدیث میں نیک گمانی کو بہترین عبادت بتایا گیا ہے، ارشاد ہے: "حَسَنُ الْعَلَقِ مِنْ حَسَنِ الْعِبَادَةِ" (رواہ احمد و ابوداؤد، عن ابی ہریرۃ)۔

پھر بدگمانی کے بعد اُردن جن جن بُری عادتوں سے اس حدیث میں ممانعت فرمائی گئی ہو۔ یعنی کسی کی کمزوریوں کی ٹوہ میں رہنا، دوسروں میں جھوٹ کا شبہ کرنا، ایک دوسرے پر نفرت کا اصل کرنے اور بڑھنے کی کوشش کرنا، کسی کو اچھے حال میں دیکھ کے اس پر حسد کرنا اور اس کی خوش حالی کو ٹھنڈی آنکھ نہ دیکھ سکتا وغیرہ وغیرہ۔ ان سب کا حال بھی یہی ہے کہ ان سے دلوں میں نفرت و عداوت کا بیج پڑتا ہے، اور ایمانی تعلق جس محبت و ہمدردی اور حسنِ نیت و یگانگت کو چاہتا ہے اس کا امکان بھی باقی نہیں رہتا۔

حدیث کے آخر میں جو فرمایا گیا ہے: ”اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو کر رہو۔“ اس میں اشارہ کیا کہ جب تم اپنے دلوں اور سینوں کو نفرت و عداوت پیدا کرنے والی ان بری حادثوں سے صاف رکھو گے تب ہی تم آپس میں بھائی بھائی بن کر رہ سکو گے۔

(۱۱۳۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ التَّقْوَى  
هَهُنَا \_\_\_\_\_ وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ كُنْتُ مِثْلَ \_\_\_\_\_ بِحَسْبِ عَمْرَةٍ  
مِنَ الشَّيْطَانِ يَحْقِرُ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ كُلَّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خِزَانَةٌ وَمَنْ  
وَمَالُهُ وَعِزُّهُ \_\_\_\_\_ رواه مسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اس پر کوئی ظلم و زیادتی نہ کرے (اور جب وہ اس کی مدد و اعانت کا محتاج ہو تو اس کی مدد کرے) اور اُس کو بے مدد کے نہ چھوڑے، اور اس کو حقیر نہ جانے، اور نہ اُس کے ساتھ حقارت کا برتاؤ کرے (کیا خبر ہے کہ اُس کے دل میں تقویٰ ہو، جس کی وجہ سے وہ اللہ کے نزدیک محترم ہو) پھر آپ نے تین بار اپنے سینہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: ”تقویٰ یہاں ہوتا ہے (جو مسلمان ہے کہ تم کسی کو اُس کے ظاہری حال سے معمولی آدمی سمجھو، اور اپنے دل کے تقویٰ کی وجہ سے وہ اللہ کے نزدیک محترم ہو، اُسے کبھی مسلمان کو حقیر نہ سمجھو) آدمی کے بڑا ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے، اور اُس کے ساتھ حقارت سے پیش آئے، مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان کیلئے قابلِ احترام ہے، اُس کا خون، اُس کا مال، اور اس کی آبرو (اُس کے ناسخ اُس کا خون گرا نا، اُس کا مال لینا، اور اس کی آبرو ریزی کرنا، یہ سب حرام ہیں)۔“

(صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں ہر مسلمان پر اس کے دوسرے مسلمان بھائی کا ایک یہ حق بھی بتایا گیا کہ جب وہ اس کی مدد کا محتاج ہو تو یہ اس کی مدد کرے، لیکن یہ اُسی صورت میں ہے جبکہ وہ حق پر ہو اور مظلوم ہو۔۔۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ: تمہارا بھائی اگر مظلوم ہو تو اُس کی مدد کرو، اور اگر ظالم ہو تو اُس کو ظلم سے روکو، اُس کو ظلم سے روکنا ہی اُس کی مدد کرنا ہے۔

ایمان والے بندوں کو ستانے والوں اور رسوا کرتی والوں کو سخت تنبیہ:-

(۱۴۹) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَعِدَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِنْبَرَ فَقَادَى بِحُجْرَتِهِ يَمُشُّ مَنْ أَسْكَمَ لِسَانَهُ وَلَمْ يُغْنِ الْإِيمَانُ إِلَى قَلْبِهِ لَا تُؤْذِلُ الْمُسْلِمِينَ وَلَا تُعَيِّرُوهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا هَوَايَا هُمْ فَإِنَّهُ مَنْ يَتَّبِعْ هَوَايَايَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعِ اللَّهُ هَوَايَايَ وَمَنْ يَتَّبِعِ اللَّهُ هَوَايَايَ يَفْضَحْهُ وَلَوْ رَفِيَ جَوْفَ رَحْلِهِ۔۔۔ رواه الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے، اور آپ نے بلند آواز سے پکارا اور فرمایا:- اے وہ لوگو جو زبان سے اسلام لائے ہو، اور ان کے دلوں میں ابھی ایمان پوری طرح اترا نہیں ہے، مسلمان بندوں کو ستانے سے، اور ان کو عار دلانے اور شرمندہ کرنے، اور ان کے چہرے بوئے عیبوں کے پیچھے پھرنے سے باز رہو، کیونکہ اللہ کا قانون ہے کہ جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کے پیچھے عیبوں کے پیچھے پڑے گا، اور اس کو رسوا کرنا چاہے گا، تو اللہ تعالیٰ اُس کے عیب کے پیچھے پڑے گا، اور جس کے عیب کے پیچھے اللہ تعالیٰ پڑے گا، وہ اس کو ضرور رسوا کرے گا (اور وہ رسوا ہو کر رہے گا) اگرچہ اپنے گھر کے اندر ہی ہو۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) جب حقیقی ایمان کسی کے دل میں اتر جاتا ہے تو اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی پر اپنے انجام کی فکر غالب ہو جاتی ہے، اور وہ اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کے بارے میں محتاط ہو جاتا ہے، خاص کر اللہ کے جو بندے سچے ایمان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق جوڑ چکے ہوں ان کے بارے میں اور بھی زیادہ محتاط ہو جاتا ہے، ان کو ستانے، ان کا دل دکھانے، ان کی پچھلی برائیوں کا ذکر کر کے ان کو شرمندہ کرنے، اور ان کی زندگی کے پیچھے ہوئے کمزور پہلوؤں کی ٹوہ لگانے سے باز رہتا ہے لیکن اگر دل میں ایمان کی حقیقت نہ اتری ہو، اور صرف زبان سے اسلام کی باتیں ہوں، تو آدمی کمال اسکے برعکس ہوتا ہے، وہ اپنی فکر کے بجائے دوسروں کے عیب ڈھونڈتا ہے، خاص کر اللہ کے ان بندوں کے پیچھے پڑتا ہے، جو اللہ کے ساتھ ایمان اور عبادت کا تعلق قائم کر چکے ہوتے ہیں، ان کو لوگوں کی نظروں سے گرائنا چاہتا ہے، ان کی غلطیوں کی تشہیر کرتا ہے، ان کو بدنام اور ذلیل کرنا چاہتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ایسے لوگوں کو آگاہ کیا ہے، کہ وہ اس حرکت سے باز رہیں، اللہ کے ایمان والے بندوں کو بدنام کرنے اور ان کے مقام کو گرائنے، اور ان کے پیچھے ہوئے کمزور پہلوؤں کو اچھالنے کے شغل کو ترک کریں، ورنہ آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی وہ ذلیل کئے جائیں گے، اور دُلت و رسوائی کی مار ان پر ضرور پڑے گی، اگر بالفرض دُلت و رسوائی سے بچنے کے لئے وہ خانہ نشین ہو کے بھی بیٹھیں گے، تو اللہ ان کو ان کے گھر کی چار دیواری ہی میں رسوا کرے گا۔

پہلوں خدا خواہ کہ پڑو کس دردِ میلش اندر طعنے پا کاں بُرد

حسد کے بارے میں خاص نصیحت :-

(۱۵۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ۔  
(رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت

کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا — تم حسد کے مرض سے بہت بچو حسد آدمی کی نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) تجربہ بھی شاہد ہے کہ جس کے دل میں حسد کی آگ بھڑکتی ہے وہ اسی کے ہر پہر رہتا ہے کہ جس کی خوشحالی پر اس کو حسد ہے کسی طرح اس کو کوئی نقصان پہونچائے، اس کو بے آبرو کرے، پھر اگر کچھ بس نہیں چلتا تو اس کی غیبت ہی کر کر کے دل کی آگ بجھانا چاہتا ہے، اور جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری حدیثوں سے معلوم ہوا ہے اس کا کم از کم یہ نتیجہ تو ضرور ہی ہوگا کہ قیامت میں اس غیبت کرنے والے حاسد کی نیکیاں اس محمود دینندے کو ولادی جائیں گی۔ نیکیوں کو حسد کے کھا جانے کی یہ آسان توجیہ ہے۔

(۱۵۱) عَنِ النَّبِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
دَبَّ إِلَيْكُمْ دَاءُ أَكْمَرِكُمْ قَتَلَكُمْ أَحْسَدُكُمْ وَابْتِغَاءُ عَمَلِكُمْ لِحَالِقَةٍ  
لَا أَقُولُ تَخْلُقُ الشَّعْرَ وَلَكِنْ تَخْلُقُ الدَّيْنَ

(مسند احمد والترمذی)

(ترجمہ) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ اگلی امتوں کی ہلاک بیماری یعنی حسد و بغض تمھاری طرف چلی آ رہی ہے، یہ بالکل صفایا کر دینے والی اور مونڈ دینے والی ہے (پھر اپنا مقصد واضح کرتے ہوئے اپنے فرمایا) میرے اس کھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ بالوں کو مونڈنے والی ہے، بلکہ یہ مونڈتی ہے اور بالکل صفایا کر دیتی ہے دین کا۔

(مسند احمد، جامع ترمذی)

(تشریح) صحابہ کرام کے متعلق اللہ علیہم و آلہم و سلم کی یہ شہادت قرآن مجید میں مختصراً ہے کہ وہ ایک دوسرے پر شفیق اور مہربان ہیں ”رَحِمْنَا وَبَيْنَهُمْ“ دوسری جگہ فرمایا گیا ہے کہ



وَبَيْنَ آخِرِهِ شَعْنَاءُ يُقَالُ أَتْرَكُوا هَذَيْنِ كَيْفَ يَفِينَا

(دریاد مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہر ہفتہ میں دو دن دوشنبہ اور پنجشنبہ کو لوگوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں، تو ہر بندہ مومن کی معافی کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ سوائے اُن دو آدمیوں کے جو ایک دوسرے سے کینہ رکھتے ہوں پس اُن کے بارے میں حکم دیدیا جاتا ہے کہ ان دونوں کو پھوڑے رکھو (یعنی ان کی معافی نہ لکھو) جب تک کہ یہ آپس کے اس کینہ اور باہم دشمنی سے باز نہ آویں اور دلوں کو صاف نہ کر لیں۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث کی تشریح ایک دوسری روایت سے ہوتی ہے جس کو امام منذری نے ترقیب و ترمیم میں اوسط طبرانی کے حوالہ سے نقل کیا ہے، اس میں فرمایا گیا ہے کہ: ہر دوشنبہ اور پنجشنبہ کو لوگوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں، تو جس نے اللہ سے بخشش اور معافی مانگی ہوتی ہے اس کو معافی دی جاتی ہے، اور جس نے توبہ کی ہوتی ہے اس کی توبہ قبول کی جاتی ہے، لیکن باہم کینہ رکھنے والوں کے اعمال اُن کے کینہ کے سبب لوٹا دیئے جاتے ہیں (یعنی ان کی معافی اور توبہ کی قبولیت کا فیصلہ بھی نہیں کیا جاتا) جب تک کہ وہ اس سے باز نہ آئیں۔

اس ضمنوں کی چند اور حدیثیں بھی ہیں، ان سب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس مسلمان کے دل میں دوسرے مسلمان بھائی کے لئے کینہ ہوگا جب تک وہ اس کینہ سے اپنے دل اور سینے کو صاف پاک نہ کرے، اس وقت تک وہ اللہ کی رحمت و مغفرت کا مستحق نہ ہوگا۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ۔

شہادت کی سزا :-

(۱۵۳) عَنْ وَائِلَةَ بِنْتِ إِسْحَاقَ سَمِعَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ



عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُظْهِرُ الشَّمَانَةَ بِأَخِيكَ فِيمَا فِيهِ وَاللَّهُ وَيَسْتَلِيكَ

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت واثلہ بن الاسقع سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم اپنے کسی بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار مت کرو (اگر ایسا کرو گے تو ہو سکتا ہے کہ) اللہ اس کو اس مصیبت سے نجات دیدے اور تم کو مبتلا کر دے۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) جب دو آدمیوں میں اختلاف پیدا ہوتا ہے، اور وہ ترقی کر کے دشمنی اور عداوت کی حد تک پہنچ جاتا ہے، تو یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک کے مبتلائے مصیبت ہونے سے دوسرے کو خوشی ہوتی ہے اس کو شامت کہتے ہیں، حسد اور بغض کی طرح یہ خبیث عادت بھی اللہ تعالیٰ کو سخت ناگوار کرنے والی ہے، اور اللہ تعالیٰ بسا اوقات دنیا ہی میں اس کی سزا اس طرح دیدیتے ہیں کہ مصیبت کو مصیبت سے نجات دے کے اس پر خوش ہونے والے کو مبتلائے مصیبت کر دیتے ہیں۔

## نرم مزاجی اور درشت خوئی :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق کے سلسلہ میں جن باتوں پر خاص طور سے زور دیا ہے، اور آپ کی اخلاقی تعلیم میں جن کو خاص اہمیت حاصل ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ وہ لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئے، اور درشتی اور سختی کا رویہ اختیار نہ کرے، اس سلسلہ کے آپ کے چند ارشادات یہاں پڑھئے :-

(۱۵۴) عَنْ حَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

قَالَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى رَفِيقٌ يَحِبُّ الرِّفْقَ وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ

مَا لَا يُعْطَى عَلَى الْعُتْفِ وَمَا لَا يُعْطَى عَلَى مَا سِوَاهِ

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- اللہ تعالیٰ خود ہر بان ہے (نرمی اور ہر بانی کرنا اُس کی ذاتی صفت ہے) اور نرمی اور ہر بانی کرنا اس کو محبوب بھی ہے (یعنی اُس کو یہ بات پسند ہے کہ اسکے بندے بھی آپس میں نرمی اور ہر بانی کا برتاؤ کریں) اور نرمی پر وہ اتنا دیتا ہے جتنا کہ درستی اور سختی پر نہیں دیتا، اور جتنا کہ نرمی کے مساوی کسی چیز پر بھی نہیں دیتا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) بعض لوگ اپنے مزاج اور معاملہ اور برتاؤ میں سخت ہوتے ہیں، اور بعض لوگ نرم اور ہر بان، اور نا آشنا یا ان حقیقت سمجھتے ہیں کہ سخت گیری سے آدمی وہ حاصل کر لیتا ہے جو نرمی سے حاصل نہیں کر سکتا، گویا ایسے لوگوں کے خیال میں سخت گیری کا برابری کا وسیلہ اور مقاصد میں کامیابی کی کنجی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد میں اس غلط خیال کی بھی اصلاح فرمائی ہے۔

سب سے پہلے تو اپنے نرم خوئی کی عظمت اور رفعت یہ بیان فرمائی، کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے، اسکے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ محبوب ہے کہ اسکے بندوں کا باہمی معاملہ اور برتاؤ بھی نرمی کا ہو۔ پھر آخر میں آپ نے فرمایا کہ مقاصد کا پورا ہونا نہ ہونا، اور کسی چیز کا ملنا نہ ملنا تو اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت پر موقوف ہے، جو کچھ ہوتا ہے اسی کے فیصلہ اور اسی کی مشیت سے ہوتا ہے اور اس کا قانون یہ ہے کہ وہ نرمی پر اس قدر دیتا ہے جس قدر کہ سختی پر نہیں دیتا، بلکہ نرمی کے علاوہ کسی چیز پر بھی اللہ تعالیٰ اتنا نہیں دیتا جتنا کہ نرمی پر دیتا ہے، اسلئے اپنے منافع اور مصالح کے نقطہ نظر سے بھی اپنے تعلقات اور معاملات میں آدمی کو نرمی اور ہر بانی ہی کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ دوسرے لفظوں میں اسی کو یوں کہہ لیجئے کہ جو شخص چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر ہر بان ہو، اور اسکے کام پورے کرے، اس کو چاہئے کہ وہ دوسروں کے حق میں ہر بان ہو، اور بجائے سخت گیری کے نرمی کو اپنا اصول اور اپنا طریقہ بنائے۔

(۱۵۵) عَنْ جُرَيْجٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ يُحْسِنُ مَرَاتِقَهُ يُحْسِنُ مَرَاتِلَهُ  
 رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت جریر سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جو آدمی نرمی کی صفت سے محروم کیا گیا وہ سارے غیر سے محروم کیا گیا۔  
 (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ نرمی کی صفت اتنی بڑی خیر ہے اور اس کا دھڑا اتنا بلند ہے کہ جو اس سے محروم رہا، گویا وہ اچھائی اور بھلائی سے یکسر محروم اور خالی ہاتھ رہ گیا۔ یوں کہا جائے کہ انسان کی اکثر اچھائیوں اور بھلائیوں کی جڑ بنیاد اور ان کا سرچشمہ چونکہ اس کا نرم مزاجی ہے لہذا جو شخص اس سے محروم رہا، وہ ہر قسم کے خیر اور اچھائی اور بھلائی سے محروم رہے گا۔

(۱۵۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَعْطِيَ حَقَّهُ مِنْ الرِّفْقِ أَعْطِيَ حَقَّهُ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَلَا لِحِرَّةٍ وَمَنْ حُرِمَ حَقَّهُ مِنَ الرِّفْقِ حُرِمَ حَقَّهُ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَلَا لِحِرَّةٍ  
 رواہ البغوی فی شرح السنہ۔

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نرمی کی نصبت کا اپنا حصہ مل گیا اس کو دنیا اور آخرت کے غیر میں سے حصہ مل گیا، اور جس کو نرمی نصیب نہیں ہوئی، وہ دنیا اور آخرت میں غیر کے حصے سے محروم رہا۔

(۱۵۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْبِدُ اللَّهُ بِأَهْلِ بَيْتٍ رِفْقًا إِلَّا نَفَعَهُمْ وَلَا يَحْرِمُهُمْ إِلَّا آثًا  
 رواہ ابی یحییٰ فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ نہیں ارادہ کرنا اللہ تعالیٰ کسی گھر کے لوگوں کے لئے  
 نرمی کی صفت عطا کرنے کا، مگر ان کو نفع پہنچاتا ہے اسکے ذریعہ، اور نہیں محروم  
 کرتا کسی گھر کے لوگوں کو نرمی کی صفت سے، مگر یہ کہ ضرر پہنچاتا ہے ان کو۔  
 (شعب الایمان للسیوطی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عام سنت اور اس کا کلی قانون ہے کہ جس  
 گھر کے لوگوں کو وہ نرمی کی خصلت عطا فرماتا ہے ان کے لئے یہ نرمی بہت سی منفعتوں اور برکتوں کا  
 ذریعہ بنتی ہے، اور جن لوگوں کو وہ اس اچھی خصلت سے محروم رکھتا ہے ان کے لئے یہ محرومی بہت سی  
 نقصانات اور بہت سی زحمتوں کا سبب بنتی ہے۔

انسان کی خصلتوں میں نرمی اور سختی کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کے استعمال کا دائرہ بہت  
 زیادہ وسیع ہے جس شخص کے مزاج اور رویہ میں سختی ہوگی وہ اپنے گھر والوں، بیوی بچوں، عزیزوں  
 قریبیوں کے لئے سخت ہوگا، پڑوسیوں کے حق میں سخت ہوگا، اگر استاد ہے تو شاگردوں کے حق میں  
 سخت ہوگا، اسی طرح اگر حاکم اور افسر ہے تو محکموں اور ماتحتوں کے حق میں سخت ہوگا، غرض کہ  
 زندگی میں جہاں جہاں اور جن جن سے اس کا واسطہ پڑے گا ان کے ساتھ اس کا رویہ سخت ہوگا،  
 اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی زندگی خود اس کے لئے اور اس سے تعلق رکھنے والوں کے لئے متقل  
 عذاب ہوگی۔ اور اسکے برعکس جس بندہ کے مزاج اور رویہ میں نرمی ہوگی وہ گھر والوں،  
 پڑوسیوں، افسروں، ماتحتوں، شاگردوں، استادوں، اپنوں، بیگانوں، غرض کہ سب کے ساتھ نرم ہوگا  
 اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس نرمی کی بدولت وہ خود بھی راحت سے رہے گا، اور دوسروں کیلئے  
 بھی راحت اور سکون کا باعث ہوگا، پھر یہ نرمی باہم محبت و مودت پیدا کرے گی اور اکرام و احترام  
 اور خیر خواہی کے جذبات کو ابھارے گی، اور اسکے برعکس دہشت مزاجی اور تند خوئی دلوں میں  
 بغض و عداوت پیدا کرے گی، اور حسد و بدخواہی اور جنگ و جدل کے مخوس جذبات کو بڑھائے گی،  
 سختی اور نرمی کے یہ تو چندہ ذریعہ نتائج ہیں جن کا ہم مذکورہ اپنی فہم میں خود

اپنے ماحول میں تجربہ اور مشاہدہ کرتے رہتے ہیں (اور تھوڑے سے غور و فکر سے بہت سے ان سے بڑے اور دور رس نتائج کو بھی سمجھ سکتے ہیں)۔ ان کے علاوہ اس نرم مزاجی اور درشت خوئی کے جو بچہ عظیم الشان اخروی نتائج آخرت کی زندگی میں سلسلے آنے والے ہیں، ان کا تجربہ اور مشاہدہ تو اپنے وقت پر ہی ہو گا، لیکن اس دنیوی زندگی میں آخرت کے نفع و نقصان اور ثواب و عذاب کو جتنا کچھ ہم جان آہد سمجھ سکتے ہیں، اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سلسلہ کے ارشادات ہمارے لئے کافی ہیں۔

(۱۵۸) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَكَلْتُ خُبْزَ كَثْرِي مِمَّنْ يَخْدُمُهُ كُلُّ النَّارِ وَمِمَّنْ تَعْمُرُ النَّارُ عَلَيْهِ عَلَى كُلِّ مَيِّتٍ لَيْتِي قَرِيبٌ سَعِيلٌ

(دواء ابوداؤد والترمذی)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو ایسے شخص کی خبر نہ دوں جو دنیا کیسے حرام ہے، اور دوزخ کی آگ اس پر حرام ہے؟ (میں نے بتایا ہوں، دوزخ کی آگ حرام ہے، ہر ایسے شخص پر جو مزاج کا تیز نہ ہو، نرم ہو، لوگوں سے قریب نہ ہو، اللہ ہو، نرم ہو۔

(تشریح) اس حدیث میں مَیِّتٌ، لَیْتِی، قَرِیبٌ، سَعِیلٌ یہ چاروں لفظ قریب المعنی ہیں، اور نرم مزاجی کے مختلف پہلوؤں کی یہ ترجمانی کرتے ہیں۔ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ جو آدمی اپنے مزاج اور رویہ میں نرم ہو، اور اپنی نرم خوئی کی وجہ سے لوگوں سے خوب ملنا جلتا ہو، دُور دور الگ الگ نہ رہتا ہو، اور لوگ بھی اس کی اس اچھی اور شیریں خلعت کی وجہ سے اس سے بے تکلف اور محبت سے ملتے ہوں، جس سے بات اور معاملہ کرتا ہو، نرمی اور قربانی سے کرتا ہو، ایسا شخص جلتی ہے، اور دوزخ کی آگ اس پر حرام ہے۔

شرح حدیث کے اسی سلسلہ میں بار بار ذکر کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید کے نصوص اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل تعلیم و تربیت سے صحابہ کرام کے ذہن میں چونکہ یہ بات پوری طرح راسخ ہو چکی تھی (اور دین کی صرف ضروری درجہ کی بھی واقفیت رکھنے والا ہر شخص آج بھی اتنی بات جانتا ہے) کہ اس قسم کی بشارتوں کا تعلق صرف ان ہی لوگوں سے ہے جو ایمان رکھتے ہوں اور دین کے لازمی مطالبات ادا کرتے ہوں، اسلئے اس قسم کی بشارتوں کی کثرت عموماً اس شرط کو الفاظ میں ذکر نہیں کیا جاتا۔۔۔۔۔ (اور بشارت کے موضوع کیلئے یہی سنا سب سے)۔ لیکن ذہنوں میں یہ شرط ملحوظ اور محفوظ رہنی چاہئے، یہ ایک مسلمہ ایمانی حقیقت ہے کہ ایمان کے بغیر اللہ کے یہاں اعمال اور اخلاق کی کوئی قیمت نہیں۔

(۱۵۹) عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهَبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ الْجَوَّاظُ وَلَا الْجَعَثَرِيُّ

(رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) حارث بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: سخت گو اور درشت خواہی جنت میں نہیں جائے گا۔

(ابوداؤد)

(تشریح) حدیثوں میں کبھی کبھی کسی بُرے عمل یا بُری عادت کی برائی بیان کرنے کے لئے اور لوگوں کو اس سے بچانے کے لئے یہ انداز بیان بھی اختیار کیا جاتا ہے کہ "اس عمل یا عادت والا آدمی جنت میں نہ جاسکے گا" اور مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ عمل اور یہ عادت شانِ ایمان کے خلاف اور جنت کے راستہ میں رکاوٹ بننے والی ہے اسلئے جنت کے طلب گار اہل ایمان کو اس سے پورے اہتمام سے بچنا چاہئے۔

حارث بن وہب کی اس حدیث کا مقصد بھی یہی ہے کہ سخت گوئی اور درشت خوئی ایمان کے مفانی اور جنت کا راستہ روکنے والی نہایت منحوس عادتیں ہیں جو کسی مسلمان میں نہ ہونی چاہئیں

اور ان ناپاک عادتوں والے لوگ سچے مومنین کی طرح اور ان کے ساتھ جنت میں جا سکیں گے۔

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم مزاجی :-

(۱۶۰) عَنْ أَنَسٍ قَالَ خَدَمْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِينَ بِالْمَدِينَةِ وَأَنَا غُلَامٌ لَبَسْتُ كُلَّ أَمْرِي كَمَا يَسْتَعِينُ صَاحِبِي أَنْ يَكُونَنَّ عَلَيْهِ مَا قَالَ لِي فِيهَا أَمْرٌ فَقَطَّ وَمَا قَالَ لِي لَمْ فَعَلْتُ هَذَا أَوْ لَا فَعَلْتُ هَذَا ————— رواه ابوداؤد۔

(تمہ مجھے) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں مدینہ میں دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا، اور میں نو عمر لڑکا تھا اس لیے میرا ہر کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے بالکل مطابق نہیں ہوتا تھا، (یعنی نو عمری کی وجہ سے مجھ سے بہت سی کوتاہیاں بھی ہو جاتی تھیں) لیکن دس سال کی اس مدت میں کبھی آپ نے اُن کہہ کے بھی مجھے نہیں ڈانٹا، اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کیا، یا کیوں نہیں کیا۔

(تفسیر فتح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس وقت حضرت انس کی عمر تقریباً دس سال کی تھی، ان کی والدہ اُمّ سلمہ نے اُن کو مستغلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دے دیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری روز جیتا تک یہ آپ کی خدمت میں رہے، اُن ہی کا یہ بیان ہے کہ نو عمری اور لڑکپن کی وجہ سے آپ کے کاموں میں مجھ سے بہت سی کوتاہیاں بھی ہو جاتی تھیں، لیکن کبھی آپ نے مجھے کسی غلطی اور قصور پر آفت تک نہیں کہا، اور کبھی مجھ پر غصہ نہیں فرمایا۔ ————— بلاشبہ یہ بہت بڑی اور بہت مشکل بات ہے، لیکن ہم امتیوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ یہی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نرم مزاجی، اور بردباری کا کوئی حصہ ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

حلم و بردباری یعنی غصہ نہ کرنا اور غصہ کو پی جانا :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو جن اخلاق کی تاکید و اہتمام کے ساتھ تعلیم دی اُن میں سے ایک حلم و بردباری بھی ہے :-

(۱۶۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَغْضَبْ فَتَذْذَلِكَ مِنْكَ قَالَ لَا تَغْضَبْ  
رواہ البخاری

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ :- حضرت! مجھے کوئی وصیت فرمائیے ۔۔۔  
آپ نے اِشاد فرمایا کہ :- غصہ مت کیا کرو ۔۔۔ اُس شخص نے پھر اپنی دہی درخواست کئی بار دہرائی کہ :- حضرت مجھے اور وصیت فرمائے ۔۔۔ مگر آپ نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ :- غصہ مت کیا کرو۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وصیت کی درخواست کر نیوالے یہ صاحب کچھ غیر معمولی قسم کے تیز مزاج اور مغلوب الغضب تھے، اور اس وجہ سے اُن کیلئے مناسب ترین اور مفید ترین وصیت اور نصیحت یہی ہو سکتی تھی کہ ”غصہ نہ کیا کرو“ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار ان کو یہی ایک نصیحت فرمائی ۔

اور یہ بھی واقعہ ہے کہ بری حالتوں میں غصہ نہایت ہی خطرناک اور بہت ہی بد انجام عادت ہے۔ غصہ کی حالت میں آدمی کو نہ اللہ تعالیٰ کی حدود کا خیال رہتا ہے نہ اپنے نفع اور نقصان کا۔ تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ انسان پر شیطان کا قابو جیسا غصہ کی حالت میں چلتا ہے ایسا شاید کسی دوسری حالت میں نہیں چلتا، گویا اس وقت انسان اپنے بس میں نہیں ہوتا، بلکہ شیطان کی مٹھی میں ہوتا ہے، حد یہ ہے کہ غصہ کی حالت میں آدمی کبھی کبھی کفر یہ کلمات بھی



کہنے لگتا ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ ”غصہ دین و ایمان کو اس طرح خراب کرتا ہے جس طرح کہ ایلو اشہد کو خراب اور بالکل ہی کر دوا کرتا ہے“ (یہ حدیث کتاب الایمان میں درج کی جا چکی ہے)۔

لیکن واضح رہے کہ شریعت میں جس غصہ کی ممانعت اور سخت مذمت کی گئی ہے اس سے مراد وہی غصہ ہے جو نفسانیت کی وجہ سے ہوا اور جس سے مطلوب ہو کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی حدود اور شریعت کے احکام کا پابند نہ رہے، لیکن جو غصہ اللہ کیلئے اور حق کی بنیاد پر ہو، اور اس میں حدود سے تجاوز نہ ہو، بلکہ بندہ اس میں حدود اللہ کا پورا پابند رہے، تو وہ کمال ایمان کی نشانی اور جلال خداوندی کا عکس ہے۔

### غصہ میں نفس پر قابو رکھنے والا حقیقی پہلوان ہے:-

(۱۴۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
لَيْسَ الشَّدِيدُ بِدَيٍّ بِالْقَوِيَّةِ إِلَّا تَمَّا الشَّدِيدُ الْكَذِبِيُّ يَمْلِكُ نَفْسَهُ  
عِنْدَ الْغَضَبِ (رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- پہلوان اور طاقت ور وہ نہیں ہے جو مد مقابل کو پچھاڑے بلکہ پہلوان اور شہ زور درحقیقت وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔

(بخاری ومسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ آدمی کا سب سے بڑا اور بہت ہی مشکل سے زیر ہونے والا دشمن اس کا نفس ہے، جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ: ”أَعْدَى عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِي بَيْنَ جَنْبَيْكَ“ (تیرا سخت ترین دشمن خود تیرا نفس ہے) اور معلوم ہے کہ خاص کر غصہ کے وقت اس کا قابو میں رکھنا نہایت ہی مشکل ہوتا ہے، اسلئے فرمایا گیا ہے کہ طاقت ور اور پہلوان کہلانے کا اصلی حقدار

وہی مرد خدا ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے، اور نفسا تیرت اس سے کوئی بیجا حرکت اور کوئی غلط کام نہ کرا سکے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول کا مطالبہ یہ نہیں ہے کہ بندہ کے دل میں وہ کیفیت ہی پیدا نہ ہو جس کو غیظ، غضب اور غصہ کے لفظوں سے تعبیر کیا جاتا ہے (کیونکہ کسی سخت ناگوار بات پر دل میں اس کیفیت کا پیدا ہو جانا تو بالکل قطعی بات ہے، اور اس سے انبیاء علیہم السلام بھی مستثنیٰ نہیں ہیں) البتہ مطالبہ یہ ہے کہ اس کیفیت کے وقت بھی نفس پر پورا قابو رہے ایسا نہ ہو کہ اس سے مغلوب ہو کر آدمی وہ حرکتیں کرنے لگے جو شانِ بندگی کے خلاف ہوں۔

### غصہ کے وقت کیا کیا جائے :-

(۱۶۳) عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ  
إِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ قَائِمٌ فَلْيَجْلِسْ فَإِنْ ذَهَبَ عَنْهُ  
الْغَضَبُ وَإِلَّا فَلْيَصْطَبِحْ (رواه احمد والنسائي)

(ترجمہ) حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو چاہئے کہ بیٹھ جائے، پس اگر بیٹھنے سے غصہ فرو ہو جائے تو فہما اور اگر پھر بھی غصہ باقی رہے تو چاہئے کہ لیٹ جائے۔ (مسند احمد جامع ترمذی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کو فرو کرنے کی یہ ایک نفسیاتی تدبیر بتلائی جو بلاشبہ نہایت کارگر ہے، علاوہ اسکے اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ غصہ میں آدمی سے جو بیجا حرکتیں اور جو لغویات سرزد ہو سکتی ہیں، کسی جگہ جم کر بیٹھ جانے سے ان کا امکان بہت کم ہو جاتا ہے اور پھر لیٹ جانے سے ان کا امکان اور کم سے کم ہو جاتا ہے۔

(۱۶۴) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ



کارگر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ غصہ کی حدت اور تیزی کی حالت میں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد یاد آجائے، اور اسی وقت اٹھ کے اچھی طرح پورے آداب کے لحاظ کے ساتھ وضو کر لیا جائے تو غصہ کی حدت میں فوراً سکون پیدا ہو جائے گا، اور بالکل ایسا محسوس ہوگا کہ وضو کا پانی براہِ راست غصہ کی بھڑکتی ہوئی آگ پر پڑا۔

### اللہ کیلئے غصہ کو پی جانے کی فضیلت اور اس کا صلہ :-

(۱۶۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَجِدُ عَمْدًا أَفْضَلَ عِنْدَ اللَّهِ حَقَّ وَجَلَّ مِنْ جَمْعَةٍ غَيِّطٍ يَكْظُمُهَا ابْتِغَاءَ رَحْمَةِ اللَّهِ تَعَالَى ————— دوا ابو احمد۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: کسی بندہ نے کسی چیز کا کوئی گھونٹ ایسا نہیں پیا جو اللہ کے نزدیک غصہ کے اس گھونٹ سے افضل ہو، جسے کوئی بندہ اللہ کی رضا کی خاطر پی جائے۔ (مسند احمد)

(تشریح) غصہ کو پی جانا جس طرح اردو زبان کا محاورہ ہے اسی طرح عربی زبان کا بھی یہی محاورہ ہے، بلکہ اردو میں یہ محاورہ غالباً عربی ہی سے آیا ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ پینے کی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کا پینا اللہ کی رضا کا باعث ہو سکتا ہے، لیکن ان میں میں افضل ترین اللہ کی رضا جوئی کی خاطر غصہ کو پی جانا ہے۔

جن خوش خصال اور پاکیزہ صفات بندوں کے لئے جنت آراستہ کی گئی ہے، قرآن مجید میں ان کی ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ :-

وَالَّذِينَ كَانُوا عَلَى الْغَضِّ وَالْعَافِيَةِ

غصہ کو پی جانے والے اور دوسرے کی زیادتی

عَنِ النَّفَاسِ ————— یاد دوسرے کے قصور کو معاف کر دینے والے

(۱۶۷) عَنْ سَهْلِ بْنِ مَعَاذٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَظَمَ غَيْضًا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَى أَنْ يُنْفِذَهُ دَعَاهُ اللَّهُ عَلَى رُؤْسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُخَيَّرَ فِي أَعْيِ الْأَمْحُورِ شَاءَهُ  
(رواه الترمذی و ابوداؤد)

(ترجمہ) سهل بن معاذ اپنے والد ماجد حضرت معاذ (رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جو شخص پی جائے غصہ کو اور نکالے اس میں اتنی طاقت اور قوت ہے کہ اپنے غصہ کے تقاضے کو وہ نافذ اور پورا کر سکتا ہے لیکن اسکے باوجود محض اللہ کے لئے اپنے غصہ کو پی جاتا ہے اور جس پر اس کو غصہ ہے اس کو کوئی سزا نہیں دینا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ساری مخلوق کے سامنے اس کو بلائیں گے اور ان کو سنائیں گے کہ حور بن جنت میں سے جس حور کو چاہے اپنے لئے انتخاب کر لے۔ (جامع ترمذی سنن ابی داؤد)

(تشریح) تجرید شاہد ہے کہ غصہ کی شدت کے وقت آدمی کے دل کی انتہائی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے غصہ کے تقاضے کو پورا کر ڈالے پس جو بندہ قدرت کے باوجود محض اللہ کی رضا کے لئے اپنے دل کی اس انتہائی خواہش کو دنیا میں قربان کرے گا، اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کی جزا اس شکل میں عطا فرمائیں گے کہ ساری مخلوق کے سامنے اس کو بلا کر فرمایا جائے گا کہ اپنے دل کی پیامت کی اس قربانی کے بدلے آج حور بن جنت میں سے جو چاہا ہو اپنے لئے انتخاب کر لو۔

(۱۶۸) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَزَنَ لِسَانَهُ سَكَرَ اللَّهُ مَحْوَرَتَهُ وَمَنْ كَفَّ غَضَبَهُ كَفَّ اللَّهُ عَنْهُ عَذَابَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ اعْتَدَلَ لِيَالِي اللَّهِ فَيَلِيَ اللَّهُ عَنْهُ دَعَاً -

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا۔ جو کوئی (دوسروں کی بدگوئی وغیرہ بُری باتوں سے) اپنی زبان روکے گا اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائے گا (یعنی اسے عیوب اور اس کی بُرائیاں دوسروں پر نہیں کھلنے دے گا) اور جو کوئی اپنے غصہ کو روکے گا، اوپر پی جائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے اپنے عذاب کو روکے گا، اور وہ عذاب سے بچ جائے گا، اور جو بندہ اپنی تقصیر کی معذرت اللہ کے حضور میں کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی معذرت قبول فرمائے گا (اور اس کو معاف فرما دے گا)۔

شمس الايمان للبيهقي

حلم و بردباری اللہ کی محبوب صفات میں سے ہے :-

(۱۶۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالَ كِلَيْهِمَا عَبْدَ الْقَيْسِ إِنَّ قَيْسَ لَخَصْلَتَيْنِ بُحْبُوحُهُمَا اللَّهُ لَيُحْلِمُهُمَا وَلَا يَكَاَهُمَا ----- رواه مسلم۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ قبیلہ عبدالقیس کے سردار اشج سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پسندیدہ ہیں :- ایک بردباری (غصہ سے مغلوب نہ ہونا) اور دوسرے جلدی نہ کرنا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) قبیلہ عبدالقیس کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے مدینہ طیبہ آیا، اس وفد کے سارے لوگ اپنی سواریوں سے کود کود کر جلدی سے حضور کی خدمت میں پہنچ گئے، لیکن رئیس وفد جن کا نام منذر اور عرف اشج تھا، انھوں نے یہ جلد بازی نہیں کی، بلکہ اتر کے پہلے سارے سامان کو کجا اور محفوظ کیا، پھر غسل کیا اور کپڑے تبدیل کئے، اور اس کے بعد مقامت اور وقار کے ساتھ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے

اس رویہ کو پسند فرمایا اور اسی موقع پر ان سے یہ ارشاد فرمایا کہ: تم میں یہ دو خصلتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت پیاری اور محبوب ہیں۔ ایک حلم (بردباری) یعنی غصہ سے مغلوب نہ ہونا، اور غصہ کے وقت اعتدال پر قائم رہنا، اور دوسری اناۃ یعنی کاموں میں جلد بازی اور بے مبری نہ کرنا، بلکہ ہر کام کو متانت اور وقار کے ساتھ اطمینان سے انجام دینا۔

ہر کام متانت اور وقار کیساتھ انجام دینے کی فضیلت اور ترغیب:-

(۱۶۰) عَنْ سَعْدِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَا نَأْتِيَنَّ مِنَ اللَّهِ وَالْعَصَلَةَ مِنَ الشَّيْطَانِ۔  
(رواہ الشرمذی)

(ترجمہ) حضرت سہل بن سعد سعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: کاموں کو متانت اور اطمینان سے انجام دینا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور جلد بازی کرنا شیطان کے اثر سے ہوتا ہے۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) یعنی ہر ذمہ داری کو اطمینان سے انجام دینے کی عادت ایک محمود عادت ہے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نصیب ہوتی ہے اور اسکے برعکس جلد بازی ایک بُری عادت ہے، اور اس میں شیطان کا دخل ہوتا ہے۔

(۱۶۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سُرَيْجٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اتَّمَمْتُ الْحَسَنَ وَالشُّؤْمَ وَالْأَمْرَ قِتْصَادُ جُنْءٍ مِنْ أَرْبَعٍ وَعِشْرِينَ جُنْءٍ مِنَ الشُّؤْمِ۔  
(رواہ الشرمذی)

(ترجمہ) عبد اللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھی سیرت، ادا اطمینان و وقار سے پونے کام انجام دینے کی

عادت، اور تیانہ روی ایک حصہ ہے نبوت کے چوبیس حصوں میں سے۔

(جامع تصدق)

(نقشہ مستحق) حدیث کا اصل مقصد ان تینوں چیزوں کی اہمیت بیان کرنا اور انکی ترغیب دینا ہے۔ اور نبوت کے حصوں میں سے ہونے کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ پیغمبر کی زندگی جن محاسن اور کمالات سے مکمل اور مرتب ہوتی ہے یہ تینوں اوصاف ان کا چوبیسواں حصہ ہیں یا یہ کہ انسانی سیرت کی تعمیر کے سلسلہ میں انبیاء علیہم السلام جن خصائل کی تعلیم دیتے اور تلقین فرماتے ہیں ان کے چوبیس حصوں میں سے ایک حصہ یہ تین چیزیں ہیں: یعنی اچھی سیرت، اور اطمینان و وقار سے اپنے کام انجام دینے کی عادت، اور تیانہ روی۔

”میانہ روی“ ہم نے حدیث کے لفظ اقتصاد کا ترجمہ کیا ہے، اس کا مطلب میانہ روی یہ ہے کہ ہر کام اور ہر حال میں افراط و تفریط سے بچا جائے، اور اعتدال کی روش اختیار کی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں اس چیز پر خاص طور سے زور دیا ہے، یہاں تک کہ عبادت جیسے بہترین انسانی عمل میں بھی اپنے اعتدال و میانہ روی کی تاکید فرمائی ہے۔ بعض صحابہ نے بہت زیادہ عبادت گزاری کا ارادہ کیا، یعنی دن کو ہمیشہ روزہ رکھنے اور پوری رات جاگ کر نمازیں پڑھنے کا منصوبہ بنایا، تو آپ نے ان کو سخت تنبیہ فرمائی، اور اس سے منع فرما دیا۔ اسی طرح بعض صحابہ نے جب اپنا پورا مال راہ خدا میں صرف کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، تو آپ نے ان کو اس سے روک دیا، اور صرف ایک تہائی کی اجازت دی۔ بہر حال اقتصاد کا مطلب ہی اعتدال کی چال ہے۔ ”کتاب الرقاق“ کی متعدد حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ”لَا تَقْتَصِدُوا فِي الْفَقْرِ وَالْغِنَى“ کی ترغیب اور تاکید آپ پڑھ چکے ہیں، اس کا مطلب یہی ہے کہ تنگدستی اور فراخ دستی دونوں حالتوں میں آدمی اعتدال کی درمیانی چال چلے، اسی کو اس حدیث میں نبوت کا ایک جز بتایا گیا ہے۔



## خوش کلامی اور بد زبانی :-

انسان کی اخلاقی زندگی کے جن پہلوؤں سے اسکے اہلئے جنس کا سب سے زیادہ واسطہ پڑتا ہے اور جن کے اثرات اور نتائج بھی بہت دور رس ہوتے ہیں، ان میں سے اس کی زبان کی شیرینی یا تلخی اور نرمی یا سختی بھی ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تابعین و معلقین کو شیریں گفتاری اور خوش کلامی کی بڑی تاکید فرماتے، اور بد زبانی اور سخت کلامی سے شدت کے ساتھ منع فرماتے تھے، یہاں تک کہ بڑی بات کے جواب میں بھی بری بات کہنے کو آپ پسند نہیں فرماتے تھے ذیل کی چند حدیثیں پڑھئے :-

(۱۷۲) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ يَهُوذَا بْنَ التَّمِيمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
فَقَالَ لَهَا السَّامِعُ عَلَيْكُمْ فَقَالَتْ عَائِشَةُ عَلَيْكُمْ وَكَفَّكُمْ اللَّهُ وَغَضِبَ اللَّهُ  
عَلَيْكُمْ قَالَتْ مَعَهَا بَا عَائِشَةُ عَلَيْكُمْ بِالْزُفْرِ وَلَا يَأْتِي وَالْعُفْ  
وَالْفَحْشُ ————— رواه البخاری۔

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کچھ یہودی لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور انہوں نے رقص کی نباشت اور شرارت سے السلام علیکم کے بجائے کہا: "السَّامِعُ عَلَيْكُمْ" (جو دراصل ایک گالی ہے اور جس کا مطلب یہ ہے کہ تم کو موت آئے)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی اس گستاخی کو سن لیا اور سمجھ لیا اور (جواب میں فرمایا کہ تم ہی کو آئے، اور تم پر خدا کی لعنت اور اس کا غضب ہو۔۔۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! ایسی سختی نہیں!) زبان رو کو نرمی کا رویہ اختیار کرو اور سختی اور بد زبانی سے اپنے کو بچاؤ۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) گویا آپ نے ان یہودیوں کی ایسی سخت گستاخی کے جواب میں بھی سختی کو پسند

نہیں فرمایا، اور نرمی ہی کے اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی۔

(۱۶۳) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
لِسَ الثُّمُونِ بَطْعَانٍ وَلَا لَعَّانٍ وَلَا فَاحِشٍ وَلَا بَذِيٍّ --  
(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ مومن بندہ نہ زبان سے حلف کرنے والا ہوتا ہے نہ  
عنت کرنے والا، اور نہ بدگو، اور نہ گالی بکنے والا۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ مومن کا مقام یہ ہے اور اس کا شیوہ یہ ہونا چاہیے کہ اس کی  
زبان سے لعن طعن اور گالی گلوچ نہ نکلے، کتاب لایمان میں وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں اختلاف  
نزع کے وقت گالیاں بکنے کو منافق کی نشانی بتلایا گیا ہے۔

(۱۶۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اسْتَأْذَنَ رَجُلٌ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
فَقَالَ بَلَسَ ابْنُ الْعَشِيرَةِ أَوْ بَلَسَ رَجُلٌ الْعَشِيرَةِ ثُمَّ قَالَ اذْهَبْ  
كَهْ قَلَمًا دَخَلَ الْكَانَ لِمَا نَقُولُ فَقَالَتْ عَائِشَةُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَكُنْتَ  
لَهُ الْقَوْلَ وَكَذَلِكَ قَالَ إِنْ سَأَلْتُكَ مِنْ مَنُورَةٍ عِنْدَ  
اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مَنْ وَدَّعَهُ أَذْكَرُكَ النَّاسُ لَا يُقَادَرُ فَحُشِرَ --

(رواہ البخاری ومسلہ والبیہقی واللفظہ)

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اجازت چاہی، آپ نے (تم لوگوں سے) فرمایا کہ  
یہ اپنے قبیلہ کا برافرزندہ ہے، یا فرمایا کہ یہ شخص اپنے قبیلہ کا بُرا آدمی ہے، پھر آپ نے  
فرمایا کہ اس کو آنے کی اجازت دیدو، پھر جب وہ آگیا تو آپ نے اُس کے ساتھ گفتگو  
بہت نرمی سے فرمائی (جب وہ پہلا گیا) تو حضرت عائشہ نے آپ سے عرض کیا کہ:-

یا رسول اللہ! آپ نے تو اس شخص سے بڑی نرمی کے ساتھ بات کی اور پہلے آپ نے اسی کے بارے میں وہ بات فرمائی تھی (کہ وہ اپنے قبیلہ کا بہت بُرا آدمی ہے) آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک درجہ کنکر کا خط سے بدترین آدمی قیامت کے دن وہ ہوگا، جس کی بدزبانی اور سخت کلامی کے ڈر سے لوگ اس کو چھوڑ دیں (یعنی اس سے ملنے اور بات کرنے سے گریز کریں)۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد)

(تشریح صحیح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی شریر اور بُرا بھی ہو، جب بھی اُس سے بات نرمی سے اور شریفانہ طریقہ ہی سے کرنی چاہئے، ورنہ بدزبانی اور سخت کلامی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی ایسے شخص سے ملنے اور بات کرنے سے گریز کرنے لگتے ہیں، اور جس شخص کا یہ حال ہو، وہ اللہ کے نزدیک بہت بُرا آدمی ہے، اور قیامت کے دن اُس کا سال بہت بُرا ہوگا۔

اس حدیث کے بارے میں چند باتیں سمجھ لینی چاہئیں :-

۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے آنے سے پہلے اُسکے بُرے آدمی ہونے کی اطلاع اپنے پاس والوں کو غالباً اسلئے دی تھی کہ وہ اس کے سامنے محتاط ہو کر بات کریں اور کوئی ایسی بات نہ کریں جیسے جو کسی شریر اور بُرے آدمی کے سامنے نہ کرنی چاہئے، اور ایسی کسی مصلحت سے کسی شخص کی برائی سے دوسروں کو خبردار کرنا غیبت میں داخل نہیں ہے، بلکہ اس کا حکم ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ كَرِهَ لِمَوْلَاكَ أَنْ يَرْبَا فِيهِ لَيْكِي يَحْتَدِ النَّاسُ» (فاجر و بدکار آدمی میں جو برائی ہے اُس کا لوگوں سے ذکر کر دو، تاکہ اللہ کے بندے اس کے شر سے محفوظ رہ سکیں)۔ کنز العمال

۲) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس آدمی کا شریر اور بُرا ہونا معلوم ہوا، اُس سے بھی گفتگو نرمی ہی سے کرنی چاہئے، بلکہ اسی واقعہ کی صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: «فَلَمَّا جَلَسَ نَطَقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي وَجْهِهِ وَانْبَسَطَ

لَا يَكُنْ۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے اُس آدمی سے شگفتگی اور خندہ روئی کے ساتھ ملاقات اور بات چیت کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کا یہ خیال کہ جن لوگوں کی برائی اور بدکرداری ہم جانتے ہوں اُن سے اچھی طرح ملنا بھی نہ چاہئے صحیح نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے خود امام بخاری نے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے۔ اِنَّا لَنَكْتُمُ فِي وَحْيٍ اَوْ قَوْلٍ وَاَنْ قُلُوْا لَنَا لَنَكْتُمُ هُمْ۔ یعنی ہم بہت سے ایسے لوگوں سے بھی ہنس کر ملتے اور بولتے ہیں، جن کے احوال اور اعمال کے لحاظ سے ہمارے دل ان پر لعنت کرتے ہیں۔

البتہ اگر کسی خاص موقع پر سختی اور اظہارِ ناراضی ہی میں مصلحت نظر آئے، تو وہاں سختی کا یہی اختیار کرنا بھی صحیح ہو گا۔

(۳) اس حدیث کی ابوداؤد کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جس آدمی کے بارے میں آپ نے خود فرمایا تھا کہ یہ بہت برا آدمی ہے، اُس سے آپ نے ایسی بشارت اور شگفتگی کے ساتھ کیوں ملاقات اور بات چیت فرمائی؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا۔ ”بَاَعَارِسْنَهُ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَاحِشَ الْمُنْكَحِشَ“ یعنی اے عائشہ! اللہ تعالیٰ بد زبان اور فحش گو آدمی کو دوست نہیں رکھتا، مطلب یہ ہے کہ بد زبانی کی عادت اللہ تعالیٰ کی محبت سے محروم کر دیتی ہے، لہذا میں کیسے اس کا مرتکب ہو سکتا ہوں۔

(۱۷۵) عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّكَ لَتَكْتُمُ النَّكْتِيَةَ صَدَقَ۔ (بخاری)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ۔ اچھی اور بُھی بات بھی ایک جہدہ ہے یعنی نیکی کی ایک قسم ہے جس پر بندہ اجر کا مستحق ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) یہ حدیث ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے، امام بخاری نے اس پوری حدیث

کو بھی روایت کیا ہے، اور ایک جگہ تخلیق صرف اتنا ہی ٹکڑا نقل کیا ہے، مطلب ظاہر ہے —  
 کسی کے ساتھ اچھی بات شریں انداز میں کرنا اسکے دل کی خوشی کا باعث ہوتا ہے، اور اللہ کے کسی  
 بندہ کے دل کو خوش کرنا بلاشبہ بڑی نیکی ہے، کہنے والے نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے۔  
 ”دل بدست آور کہ بچ اکبر امت“

### کم بولنا اور بری اور فضول باتوں سے زبان کی حفاظت کرنا:-

دنیا میں جھگڑے اور فسادات زیادہ تر زبان کی بے احتیالیوں اور بے باکیوں ہی سے  
 پیدا ہوتے ہیں، اور جو بڑے بڑے گناہ آدمیوں سے بکثرت سرزد ہوتے ہیں ان کا تعلق بھی بیشتر  
 زبان ہی سے ہوتا ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بڑی تاکید فرماتے تھے، کہ  
 زبان کو قابو میں رکھا جائے، اور ہر قسم کی بری باتوں سے، بلکہ بے ضرورت اور بے فائدہ باتیں  
 کرنے سے بھی زبان کو روکا جائے، اور جب بات کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہ ہو اور بات کسی  
 خیر اور نفع کی امید نہ ہو، تو خاموش ہی رہا جائے۔ — تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 کی ان اہم تعلیمات میں سے ہے جن پر آپ نے نجات کا دار و مدار بتلایا ہے، اور بعض حدیثوں سے  
 معلوم ہوتا ہے کہ نماز، روزہ، حج اور جہاد جیسی عبادات کی نوعاً نیت اور ان کا حسن و قبول بھی  
 زبان کی اسی احتیاط پر موقوف ہے۔

اس بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ارشادات ”کتا ب الرقاق“ میں گزر  
 چکے ہیں، چند حدیثیں یہاں اور درج کی جاتی ہیں:-

(۱۷۶) عَنْ مَعَاذٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ وَيُبَاعِدُنِي مِنَ النَّارِ قَالَ لَقَدْ  
 سَأَلْتُ عَنْ أَمْرِ عَظِيمٍ وَمَا أَتَى لَيْسَ بِكَ مِنْ يَكْشُرُهُ اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ  
 تَعَبُّدُ اللَّهِ وَلَا تَشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَتَقِيْمُ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ وَ

تَصَوْمُ رَمَضَانَ وَتَحَجُّمَ الْبَيْتِ، ثُمَّ قَالَ أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى  
 أَبْوَابِ الْخَيْرِ؟ الصَّوْمُ حُجَّةٌ وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيئَةَ  
 كَمَا يُنْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ وَصَلَاةُ الرَّجُلِ فِي جُوفِ اللَّيْلِ - ثُمَّ  
 تَلَا نَبَأًا فِي جُنُودِهِمْ عَنِ الْمُتَنَاجِعِ حَتَّى بَلَغَ يَعْمَلُونَ  
 ثُمَّ قَالَ أَلَا أَدُلُّكَ بِرَأْسِ الْأَمْرِ وَعَمُودِهِ وَذُرْوَةِ سَنَامِهِ  
 قُلْتُ بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ رَأْسُ الْأَمْرِ الْإِسْلَامُ وَعَمُودُهُ  
 الصَّلَاةُ وَذُرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ - ثُمَّ قَالَ أَلَا أُخْبِرُكَ بِسِلَاقِ  
 ذَلِكَ كُلِّهِ قُلْتُ بَلَى يَا نَبِيَّ اللَّهِ فَأَخَذَ بِلِسَانِهِ فَقَالَ كُفْتُ  
 بِأَيْدِكَ هَذَا أَفَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ وَإِنَّا لَمُؤْخَذُونَ بِمَا نَسْكُمُ  
 بِهِ قَالَ فَكَلَّمْتُ أُمَّكَ يَا مُعَاذُ وَهَلْ يَكُتُّ النَّاسُ فِي النَّارِ  
 عَلَى وُجُوهِهِمْ أَوْ عَلَى مَنَاخِرِهِمْ إِلَّا حَصَائِدُ السِّنَنِهِمْ -

(رواه احمد والنرمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک دن رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: حضرت! مجھے ایسا عمل بتا دیجئے جس کی وجہ سے  
 میں جنت میں پہنچ جاؤں، اور دوزخ سے دور کر دیا جاؤں، آپ نے فرمایا:۔  
 تم نے بہت بڑی بات پوچھی ہے، لیکن (بڑی اور بھاری ہونے کے باوجود) وہ  
 اس بندے کے لئے آسان ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ اس کو آسان کرے (اور تفریق  
 دیدے)۔۔۔ لو سنو! (سب سے مقدم بات تو یہ ہے کہ دین کے ان بنیادی مطالبوں کو  
 ٹھکرا کر اہتمام سے ادا کرو) اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور  
 اچھے طریقے (اور دل کی توجہ کے ساتھ) نماز ادا کیا کرو، اور زکوٰۃ دیا کرو، اور رمضان کے  
 روزے رکھا کرو، اور بیت اللہ کا حج کرو۔ پھر فرمایا: کیا میں تمہیں خیر کے دروازے بھی

بتادوں؟ گویا جو کچھ اب تک آپ نے بتلایا یہ تو اسلام کے ارکان اور فرائض تھے اسکے بعد آپ نے فرمایا کہ تم چاروں میں تمہیں خیر کے اور دو روزے بتلاؤں! غالباً اس سے آپ کی مراد نفس عبادات تھیں، چنانچہ حضرت سادہ کی طلب دیکھ کر آپ نے اُن سے فرمایا، روزہ (گناہوں سے اور دوزخ کی آگ سے بچانے والی) برہر اور ڈھال ہے اور صدقہ گناہ کو (اور گناہ سے پیدا ہونے والی آگ کو) اس طرح بجھا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور رات کے درمیان صفے کی نماز (یعنی نماز تہجد کا بھی یہی حال ہے اور ابواب خیر میں اس کا خاص انخاص مقام ہے) اسکے بعد آپ نے (تہجد اور صدقہ کی فضیلت کے سلسلہ میں) سورہ سمیر کی یہ آیت پڑھ کر

تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ وَفَعَلُوا وَطَلَعَا دَرَجَاتًا  
 رَفَعَهُمْ بِمُقَدَّرَاتٍ ۚ فَلَا تَلْمِزُنَا بِنُفُسِنَا إِنَّا نَحْنُ لَكُم مِّن قُرْبٍ آفَافِينَ  
 جَزَاءُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ؕ

پھر آپ نے فرمایا: کیا میں تمہیں سالام کا (یعنی دین کا) سراور اس کے عمود یعنی ستون اور اس کی بلند چوٹی بتادوں؟ (معاذ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا: حضرت مزد بتادیں! آپ نے فرمایا: دین کا سرا یا سرا اسلام ہے، اور اس کا ستون نماز ہے، اور اس کی بلند چوٹی جہاد ہے۔

پھر آپ نے فرمایا: کیا میں تمہیں وہ چیز بھی بتادوں جس پر گویا ان سب کا دار ہے (اور جس کے بغیر سب چیزیں بیچ اور بے وزن ہیں) معاذ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا حضرت

لے اس آیت کا مطلب ہے کہ ہمارے ایمان والے بندہ کو احوال یہ بتانا ہے کہ راتوں کو وہ اپنے بسوں کو چھوڑ کر خوف اور امید کی کیفیت کے ساتھ ہماری عبادت اور ہم سے دعا کرنے میں مشغول رہتے ہیں اور ہم نے جو تقوٰۃ اہبت دنیا میں ان کو دیا ہے وہ اس میں سے ہماری راہ میں بھی خرچ کرتے ہیں (یعنی صدقہ و خیرات کرتے ہیں) ان کے اعمال خیر کے صلہ میں دیئے جانے کے لئے جو نعمتیں اور انھوں کو بخشہ آگئے والا جو سامان پردہ غیب میں رکھا گیا ہے اس کو کوئی بھی نہیں جانتا۔ پس اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے۔

وہ چیز بھی ضرور بتلا دیجئے! پس آپ نے اپنی زبان پکڑ لی اور فرمایا: اس کو روکو  
(یعنی اپنی زبان قابو میں رکھو، یہ چلنے میں بیباک اور بے احتیاط نہ ہو، معاذ کہتے ہیں)  
میں نے عرض کیا: حضرت! ہم جو باتیں کرتے ہیں، کیا ان پر بھی ہم سے مواخذہ ہوگا؟  
آپ نے فرمایا: اے ساذائے تھکے تیری ماں رٹے (عربی محاورہ کے مطابق یہاں یہ پیار کا  
لکڑھے) آدمیوں کو دوزخ میں ان کے منہ کے بل، یا فرمایا کہ ان کی ناکوں کے بل (میانہ)  
ان کی زبانوں کی بیباکانہ باتیں ہی ڈلوائیں گی۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اس حدیث میں ارکان اسلام کے بعد آپ نے ابوابِ خیر کے عنوان سے روزہ  
اور صدقہ کا جو ذکر فرمایا ہے، اس عاجز کے نزدیک اس سے مراد نفلی روزہ اور نفلی صدقہ ہے، اور  
اسی لئے آپ نے اس کے ساتھ نماز تہجد کا ذکر فرمایا ہے جو نفل نمازوں میں سب سے افضل ہے۔ پھر  
آپ نے اسلام کو ”اس الامر“ یعنی دین کا سر بتلایا ہے، بظاہر یہاں اسلام سے مراد اسلام قبول  
کرنا اور اس کو اپنا دین بنانا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سارے اچھے عمل کرے اور  
اچھے اخلاق و معاملات بھی اچھے ہوں لیکن وہ اسلام کو اپنا دین نہ بنائے تو اس کی مثال ایک ایسے  
جسم کی سی ہے جس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ سب درست ہوں لیکن سر کٹ گیا ہو، پھر نماز کو آپ نے دین کا  
ستون بتلایا، اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی مکان بغیر ستون کے قائم نہیں رہ سکتا، اسی طرح  
بغیر نماز کے دین کا قیام نہیں، پھر آپ نے جہاد کو دین کی بلند ترین چوٹی فرمایا، ظاہر ہے کہ دین کی بلندی  
اور رفعت جہاد ہی پر موقوف ہے۔۔۔ حدیث کا سب سے آخری جو جس کی وجہ سے یہاں اس  
حدیث کو درج کیا گیا ہے، یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ان سب چیزوں کا دار و مدار اس پر ہے کہ آدمی  
اپنی زبان کی حفاظت کرے، یعنی زبان کی بیباکیاں، ان سب اعمالِ حسنہ کو بے وزن اور بے ثمر کر دیتی  
ہیں۔۔۔ پھر جب حضرت معاذ کو یہ سن کر تعجب ہوا، اور انہوں نے دریافت کیا، کہ کیا باتوں پر بھی ہمارا  
پکا ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا آدمی اتنی باتیں اور اندھے منہ زیادہ تر زبان ہی کی بے احتیاطیوں اور



بیابانوں کی وجہ سے ڈالے جائیں گے! — آج بھی ہر دیکھنے والا بچشم خود دیکھ سکتا ہے، کہ جو بڑے بڑے گناہ و باکی طرح عام ہیں اور جن سے بچنے والے بہت ہی کم ہیں، ان کا قتل زیادہ تر زبان و دہن ہی سے ہے۔

ہرچہ بر آدمی رسید زبیاں ہمارا آفت زبیاں برسد

(۱۶۶) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَفَعَهُ قَالَ إِذَا أَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ قِيَامًا أَكَلَا عَصَا كَلَّمَهَا نَكْفُوهُ اللِّسَانُ فَتَقُولُ لَاتِي اللَّهُ فِينَا قَاتَا عَنُ يَا قِيَامِ اسْتَقَمْتِ اسْتَقَمْنَا وَإِنْ اَعْوَجَجْتِ اَعْوَجَجْنَا —

(رواہ الترمذی)

(مترجم) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب آدمی صبح کرتا ہے تو اس کے سامنے آفتا عاجزی اور لجاجت کے ساتھ زبان سے کہتے ہیں کہ (خدا کی بندی ہم پر رحم کر) اور ہمارے بارے میں خدا سے ڈر، کیونکہ ہم تیرے ہی ساتھ بندھے ہوئے ہیں، تو ٹھیک رہی تو ہم بھی ٹھیک رہیں گے اور اگر تو نے غلط روی اختیار کی، تو ہم بھی غلط روی کریں گے (اور پھر اس کا غیازہ بھگتیں گے)۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) اوپر والی حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ انسان کے ظاہری اعضا میں سے زیادہ تر

زبان ہی کی غلط روی لوگوں کے جہنم میں ڈالے جانے کا باعث ہوگی۔۔۔ اس حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ زبان کی اسی خاص قیمت کی وجہ سے ہر روز انسان کے سارے اعضاء زبان حال یا زبان قالی پوری عاجزی اور لجاجت کے ساتھ زبان سے درخواست کرتے ہیں کہ خدا کی بندی ہمارے صلح و فلاح اور ہمارے انجام کی اچھائی برائی تجھ سے ہی وابستہ ہے اسلئے ہم پر رحم کر اور خدا سے بے خوف ہو کہ میرا کا نہ چل، ورنہ تیرے ساتھ ہم بھی اللہ کے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

ایک دوسری مشہور حدیث میں اعضا انسان میں سے قلب کی یہ خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ  
 ”إِذَا صَلَحَ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ“ (جس کا مطلب یہ ہے  
 کہ انسان کے تمام اعضاء اس کے مابین اعضا و کلاص و فساد کے قلب کے صلاح و فساد سے وابستہ ہے)  
 لیکن ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے، اصل تو قلب ہی ہے لیکن ظاہری اعضاء  
 میں چونکہ زبان ہی اس کی خاص ترجمان ہے، اسلئے دونوں کی نوعیت ہی ہے کہ اگر یہ ٹھیک ہیں  
 تو خیریت ہے اور اگر ان میں فساد اور کمی ہے تو پھر انسان کی خیریت نہیں۔

(۱۷۸) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ۔

(رواہ البخاری)

(ترجمہ) حضرت اہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 فرمایا کہ: جو شخص ذمہ لے لے اپنی زبان اور اپنی شرمگاہ کا (کہ یہ دونوں غلط استعمال

نہوں گی) میں اس کے لئے ذمہ داری لیتا ہوں جنت کی۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) انسانی اعضا میں زبان کے علاوہ غلط استعمال سے جن عضو کی حفاظت کو

خاص اہمیت حاصل ہے وہ انسان کی شرمگاہ ہے، اس لئے اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ: جو بندہ اس کا ذمہ لے لے کہ وہ غلط استعمال  
 سے اپنی زبان کی بھی حفاظت کرے گا، اور شہوتِ نفس کو بھی خدا کے احکام کا پابند رکھے گا، میں  
 اس کے لئے اللہ کی طرف سے جنت کا ذمہ لے سکتا ہوں۔

یہاں پھر یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قسم کے ارشادات  
 کے مخاطب وہ اہل ایمان ہوتے تھے جو آپ ہی کی تعلیم و تلقین سے اس بنیادی حقیقت کو جان چکے  
 تھے کہ اس قسم کے وعدوں کا تعلق صرف ان لوگوں سے ہے جو صاحبِ ایمان ہوں اور ایمان کے

بنیادی مطالبات کو سمجھنا اور کرتے ہوں۔

(۱۷۹) عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا أَخَوْفُ مَا تَخَافُ عَلَيَّ قَالَ فَأَخَذَ بِلِسَانِهِ نَفْسَهُ وَقَالَ هَذَا  
(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت سفیان بن عبد اللہ الثقفی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: حضرت! میرے بارے میں جن باتوں کا حضور کو خطرہ ہو سکتا ہے ان میں زیادہ خطرناک اور خوفناک کیا ہے؟ سفیان کہتے ہیں کہ آپؐ اپنی زبان مبارک پکڑنے کے فرمایا، کہ:۔۔۔ سب سے زیادہ خطرہ اس سے ہے۔۔۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ تم سے کسی اور برائی کا تو زیادہ خطرہ نہیں ہے، البتہ یہ خطرہ ہے کہ تمہاری زبان بجا چلے، لہذا اس کے بارے میں ہوشیاری اور محتاط رہو۔۔۔ ہو سکتا ہے کہ رسولؐ کرنے والے سفیان بن عبد اللہ الثقفی کی زبان میں کچھ تیزی ہو، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ فرمایا ہو۔ واللہ اعلم۔

(۱۸۰) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَمَمَتْ تَجَمَّاءُ

(رواہ احمد الترمذی، والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔۔۔ جو چُپ رہا وہ نجات پا گیا۔

(مسند احمد جامع ترمذی، مسند دارمی، شعب الایمان)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے بڑی باتوں اور فضول باتوں سے زبان کو روکا، وہ ہلاکت کے فاصلے سے بچ گیا، ابھی حضرت معاذ کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گزر چکا ہے کہ آدمی جہنم میں زیادہ تر زبان ہی کی بیاہکیوں کی وجہ سے اور نہ مہ گرامں جائیں گے۔

(۱۸۱) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ لَمِيتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ مَا الْكَلْبَاءُ؟ فَقَالَ أَمْلَأُ عَلَيْكَ لِسَانَكَ فَلَيْسَتْ بَيْنَكَ وَبَيْنَكَ عَلَى تَحْلِيلَتَيْنِ ————— (رواه احمد والترمذی)

(ترجمہ) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے عرض کیا کہ: حضرت (مجھے بتا دیجئے کہ) نجات حاصل کرنے کا گرمیہ ہے؟ (اور نجات حاصل کرنے کے لئے مجھے کیا کیا کام کرنے چاہئیں؟) آپ نے ارشاد فرمایا اپنی زبان پر قابو رکھو (وہ بے ہوش ہو گیا) اور چاہئے کہ تمہارے گھر میں تمہارے لئے گنجائش ہو اور اپنے گناہوں پر اللہ کے حضور میں رونا کرو۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) زبان پر قابو رکھنے اور اپنے گناہوں پر رونے کا مطلب تو ظاہر ہے، لیکن ان دونوں کے علاوہ تیسری نصیحت جو آپ نے یہ فرمائی کہ: "تمہارے گھر میں تمہارے لئے گنجائش ہونی چاہئے" اس کا مطلب یہ ہے کہ جب باہر کا کوئی کام نہ ہو تو آوارہ گردوں اور بے فکروں کی طرح باہر نہ گھومنا کہ وہ بالکل اپنے گھر میں اور بال بچوں میں رہ کر گھر کے کام کاج دیکھا کر دے اور اللہ کی عبادت کیا کرو۔ تجربہ شاد ہے کہ بے ضرورت باہر گھومنا سینکڑوں برائیوں اور فتنوں کا سبب بن جاتا ہے۔

(۱۸۲) عَنْ أَنَسٍ عَنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ أَمَا أدُلُّكَ عَلَى خَصْلَتَيْنِ هُمَا أَخَفُّ عَلَى الْقَلْبِ وَأَثْقَلُ فِي الْمِيزَانِ؟ قَالَ قُلْتُ بَلَى قَالَ طَوْلُ الْقَمَمَتِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا عَمِلَ الْفُلَانُ نِعْمًا يَسْتَلِمُهَا

(رواه البيهقي في شعب الإيمان)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ: میں تمہیں ایسی دو خصلتیں

بتا دوں جو پیٹھ پر بہت الٹی ہیں (ان کے اختیار کرنے میں آدمی پر کچھ زیادہ بوجھ نہیں پڑتا) اور اللہ کی میزان میں وہ بہت بھاری ہوں گی؟ ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ وہ دونوں ٹھسلیں ضرور بتلا دیجئے! آپ نے فرمایا: زیادہ خاموش رہنے کی عادت، اور حسن اخلاق۔ قسم اس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں ہری جان ہے، مخلوقات کے اعمال میں یہ دونوں چیزیں بے مثل ہیں۔  
(مشیلہ بیان لیبھتی)

(تشریح) جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے، زیادہ خاموش رہنے کا مطلب یہی ہے، کہ بے ضرورت اور نامناسب و ناپسندیدہ باتوں سے آدمی اپنی زبان روکے رہے، جس شخص کا یہ طریقہ عمل ہوگا، قدرتی طور پر وہ کم بولنے والا اور زیادہ خاموش رہنے والا ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں سب سے زیادہ بولنے کی ضرورت تھی، کیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کے لئے آپ کو ہدایات دینی تھیں، اور آپ اس ضرورت سے بولنے میں کوئی کمی نہ کرتے تھے، بتانے کی ہر چھوٹی بڑی بات بتلاتے تھے، لیکن اسکے باوجود آپ کے دیکھنے والے صحابہ کرام نے آپ کا حال یہ بیان فرمایا ہے، کہ "كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَوِيلَ الْقَصَصِ" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ خاموش رہتے تھے) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ "وَلَا يَتَكَلَّمُ إِلَّا فِيمَا يَرْجُو أَثَرَهُ" (آپ صرف وہی بات کرتے تھے جس پر آپ کو ثواب کی امید ہوتی تھی)

(۱۸۳) عَنْ عُمَرَ بْنِ حِطَّانٍ قَالَ أَتَيْتُ أَبَا ذَرٍّ فَوَجَدْتُهُ فِي الْمَسْجِدِ مُتَنَبِّئًا بِكِسَاءِ أَسْوَدَ وَخَذَّكَ فَقُلْتُ يَا أَبَا ذَرٍّ مَا

لہ روایہ البغوی فی شرح السنہ عن جابر بن سمرة۔ مشکوٰۃ باب فی اخلاقہ و شمائلہ  
لہ روایہ الطبرانی فی الکبیر فی حدیث طویل عن الحسن بن علی فی صفاتہ و  
شمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم (جمع الغوائد)

هَذِهِ الْوَحْدَةُ؟ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْوَحْدَةُ خَيْرٌ مِّنْ جَلِيسِ السُّوءِ وَاجْتَلِيسِ الصَّالِحِ خَيْرٌ مِّنْ الْوَحْدَةِ وَلَا مَلَأَ الْخَيْرُ خَيْرٌ مِّنَ الشُّكْرِ وَالشُّكْرِ خَيْرٌ مِّنْ اِمْلَاءِ الشُّرِّ ————— رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعْبَةِ الْإِيمَانِ.

(ترجمہ) عمران بن حطان تابعی سے روایت ہے کہ میں ایک دن حضرت ابو ذر غفاریؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو میں نے اُن کو مسجد میں اس حالت میں دیکھا کہ ایک کالی کالی لپٹی ہوئے بالکل اکیلے بیٹھے ہیں، میں نے عرض کیا: اے ابو ذر! یہ تنہائی اور کیسوی کیسی ہے؟ (یعنی آپ نے اس طرح بالکل اکیلے اور سب سے الگ تھلگ رہنا کیوں اختیار فرمایا ہے!) انھوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ: ”بُڑے ساتھیوں کی ہم نشینی سے اکیلے رہنا اچھا ہے، اور اچھے ساتھی کے ساتھ بیٹھنا تنہائی سے بہتر ہے، اور کسی کو اچھی باتیں بتانا خاموش رہنے سے بہتر ہے، اور بُری باتیں بتانے سے بہتر خاموش رہنا ہے۔“ (شُعْبَةُ الْإِيمَانِ الْبَيْهَقِيُّ)

(تفسیر صحیح) اس حدیث میں یہ بات زیادہ صراحت و وضاحت کیسا تھا آگئی ہے کہ خاموشی کی جو افضلیت ہو وہ بُری باتیں کرنے کے مقابلے میں ہے، ورنہ اچھی باتیں کرنا خاموش رہنے سے افضل ہے، اِس طرح یہ بات صراحت سے آگئی ہے کہ بُرے لوگوں کے ساتھ اختلاط و ہم نشینی سے بہتر تنہائی ہے، لیکن صلی کی صحبت تنہائی سے بہتر ہے۔

(ف) یہاں ایک نکتہ یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ کے بندوں کی طبیعتیں اور انکی استعدادیں اور انکے رجحانات بہت مختلف ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں اتنی حکیمانہ وسعت اور ایسی جامعیت ہے کہ مختلف طبائع اور مختلف رجحانات رکھنے والے بندگانِ خدا اپنی اپنی طبیعت اور اپنے اپنے ذوق و رجحان کے مطابق آپ کی اتباع کر کے اللہ کے قرب و رضا کے اعلیٰ مقامات حاصل کر سکتے ہیں۔ مثلاً بعض لوگوں کا مزاج اور ذوق ایسا ہوتا ہے کہ جس قسم کے لوگوں کو وہ پسند نہ کریں اُن سے طے اجلاؤ، اے اللہ! اور گراں ہوتا ہے، اور وہ ایسے لوگوں سے اختلاط

رکھنے میں ایسا نقصان محسوس کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور رہنمائی موجود ہے جس کا ذکر حضرت ابوذر غفاری نے اس حدیث میں فرمایا، اور جس پر خود اُن کا عمل تھا۔۔۔ اور بعض لوگ اپنی فطرت اور طبیعت کے لحاظ سے ایسے ہوتے ہیں کہ جن لوگوں کے احوال اور چال چلن کو وہ پسند نہ کریں، مگر یہی بھی اصلاح اور درستی کیلئے اُن سے ملنا جلتا اور انکے بڑے اثرات سے اپنی حفاظت کرتے ہوئے اُن کے ساتھ اختلاف رکھنا اور مختلف صورتوں سے اُنکی حد متین کرنا اُن کے لئے شاق نہیں ہوتا، بلکہ ان کو اس سے مناسبت ہوتی ہے، اُن کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری حدیثوں میں (جو اپنے موقع پر آئیں گی) اسی طرز عمل کی فرمائی ہے، اور اگر صحابہ کرام جو حضرت ابوذر کی طرح تنہائی پست نہیں تھے، ان کا طرز عمل وہی تھا۔۔۔۔۔ پس صحابہ کرام کی سیرت کے بعض پہلوؤں میں اور اسی طرح زمانہ مابعد کے اہل ایمان اور اہل صلاح کے مختلف طبقوں کے طرز عمل میں جو اس طرح کی رنگارنگی کہیں کہیں نظر آتی ہے اسکی حقیقت بس اتنی ہی ہے کہ اللہ کی بنائی ہوئی طبیعتوں اور مزاجی مناسبتوں کے قدرتی فرق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کی جامعیت اور کمالیت کا وہ قدرتی نتیجہ ہے۔۔۔۔۔ جو لوگ اپنی تنگ نظری سے سب کو ایک ہی حال اور بالکل ایک ہی رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں، درحقیقت انھوں نے دین کی وسعت و تعلیم نبوی کی جامعیت و کمالیت اور اللہ تعالیٰ کی تکوینی و تشریعی حکمت پر غور نہیں کیا ہے۔

**ترک مالا یعنی :-**

(۱۸۳) عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَسَّنَ إِسْلَامَهُ الْمَرْءُ تَوَرَّجَ مَالًا يَتَوَنَّبُهُ رَعَاهُ مَالُكَ وَلَا حِلَّ وَلَا ذِلَّةَ ابْنِ مَاجَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَالنَّسَائِي وَالْبَيْهَقِي فِي تَعْلِيقِ الْإِيمَانِ عَنْهُمَا۔

(ترجمہ) حضرت علی بن الحسین زین العابدین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی کی اسلامیت کے حسن و کمال میں سے یہ بھی ہے کہ جو بات اُس کے لئے ضروری اور مفید نہ ہو اُس کو چھوڑ دے۔

(اس حدیث کو امام مالک نے نو طائیں اور امام احمد نے اپنی مستند میں حضرت علی بن الحسین

سے مسلاً روایت کیا ہے، اور ابن ماجہ نے سنن میں مسلاً حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے، اور امام ترمذی نے جامع میں، اور بیہقی نے شعب الایمان میں اس حدیث کو اسی طرح مسلاً و مسند ان دونوں بزرگوں سے روایت کیا ہے۔

(تفسیر) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بے ضرورت اور بے فائدہ باتیں نہ کرنا اور لغو و فضول شغلوں سے اپنے کو محفوظ رکھنا کمال ایمان کا تقاضا اور آدمی کے اسلام کی رونق و زینت ہے، اسی خلصت کا مختصر اصطلاحی عنوان "ترک المایعنی" ہے۔

### چغلواری :-

جن بُری عادتوں کا تعلق زبان سے ہو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کو سنگین ٹھہرا اور گناہ عظیم قرار دیا ہو، اور جن سے بچنے اور پرہیز کرنے کی آپؐ نے سخت ترین تاکید فرمائی ہو، انہیں سے ایک چغلواری بھی ہے۔ یعنی کسی کی ایسی بات دوسرے کو پہنچانا جو اس شخص کی طرف سے اس دوسرے کو کسی کوہ گمان اور ناراض کر کے باہمی تعلقات کو خراب کر دے، اسی بُری عادت کا نام چغلواری ہے۔ چوں کہ آپس کے تعلقات کی درستی و خوشگواہی اور حسن معاشرت اور باہم میل و محبت تعلیم نبویؐ کے مقاصد میں سے ہے (میانک کہ ایک حدیث میں بعض محشیہوں سے اس کو عبادات سے بھی اہم قرار دیا گیا ہے) اسلئے جو چیز باہمی تعلقات کو خراب کر کے بغض و عداوت اور مخالفت و منافرت پیدا کرے، ظاہر ہے کہ وہ بدترین درجہ کی مصیبت ہوگی۔ بہر حال چغلواری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے سخت ترین گناہوں میں سے بتلایا ہے، اور آخرت میں سامنے آنے والے اسکے بُرے انجام سے پوری طرح ڈرایا ہے۔

(۱۸۵) عَنْ مُحَمَّدٍ يَقُولُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يَقُولُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَاتٌ۔۔۔۔۔ عدا البضائعی فی علاقہ صلہ نامہ۔

(ترجمہ) حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا

آپؐ فرماتے تھے کہ چغلواری جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تفسیر) مطلب یہ ہے کہ چغلواری کی عادت اُن سنگین گناہوں میں سے ہے جو جنت کے داخلہ

میں رکاوٹ بننے والے ہیں، اور کوئی آدمی اس گندی اور شیطانی عادت کیسا تو جنت میں نہ جاسکے گا، اہاں



اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کسی کو معاف کر کے یا اس جرم کی سزا دے کے اس کو پاک کر دے، تو اس کے بعد داخلہ ہو سکے گا۔

(۱۸۶) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَمْرٍو وَاسْمَاءُ بِنْتُ يَزِيدَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُ عِبَادِ اللَّهِ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرُوا لِلَّهِ وَسُئِلُوا عِبَادَ اللَّهِ الْمَشَاقِقَ بِاللَّيْسِمْتِ وَالْمَقْبُورِ قُوتَ بَيْنِ الْأَحْبَابِ  
الْبُاعُونَ الشَّرَاءَ الْهَنْتُ ————— رواه احمد والبيهقي في شعب اليمان۔

(ترجمہ) عبد الرحمن بن عزم اور اسماء بنت یزید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں جن کو کچھ کر اللہ یاد آئے، اور بدترین بندے وہ ہیں جو چھلیاں کھانے والے، دوستوں میں بھلائی ڈالنے والے ہیں اور جو اسکے طالب اور سامعی رہتے ہیں کہ اللہ کے پاک دامن بندوں کو کسی گناہ سے ملوث یا کبھی مصیبت اور پریشانی میں مبتلا کریں۔  
(مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اس حدیث میں اللہ کے اچھے بندوں کی یعنی اللہ والوں کی نشانی یہ بتلائی گئی ہے کہ ان کے دیکھنے سے خدا یاد آئے، اور بدترین انسان ان لوگوں کو قرار دیا گیا ہے جو عادت چلتے رہوں اور چھلیاں کھا کھا کے دوستوں میں بھوٹ ڈالنا جن کی عادت اور جن کا دل بھپ شغل ہو، اور جو بندگان خدا کو بدنام اور پریشان کرنے کے دیرپے رہتے ہوں۔ پس آدمی کو چاہئے کہ وہ محبت و محبت کھیلے ایسے بندے خدا کو تلاش کرے جن کے دیکھنے سے دل کی غفلت دور ہو، اور اللہ یاد آئے، اور جن کے پاس ٹیٹھ سے قلب میں زندگی اور بیماری پیدا ہو، اور اس کے برخلاف جو ناظر اس اور نودی لوگ دوسروں کی بھلائی کے درپے رہتے ہوں، اور ان کو بدنام کرنا، اور نقصان پہنچانا جن کا خاص مشغلہ ہو ان سے بچے، اور ان کے برے اثرات سے اپنے کو بچانے کی فکر کرتا رہے۔

(۱۸۷) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُبَلِّغُنِي أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِي عَنْ أَحَدٍ شَيْئًا فَإِنِّي أَحِبُّ أَنْ أَخْبِرَ إِلَيْكُمْ وَأَنَا سَلِيحُهَا الْكَبِيرُ ————— رواه ابو داود۔

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا: میرے ساتھیوں میں سے کوئی کسی دوسرے کی بات مجھے نہ پہنچایا کرے میں چاہتا ہوں کہ جب میں تم لوگوں میں آؤں تو میرا دل (سب کی طرف سے صاف) ہو اور بے روگ ہو۔  
(سنن ابی داؤد)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے ذریعہ امت کو سبق دیا کہ دوسروں کے متعلق ایسی باتیں سننے سے بھی آدمی کو پرہیز کرنا چاہئے جن سے اسکے دل میں بدگمانی کی کدورت اور رنج و غم پیدا ہونے کا امکان ہو (لیکن واضح رہے کہ جن بوقیوں پر شرعی ضرورت اور دینی مصلحت کا تقاضا ایسی باتیں کہنے یا سننے کا ہو وہ مواقع اس سے مستثنیٰ ہوں گے)۔  
**غیبت اور بہتان :-**

جس قسم کے مفاسد اور جو خطرناک نتیجے جنطوری سے پیدا ہوتے ہیں وہی بلکہ ان سے بھی کچھ زیادہ سنگین قسم کے نتیجے غیبت کرنے اور کسی پر بہتان لگانے سے پیدا ہوتے ہیں۔ غیبت یہ ہے کہ کسی بھائی کی ایسی بات یا اسکے کسی ایسے فعل یا حال کا ذکر کیا جائے جس کے ذکر سے اس کو ناگواری، ناؤر اذیت ہو، اور جس کی وجہ سے وہ شخص حقیر و ذلیل یا مجرم سمجھا جائے۔ چونکہ غیبت سے ایک شخص کی سزاویٰ اور بے آبروئی ہوتی ہے، اور اس کو روحانی تکلیف پہنچتی ہے، اور دلوں میں فتنہ و فساد کا بیج پڑتا ہے، چھکے تباہی بعض حالتوں میں بڑے خطرناک اور دردسں نکلتے ہیں، بسنے غیبت کو بھی سخت ترین گناہ قرار دیا گیا ہے اور اس کی انتہائی شاعت اور گندگی کو ذہن نشین کرنے کیلئے قرآن و حدیث میں ”اپنے مراد بھائی کا گوشت کھانے سے اس کو تشبیہ دی گئی ہے۔“ ہر حال غیبت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم میں نہایت ذلیل اور گھٹوئی بد اخلاقی اور گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔ اور بہتان کا درجہ اس سے بھی آگے ہے، بہتان اس کا نام ہے کہ اللہ کے کسی بندہ کی طرف ایسی کسی بڑائی اور بد اخلاقی کی نسبت کی جائے جس سے وہ بالکل بُری اور پاک ہو، ظاہر ہے کہ یہ بڑی تنقادات کی بات ہے، اور ایسا کرنے والے اللہ کے اور اسکے بندوں کے سخت ترین مجرم ہیں۔ اس تمہید کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ چند حدیثیں پڑھئے :-

(۱۸۸) عَنْ أَبِي بَرْزَةَ الْأَسَدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يَدْخُلِ الْإِيمَانُ قُلُوبَهُمْ لَا تَغَابُوا

الْمُسْلِمِينَ وَلَا تَذْبَحُوا عِزًّا مِنْ إِيَّاهُمْ عَوْرَاتِهِمْ  
تَذْبَحُ اللَّهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ يَذْبَحِ اللَّهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ فِي بَيْتِهِ۔

(رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت ابو بزرہ سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے وہ لوگو! جو زبان سے ایمان لائے ہو، اور ایمان ابھی انکے دلوں میں نہیں اتر رہی، مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو، اور انکے چھپے ہوئے عیوض کے چھپے نہ پڑا کرو (یعنی ان کی چھپی ہوئی کمزوریوں کی ٹوہ لگانے اور انکی تشہیر کرنے میں دلچسپی نہ لیا کرو) کیونکہ جو ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی ہوگا، اور جسکے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ معاملہ ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو اس کے گھر میں ذلیل کر دے گا۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کی غیبت اور اس کے عیوض اور کمزوریوں کی تشہیریں دلچسپی لینا دراصل ایک ایسی منافقانہ حرکت ہے جو صرف ایسے ہی لوگوں سے سرزد ہو سکتی ہے جو صرف زبان کے مسلمان ہوں اور ایمان نے انکے دلوں میں گھر نہ کیا ہو

(۱۸۹) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
لَمَّا عُرِجَ بِي مَرَّيْتُ بِقَوْمٍ لَهُمْ أَظْفَارٌ مِنْ نَخْلٍ يَخْشَوْنَ دُجُورَهُمْ  
وَصَلُّوا وَكَبَّرُوا فَقُلْتُ مَنْ هَؤُلَاءِ يَا جَبْرِيلُ قَالَ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ يَتْلُونَ  
مُحَمَّدًا النَّاسَ وَيَقْعُونَ فِي أَعْرَاضِهِمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ: جب مجھے معراج ہوئی تو (ملاء اعلیٰ کے اُسی سفر میں) میرا لنگر رکھ ایسے لوگوں پر جو احسن کے ناخن شرخ تانبے کے سے تھے جن سے وہ اپنے چہروں اور اپنے سینوں کو نوچ نوچ کے زخمی کر رہے تھے، میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں جو ایسے سخت عذاب میں مبتلا ہیں، جبریل نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو زندگی میں لوگوں کے گوشت کھایا کرتے تھے (یعنی اللہ کے بندوں کی غیبتیں کیا کرتے تھے) اور انکی آبروؤں سے کھیلنے لگے۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) ٹھاس کے اصل معنی تانبے کے ہیں، اور آگ جب بالکل سرخ ہو تو اس کو بھی ٹھاس کہا جاتا ہے، اس حدیث میں "ٹھاس کے ناخنوں" کا جو ذکر ہے بظاہر اس سے مراد یہ ہے کہ ان لوگوں کے ناخن جہنم کی آگ میں پئے ہوئے شرخ تانبے کے یا تانبے کے سے تھے، اور یہ انہی ناخنوں سے اپنے چہرے اور اپنے سینوں کو نوچ نوچ کے زخمی کر رہے تھے۔۔۔۔۔ ان کیلئے عالم برزخ میں خاص طور سے یہ سزا اسلئے تجویز کی گئی کہ دنیوی زندگی میں یہ مجرمین اللہ کے بندوں کا گوشت نوچا کرتے تھے، یعنی غیبتیں کیا کرتے تھے، اور یہ ان کا مجبور شغل تھا۔

(۱۹۰) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَحَارِبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
الْغَيْبَةُ أَسَدٌ مِنَ الزُّنَا، قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَكَيْفَ الْغَيْبَةُ أَسَدٌ  
مِنَ الزُّنَا؟ قَالَ إِنْ الرَّجُلُ لِيَكْزُبَنِي فَيُتَوَبَّ فَيَتَوَبَّ اللَّهُ عَلَيْهِ رَدُّ  
فِي رَدَائِكِهِ فَيَتَوَبَّ يَغْفِرُ اللَّهُ لَهُ، وَإِنَّ صَاحِبَ الْغَيْبَةِ لَا يُغْفَرُ لَهُ  
حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ هَالَةَ صَاحِبُهُ۔۔۔۔۔ رواه البيهقي في شعب الایمان۔

(ترجمہ) حضرت ابوسعید خدری اور حضرت حاربر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت اور سنگین ہے بعض صحابہ نے عرض کیا کہ، حضرت! غیبت زنا سے زیادہ سنگین کیونکر ہے؟ آپ نے فرمایا، (بات یہ ہے کہ) آدمی اگر بدعتی سے زنا کر لیتا ہے تو صرف توبہ کرنے سے اسکی معافی اور غفرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو سکتی ہے، مگر غیبت کرنے والے کو جب تک خود وہ شخص معاف نہ کرے جس کی اجسے غیبت کی ہو، اس کی معافی اور بخشش اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوگی۔  
(شعب الایمان للبیہقی)

(۱۹۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ  
أَكْبَرُ ذُنُوبٍ مَا الْغَيْبَةُ؟ قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ ذُنُوبُ  
أَحْبَالِكُمْ بِمَا يَكُونُ قِيلَ مَا هِيَ؟ قَالَ إِنْ كَانَ فِي أَحَدِكُمْ مَا أَقُولُ؟ قَالَ  
إِنْ كَانَ فِيهِ مَا أَقُولُ فَقَدْ اغْتَابْتَهُ وَلَوْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ مَا أَقُولُ  
فَقَدْ بَغَيْتَهُ۔۔۔۔۔ رواه مسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کس کو کتے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔ آپ نے فرمایا: تمہارا اپنے کسی بھائی کو اس طرح ذکر کرنا جس سے اس کو ناگواری ہو (یس یہی غیبت ہے) کسی نے عرض کیا کہ: حضرت! اگر میں اپنے بھائی کی کوئی ایسی بُرائی ذکر کروں جو واقعہً اس میں ہو (تو کیا یہ بھی غیبت ہے؟) آپ نے ارشاد فرمایا: غیبت جب ہی ہوگی جبکہ وہ بُرائی اس میں موجود ہو، اور اگر اس میں وہ بُرائی اور عیب موجود ہی نہیں ہے (جو تم نے اس کی طرف نسبت کر کے ذکر کیا) تو پھر تو یہ بہتان ہوا (اور یہ غیبت سے بھی زیادہ سخت اور سنگین ہے)۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے غیبت کی حقیقت اور غیبت اور بہتان کا فرق واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے، اور یہ بھی کہ بہتان غیبت سے زیادہ سنگین قسم کا مجرم ہے۔

(ف) یہاں یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ اگر اللہ کے بندوں کی خیر خواہی یا کسی حضرت اور مفسدہ کے انسداد کیلئے کسی شخص یا گروہ کی واقعی بُرائی دوسروں کے سامنے بیان کرنا ضروری ہو جائے، یا اسکے علاوہ ایسے ہی کسی شرعی، اخلاقی یا تمدنی مقصد کا حاصل ہونا اس پر موقوف ہو، تو پھر اس شخص یا گروہ کی بُرائی کا بیان کرنا اس غیبت میں داخل نہ ہوگا جو شرعاً حرام اور گناہ کبیرہ ہے بلکہ بعض حالتوں میں تو یہ کارِ ثواب ہوگا۔

پہنچا چھ جاکم کے سامنے ظالم کے خلاف گواہی دینا یا کسی پیشہ ور دھوکے بازی کی حالتِ بُرائی یا خیر کرنا، تاکہ وہ اسکے دھوکے میں نہ آئیں، اور حضراتِ محدثین کا غیر ثقہ اور غیر عادل راویوں پر مرجح کرنا، اور دین و شریعت کے محافظ علما و محقق کا اہل باطل کی غلطیوں پر لوگوں کو مطلع کرنا یہ سب ایسی قبیل سے ہے۔



(ترجمہ) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے روایت شدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا میں جو شخص دو روز عا ہوگا (اور منافقوں کی طرح مختلف لوگوں سے مختلف قسم کی باتیں کرے گا) قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اچھے اعمال اور اچھے اخلاق جن پر آخرت میں ثواب کے وعدے ہیں مختلف قسم کے ہیں، اور ان کے درجے بھی مختلف ہیں، اسی طرح بُرے اعمال اور بُرے اخلاق جن پر عذاب کی وعیدیں ہیں وہ بھی مختلف قسم اور مختلف درجے کے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے علم و حکمت سے ہر نیک آدمی کو اپنی کمال ثواب و عذاب اس کے مناسب مقرر فرمایا ہے، پس دو روز عا ہونے (جو ایک طرح کی منافقت ہے) اس کی سزا یہ مقرر فرمائی گئی ہے کہ ایسے آدمی کے منہ میں وہاں آگ کی دو زبانیں ہوں گی، اَللّٰهُمَّ احْكُمْنَا۔ واضح رہے کہ مجاذروں میں سے بعضے ساہنوں کی دو زبانیں ہوتی ہیں۔

یہاں یہ بات ہم سب کے لئے سوچنے سمجھنے کی ہے کہ بعض بد اعمالیاں اور بد اخلاقیات حقیقت میں نہایت خطرناک اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت سنگین ہیں، لیکن ہم لوگ ان کو معمولی بات سمجھتے ہیں اور ان سے بچنے کی جتنی فکر کرنی چاہئے اتنی فکر نہیں کرتے، ایسی ہی برائیوں کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: ”وَنَحْنُ بَيْنَهُنَّ هَيَاتًا وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا“ (تم اس کو معمولی اور ہلکی بات سمجھتے ہو، حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بہت سنگین اور بہت بڑی بات ہے)۔ یہ بُری عادت (دو روز عا ہونا) بھی اسی قبیل سے ہے، ہم میں سے بہت سے اس کو معمولی بات سمجھتے ہیں، اور اس سے بچنے کی فکر نہیں کرتے، حالانکہ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتنا سنگین اور خطرناک گناہ ہے اور آخرت میں اس پر کتنا سخت عذاب ہونے والا ہے۔









ذَٰلِكَ فَذَلِيلُكَ يَا مَعْزُومُ ۚ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيُ الْبَرِّ وَالْكَافِرِينَ ۚ

۱۰۰ اَللّٰهُمَّ فِیْ سَعَادَاتِ اَعْلٰی

ترجمہ) عبدالرحمن بن ابی فراس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن وضو کیا تو آپ نے صحابہ وضو کا پانی بے لے کر اپنے چہروں اور جھونپڑوں پر اٹھنے لگے، آپ نے فرمایا: "مَنْ يَمْسَحُ بِرَأْسِهِ مَاءً فَهُوَ كَأَنَّهُ يَسْقِي رَأْسَهُ" کون سا جذبہ تم سے یہ کام کرتا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ: "یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اور اس نے رسول کی محبت اور ان کا یہ جواب سن کر آپ نے فرمایا: "جس شخص کی یہ خوشی ہو، اور وہ یہ چاہے کہ اس کو اللہ اور رسول سے حقیقی محبت ہو، یا یہ کہ اللہ اور رسول اس سے محبت کریں تو اسے چاہئے کہ جب وہ بات کہے تو ہمیشہ سچ بولے اور جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو اسے ان خیانت کے بغیر اس کو ادا کرے اور جس کے پُرس میں اس کا رہنا ہو، اس کے ساتھ بہتر سلوک کرے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ اور رسول کی محبت اور ان کے ساتھ سچے تعلق کا اولین تقاضا یہ ہے کہ آدمی ہمیشہ سچ بولے، امانت داری کو شعار بنائے اور جھوٹ اور خیانت سے کامل پرہیز کرے، اگر یہ نہیں تو محبت کا دعویٰ ایک بے جا جسارت اور ایک طرح کا نفاق ہے۔

(۱۹۶) عَنْ عِمَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِصْبِرُوا لِمَا بَيْنَ يَدَيْكُمْ وَأَنْصَبُوا لَكُمْ الْجَنَّةَ أَصْدَقُوا إِذَا حَلَّ ثَغْرُكُمْ وَأَذْفُوا إِذَا أَعْدَى ثَغْرُكُمْ وَأَذْفُوا إِذَا كُنْتُمْ تَغْرًا وَاحْفَظُوا أَعْرَافَكُمْ وَغَمُّوا أَبْصَارَكُمْ وَكُنْزُوا أَيْدِيَكُمْ

(رواہ احمد و البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم سچ باتوں کے سامن ہو جاؤ اور ان کی زبرداری بے لے

تو میں تمھارے لئے جنت کی ذمہ داری لیتا ہوں (وہ بچہ باتیں یہ ہیں) جب بات کرو تو ہمیشہ سچ بولو، جب کسی سے وعدہ کرو تو اس کو پورا کرو، جب کوئی امانت تم کو سپرد کی جائے تو اس کو ٹھیک ٹھیک ادا کرو، اور حرام کاری سے اپنی شرنگاہوں کی حفاظت کرو، اور جن چیزوں کی طرف نظر کرنے سے منع فرمایا گیا ہے ان کی طرف سے آنکھیں بند کر دو، یعنی کوشش کرو کہ کلن پر نظر نہ پڑے، اور جن موقعوں پر ہاتھ روکنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں ہاتھ روکو (یعنی ناجی کسی کو نہ ملو نہ سناؤ، نہ کسی کی کوئی چیز چھیننے کے لئے ہاتھ بڑھاؤ وغیرہ وغیرہ)۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایمان لے آیا ہے اور فرائض و ارکان ادا کرتا ہے اور مذکورہ بالا چھ بنیادی اخلاق (صدق و امانت وغیرہ) کا بھی اپنے کو پابند بنا لیتا ہے تو پھر یقیناً وہ جنتی ہے، اور اس کے لئے اللہ و رسول کی طرف سے جنت کی ضمانت اور بشارت ہے۔

### تجارت میں صدق و امانت :-

(۱۹۶) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
التَّاجِرُ الطَّيِّبُ وَفِيهِ الْكَفَيَّةُ مَعَ الْبَيْتَيْنِ وَالْعَقْلِ فَيَنْ وَالشُّعْلِ  
(رواہ الترمذی والداری و الدلائل الصلنی)

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- سچا اور امانت دار سوداگر، انبیاء، عقیدت مند اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔  
(جامع ترمذی، مستدرک دارمی، سنن دارقطنی)

(تشریح) اس حدیث نے واضح طور پر یہ بھی بتایا کہ قرب خداوندی کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات حاصل کرنے کے لئے بھی دنیا اور مشاغل دنیا چھوڑنا ضروری نہیں، بلکہ ایک سوداگر بازار میں بیٹھ کر اللہ و رسول کے احکام کی فرمانبرداری اور صدق و امانت جیسے دینی قوانین کی پابندی

کے ذریعہ آخرت میں حضرات انبیاء و ورعہ نفعین و شہداء کی معیت اور رفاقت تک حاصل کر سکتا ہو۔

(۱۹۸) عَنْ عَبْدِ بْنِ رِجَاعَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ التَّجَارَةُ تُخْشَرُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَجَاءَ زَا لَا مَالًا مِّنْ أَثْفَى وَزَوْرٍ وَصَدَقَ - رواه الترمذی وابن ماجہ والدارمی۔

(ترجمہ) عبید بن رفاعہ اپنے والد ماجد حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت کی کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: تاجر لوگ قیامت کے دن بدکار اٹھائے جائیں گے، (یعنی عام تاجروں کا حشر بدکاروں کا سا ہوگا) سوائے ان (خدا ترس اور خدا پرست) تاجروں کے جنھوں نے اپنی تجارت میں تقویٰ کی اور حسن سلوک اور سچائی کو برتنا ہوگا۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

**جھوٹ اور خیانت ایمان کے منافی ہیں :-**

(۱۹۹) عَنْ أَبِي أَسَمَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطْلَعُ الْمُؤْمِنُ عَلَى الْخِلَالِ كُلِّهَا إِلَّا الْخِيَانَةَ وَالْكَذِبَ - رواه احمد والبيهقي في شعب الایمان

(ترجمہ) حضرت ابو اسامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: یہ مومن کی طبیعت اور فطرت میں ہر خصلت کی گنجائش ہے، سوائے خیانت اور جھوٹ کے۔ (مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ مومن اگر واقعی مومن ہو تو جھوٹ اور خیانت کی اس کی فطرت میں گنجائش نہیں ہو سکتی، دوسری باتیں اور کمزوریاں اُس میں ہو سکتی ہیں لیکن خیانت اور جھوٹ جیسی خالص منافقانہ عادتیں ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں، پس اگر کسی میں یہ بڑی

عادتیں موجود ہوں تو اسے سمجھ رہا ہے کہ اس کو ایمان کی حقیقت ابھی نصیب نہیں ہوئی ہے اور اگر اپنی اس محرومی پر وہ مطمئن نہیں رہنا چاہتا ہے تو اس کو ان خلاف ایمان حادثوں سے اپنی زندگی کو پاک کرنا چاہئے

## بھوٹ کی گندگی اور شرابہند :-

۲۰۰۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَاذًا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كُنْتَ الْعَبْدَ تَتَاخَذُ عِثَّةَ الْمَلِكِ مِثْلًا مِنْ ثَنَيْنِ مَا جَاءَ بِهِ (رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ بھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس کے بھوٹ کی بدبو کی وجہ سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) جس طرح اس مادی عالم کی مادی چیزوں میں خوشبو اور بدبو ہوتی ہے اسی طرح اچھے اور بُرے اعمال اور کلمات میں بھی خوشبو اور بدبو ہوتی ہے جس کو اللہ کے فرشتے اسی طرح محسوس کرتے ہیں جس طرح ہم یہاں کی مادی خوشبو اور بدبو کو محسوس کرتے ہیں اور کبھی کبھی وہ اللہ کے بندے بھی اس کو محسوس کرتے ہیں جن کی روحانیت ان کی مادیت پر غالب آجاتی ہے۔

## بڑی سخت خیانت :-

(۲۰۱) سَنَ سَعْمَانَ بْنِ أَسِيدٍ الْمُصَرِّمِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ كَبُرَتْ خِيَانَةٌ أَنْ تُخْلِكَ أَخَاكَ حَدِيثًا وَهُوَ لَكَ بِمُصَدِّقٍ دَأَنْتَ بِهِ كَاذِبٌ

(رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) سفیان بن اسید حضری سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے آپ فرماتے تھے: یہ بہت ہی بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی بات جھوٹی بیان کرو، درانحالیکہ وہ تم کو اس بیان میں سچا سمجھتا ہو۔  
(سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جھوٹ اگرچہ بہر حال گناہ ہے اور بہت سنگین گناہ ہے لیکن بعض خاص صورتوں میں اس کی سنگینی اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے، ان ہی صورتوں میں سے ایک صورت یہ بھی ہے کہ ایک شخص تم پر پورا بھروسہ اور اعتبار کرے اور تم کو بالکل سچا سمجھے اور تم اس کے اعتبار اور سنن سننے سے ایسا نیکو فائدہ اٹھا کر اس سے جھوٹ بولو، اور اس کو دھوکا دو۔  
جھوٹی گواہی:-

(۲۰۲) عَنْ حُرَيْرِ بْنِ قَانِدٍ قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الصُّبْحِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَامَ نَائِمًا فَقَالَ عَدِلْتُ شَهَادَةَ التَّوْبَةِ بِاللَّهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَرَأَ فَأَخْتَبَيْتُ الْوَجْهَ مِنَ الْإِثْمَانِ وَاجْتَبَيْتُ قَوْلَ التَّوْبَةِ رِخْفَاءَ يَدٍ غَيْرَ مُشْرِعِينَ بِهِ ————— رواه ابوداؤد وابن ماجه

(ترجمہ) خرم بن قانک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صبح کی نماز پڑھی، جب آپ اس سے فارغ ہوئے تو ایک دم کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ: جھوٹی گواہی اگر خدا کے برابر کر دی گئی، یہ بات آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی، اور قرآن مجید (سورہ حج) کی یہ آیت تلاوت فرمائی: وَاجْتَبَيْتُ الْوَجْهَ مِنَ الْإِثْمَانِ وَاجْتَبَيْتُ قَوْلَ التَّوْبَةِ رِخْفَاءَ يَدٍ غَيْرَ مُشْرِعِينَ بِهِ۔ (تو میں نے اپنی ہمت پرستی کی گندگی سے بچو

اور بھوٹی بات کہنے سے بچتے رہو، صرف ایک اللہ کے ہو کر، کسی کو اس کے ساتھ  
شریک نہ کرتے ہوئے۔ (سنن ابی داؤد و سنن ابن ماجہ)

(تشریح) ابھی اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ ہر جھوٹ گناہ ہے لیکن اس کی بعض قسمیں  
اور بعض صورتیں بہت ہی بڑا گناہ ہیں، ان ہی میں سے ایک یہ ہے کہ کسی قہنیہ اور معاملہ میں  
جھوٹی گواہی دی جائے، اور اس جھوٹی گواہی کے ذریعہ کسی اللہ کے بندہ کو نقصان پہنچایا  
جائے۔ سورہ حج کی مذکورہ بالا آیت میں جھوٹ کی اسی قسم کو شرک اور بت پرستی کے ساتھ ذکر  
کیا گیا ہے اور دونوں سے بچنے کی تاکید کے لیے ایک ہی لفظ استعمال کیا گیا ہے قرآن مجید کے  
اسی طرز بیان کا حوالہ دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہ ارشاد فرمایا کہ  
جھوٹی گواہی اپنی گندگی میں اور اللہ کی ناراضی اور لعنت کا باعث ہونے میں شرک باللہ کے  
ساتھ جوڑ دی گئی ہے، اور یہ بات آپ نے تین بار ارشاد فرمائی، اور کھڑے ہو کر ایک خاص جلالی  
انداز میں ارشاد فرمائی۔

اور جامع ترمذی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے ایک دن صحابہؓ سے ارشاد  
فرمایا، اور تین دفعہ ارشاد فرمایا: ”کیا میں تم لوگوں کو بتاؤں کہ سب سے بڑے گناہ کون کون ہیں؟  
پھر آپ نے فرمایا: ”اللہ کے ساتھ شرک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، اور معاملات میں جھوٹی  
گواہی دینا اور جھوٹ بولنا،“ راوی کا بیان ہے کہ پہلے آپ سہارا لگائے ہوئے بیٹھے تھے لیکن  
پھر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، اور بار بار آپ نے اس ارشاد کو دہرایا، یہاں تک کہ ہم نے کہا کہ کاش  
آپ خاموش ہو جاتے۔۔۔ یعنی اُس وقت آپ پر ایک ایسی کیفیت طاری تھی اور  
آپ ایسے جوش سے فرما رہے تھے کہ ہم عسوس کر رہے تھے کہ آپ کے قلب مبارک پر اس وقت  
بڑا بوجھ ہے، اس لیے جی چاہتا تھا کہ اس وقت آپ خاموش ہو جائیں، اور اپنے دل پر  
اتنا بوجھ نہ ڈالیں

## بھوٹی قسم :-

(۲۰۳) عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَلَعَ عَلَى يَمِينٍ صَبْرًا وَهُوَ فِيهَا فَاجِرٌ يَنْقُطُ بِهَا مَا لَ امْرِئِي مُسْلِمٍ لَقِيَ اللَّهَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضَبَانِ

(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- جس شخص نے حاکم کے سامنے بھوٹی قسم کھائی تاکہ اس کے ذریعہ کسی مسلمان آدمی کا مال مارے، تو قیامت کے دن اللہ کے سامنے اس حال میں اس کی پیشی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس پر سخت غضبناک اور ناراض ہوں گے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲۰۴) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اقْنَطَعَ حَقَّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَسْتَبِينِهِ فَقَدْ آذَى جَبَّ اللَّهَ لَهُ النَّارَ وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ وَإِنْ كَانَ شَيْئًا يَسِيرًا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ وَإِنْ كَانَ قَضِيًّا مِنْ أَرْبَعٍ

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- جس شخص نے قسم کھا کر کسی مسلمان کا حق ناجائز طور سے مار لیا، تو اللہ نے ایسے آدمی کے لیے دوزخ واجب کر دی ہے اور جنت کو اس پر حرام کر دیا ہے۔ — حاضرین میں سے کسی شخص نے عرض کیا کہ :- یا رسول اللہ! اگرچہ وہ کوئی معمولی ہی چیز ہو (یعنی اگر کسی نے کسی کی بہت معمولی



سی چیز قسم کھا کر ناجائز طور سے حاصل کر لی، تو کیا اس صورت میں بھی دوزخ اس کے لیے واجب اور جہنم اُس پر حرام ہوگی؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں اگرچہ جنگلی درخت پہلو کی ٹہنی ہی ہو۔

(تشریح) یعنی اگر بالکل معمولی اور بالکل بے حیثیت قسم کی کسی کی کوئی چیز بھی بھوٹی قسم کھا کر کوئی حاصل کرے گا تو وہ بھی دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

(۲۰۵) عَنْ الْأَسْعَثِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْطَعُ أَحَدٌ مَالًا بَيْنَيْنِ إِلَّا لَقِيَ اللَّهَ وَهُوَ آخِذٌ فَمِ

(رد الوابو داؤد)

ترجمہ اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی کا مال بھوٹی قسم کھا کر مارے گا وہ اللہ کے سامنے کوڑھی ہو کر پیش ہوگا۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) ان تینوں حدیثوں میں اس شخص کا انجام بیان کیا گیا ہے جو کسی معاملہ اور مقدمہ میں بھوٹی قسم کھا کر دوسرے فریق کا مال مارے حضرت عبداللہ بن مسعود والی پہلی حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن جب خدا کے دربار میں اس کی پیشی ہوگی تو اس شخص پر اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہوگا۔ نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ غَضَبِهِ وَعِقَابِهِ۔ اور حضرت ابوامامہ والی

دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ایسے شخص پر جہنم حرام ہے، اور دوزخ کا اس کے لیے لازمی اور قطعی فیصلہ ہے۔ اور اشعث بن قیس کی اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ایسا شخص قیامت کے دن کوڑھی ہو کر خدا کے سامنے پیش ہوگا۔ اللہ کی پناہ اکتسی سخت ہیں یہ تینوں سزائیں اور ظاہر ہے کہ ان میں باہم کوئی منافات اور تضاد نہیں ہے، لہذا اگر یہ شخص اس گناہ عظیم سے توبہ اور تلافی کر کے دنیا سے نہیں گیا ہے۔ تو پھر ان حدیثوں کا تقاضا یہی ہے کہ اُس کو یہ سب کچھ پیش آئے گا، اور وہ یہ سارے عذاب چکھے گا۔

اور واقعہ یہ ہے کہ حاکم کی عدالت میں خدا کی قسم کھا کر، اور خدا کو گواہ اپنا گواہ قرار دیکر جھوٹ بولنا، اور کسی جند و کمال مارنے کے لیے یا اس کو بے آبرو کرنے کے لیے خدا کے ایک نام کو استعمال کرنا، بے بھی ایسا ہی بڑا گناہ کہ جس کی نہ راجتی بھی سخت دی جائے عین حکمت ہے۔

(۲۶۶) عَنْ أَبِي ذَرٍّ عَنِ النَّسَبِيِّ قَالَى اللَّهُ عَلَيْكَ وَنَسَبُكَ قَالَ تَلْكَ

لَا يَسْكَيْهُمْ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيهِمْ  
وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ قَالَ أَبُو ذَرٍّ خَابُوا وَتَحْسِرُوا أَمِنْ هُمْ  
يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الْمُسْبِلُ وَالْمُتَانِ وَالْمُنْفِقُ سِلْعَةٌ

بِالْخَلْقِ الْكَاذِبُ ----- رِوَاةُ مُسْلِم

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمی ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے ہم کلام ہوگا، ان پر عنایت کی نظر کرے گا، اور رنگنا ہوں اور گندگیوں سے ان کو پاک کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ابوذر غفاریؓ نے عرض کیا: یہ لوگ تو نامراد ہوئے اور لوٹے میں پڑے، حضور! تین کون کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: اپنا تہ بندہ سے بچے لٹکانے والا (جیسا کہ شکروں اور مغروروں کا طریقہ ہے) اور احسان جتانے والا اور جھوٹی قسمیں کھا کے اپنا سودا چلانے والا۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) جس طرح حاکم اور بیچ کے سامنے کسی معاملہ میں جھوٹی قسم کھانا اللہ تعالیٰ کے پاک نام کا نہایت غلط اور ناپاک استعمال ہے اسی طرح اپنے سودے کو بیچنے کے لیے گناہک کے سامنے جھوٹی قسم کھا کے اس کو یقین دلانا بھی اسم الہی کا نہایت بے عمل استعمال اور بڑی دنی حرکت ہے، اس لیے یہ بھی جھوٹ کی نہایت سنگین قسم ہے اور قیامت میں ایسے شخص کو دردناک عذاب دیا جائے گا، اور اپنی اس ذلیل بدکرداری کی وجہ سے یہ کذاب تاہر آخرت میں اللہ تعالیٰ

کی ہم کلامی اور اُس کی نظر کرم اور گناہوں کی بخشش سے محروم رہے گا۔

جھوٹ کی بعض خفی قسمیں :-

جھوٹ کی چند سنگین قسموں کا ذکر تو اوپر ہو چکا، لیکن بعض جھوٹ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو بہت سے لوگ جھوٹ ہی نہیں سمجھتے، حالانکہ وہ بھی جھوٹ ہی میں داخل ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے بھی پرہیز کرنے کی تاکید فرمائی ہے، ذیل کی حدیثوں میں جھوٹ کی بعض ایسی ہی صورتوں کا ذکر ہے۔

(۲۰۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ وَعَنْهُ أُتِيَ يَوْمًا وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ فِي بَيْتِنَا فَقَالَ لَتَ هَاتِفًا لِي أُعْطِيكَ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَرَدْتَ أَنْ تُعْطِيَهُ ؟ قَالَتْ أَرَدْتُ أَنْ أُعْطِيَهُ نَمْرًا فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا أَنْتِ كَوَلَّمْتِ تُعْطِيهِ شَيْئًا لَتَيْتِ عَلِيَّكَ كَذِبًا

(رواہ ابو داؤد و البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے، میری والدہ نے مجھے پکارا اور کہا بڑھ کے آ، میں تجھے کچھ دوں گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری ماں سے فرمایا: تم نے اس بچے کو کیا چیز دینے کا ارادہ کیا ہے؟ میری ماں نے عرض کیا میں نے اس کو ایک مجھوڑ دینے کا ارادہ کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یاد رکھو اگر اس کہنے کے بعد تم اس بچے کو کوئی چیز نہ دیتیں، تو تمہارے نامہ اعمال میں ایک جھوٹ لکھا جاتا۔ (سنن ابی داؤد، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا اصل فساد یہ ہے کہ بچوں کو بہلانے

کے لیے بھی جھوٹ کا استعمال نہ کیا جائے، کیونکہ مسلمان کی زبان جھوٹ سے آلودہ ہونی ہی نہ چاہیے  
 علاوہ ازیں اس کی ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ ماں باپ اگر بچوں سے جھوٹ بولیں گے اگرچہ ان کا  
 مقصد صحت بہلا دیا جی ہو، پھر بھی بچے اُس سے جھوٹ بولنا سیکھیں گے اور جھوٹ بولنے میں وہ  
 کوئی تباہت نہ سمجھیں گے۔

(۲۰۸) عَنْ بَعْثَرِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَمْنٌ يُخَدِّثُ فَيُكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمُ"  
 وَنِيلٌ لَكَ وَنِيلٌ لَكَ (رواه: احمد، الترمذی و ابوداؤد والدارمی)

(ترجمہ) بہتر بن حکیم اپنے والد معاذیہ کے اپنے دادا حمید سے روایت کرتے ہیں  
 کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جو شخص لوگوں کو ہنسانے کے لیے اپنے بیان  
 میں جھوٹ بولے اُس پر افسوس! اُس پر افسوس۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، ابن ابی داؤد و دارمی)  
 (تشریح) مطلب یہ ہے کہ مرن لطف محبت اور ہنسنے ہنسانے کے لیے جھوٹ بولنا بھی بُری  
 بات اور بُری عادت ہے، اگرچہ اُس سے کسی کو نقصان نہیں پہنچتا، لیکن اولاً تو خود بولنے والے  
 کی زبان جھوٹ سے آلودہ ہوتی ہے، دوسرے جھوٹی باتوں سے اہل ایمان کے دل میں جو نفرت  
 ہونی چاہیے اس میں بھی کمی آتی ہے، اور تیسری خرابی یہ ہے کہ لوگوں میں جھوٹی باتیں کرنے کی  
 جرأت اس سے پیدا ہوتی اور جھوٹ کے رواج کو مدد ملتی ہے۔

(۲۰۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

سَخِيٌّ يَأْتِسُرُهُ كَيْدٌ بَا آَن يُخَدِّثُ بِكَلِمَاتٍ مَاتِيَةٍ — (رواه: مسلم)  
 (ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ آدمی کے لیے یہی جھوٹ کافی ہے کہ وہ جو کچھ کہے اُس سے  
 بیان کرتا پھرے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ہر سنی سنی بات کو بغیر تحقیق کے بیان کرتے پھرنا بھی ایک درجہ کا جھوٹ ہے اور جس طرح جان بوجھ کر جھوٹ بولنے کی عادت رکھنے والا آدمی قابلِ اعتبار نہیں ہوتا اسی طرح یہ آدمی بھی لائقِ اعتماد نہیں رہتا۔ — بہر حال مومن کو چاہئے کہ وہ خفی قسم کے ان سب جھوٹوں سے بھی اپنی زبان کی حفاظت کرے۔

### خیانت کی بعض خفی قسمیں :-

جس طرح بعض جھوٹ اس قسم کے ہیں کہ بہت سے لوگ ان کو جھوٹ ہی نہیں سمجھتے، اسی طرح خیانت کی بھی بعض صورتیں ایسی ہیں کہ بہت سے لوگ ان کو خیانت ہی نہیں جانتے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں بھی امت کو واضح طور پر آگاہ ہی دی ہے، اس سلسلہ میں ذیل کی حدیثیں پڑھئے :-

(۲۰۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - لَا يَنْبَغِي الْهَيْثَمُ بْنُ الْيَتِّهِانِ أَنْ الْمُسْتَشَارَ مُؤَكَّمًا -

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ابو الہیثم بن الیتمان سے فرمایا: جس سے کسی معاملہ میں مشورہ کیا جائے وہ اس میں امین ہے اور اس کے سپرد امانت کی جاتی ہے۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) ابو الہیثم بن الیتمان نے ایک معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ چاہا، اس موقع پر آپ نے ان سے ارشاد فرمایا، جس کا مطلب یہ تھا کہ جس سے کسی معاملہ میں مشورہ لیا جائے اُسے چاہیے کہ وہ غصہ کرے کہ مشورہ چاہنے والے نے اس کو اعتماد اور بھروسہ کے قابل سمجھ کر اُس سے مشورہ چاہا ہے اور اپنی ایک امانت اس کے سپرد کی ہے، لہذا

اُسے چاہئے کہ حقیقی امانت ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرے، یعنی اچھی طرح سوچ سمجھ کر مشورہ دے اور پھر اس کی بات کو راز میں رکھے، اگر ایسا نہیں کرے گا تو ایک درجہ کی خیانت کا مجرم ہوگا۔

(۲۱۰) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
قَالَ إِذَا حَدَّثَ الرَّجُلُ أَخَاهُ بَثْنَةً أَلْتَفَتَ فِيهِ أَمَانَةً —

(رواہ السنن ابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت جابر بن عبد اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔ جب کوئی شخص اپنی کوئی بات کہے اور پھر ادھر ادھر دیکھے تو وہ امانت ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

اقتضیٰ شرح، مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تم سے بات کرے اور وہ زبانی تم سے نہ کہے کہ اس کو راز رکھنا، لیکن اس کے کسی مرزا نواز سے تمہیں محسوس ہو کہ وہ نہیں چاہتا ہے کہ اس کی یہ بات عام لوگوں کے علم میں آئے، تو پھر اس کی یہ بات امانت ہی ہے، اور امانت کی طرح تم کو اس کی حفاظت کرنی چاہئے، اگر ایسا نہ کیا اور دوسروں کو تم نے پہنچا دیا، تو تمہاری طرف سے امانت میں نیچائت ہوگی، اور تمہیں خدا کے سامنے اس کا جواب دینا ہوگا۔

لیکن دیاب دوسری حدیث میں صاف فرمایا گیا ہے کہ:۔ اگر کسی بندہ کے ناحق قتل یا اٹھکی آبروریزی یا اس کو مالی نقصان پہنچانے کی کوئی سازش تمہارے علم میں آئے، تو پھر ہرگز اس کو راز میں نہ رکھو بلکہ متعلقہ آدمیوں کو اس سے مطلع کر دو۔ وہ حدیث بھی پڑھ لیجئے:۔

(۲۱۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
الْمَجَالِسُ بِأَمَانَةٍ ثَلَاثَةٌ مَجَالِسُ سَفَلَةٍ دَرَجَاتٍ وَأَوْ  
فَرْجٍ حَرَامٍ وَأَوْ قِطَاعٍ مَالٍ يَغَايِرُ حَقًّا —

(رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا:۔۔۔ نشستیں امانت داری کے ساتھ ہوں (یعنی کسی مجلس میں راز داری کے ساتھ جو مشورہ یا فیصلہ ہو، اہل مجلس امانت سمجھ کر اس کو راز میں رکھیں) لیکن تین مجلسیں اس سے مستثنیٰ ہیں:۔۔ ایک وہ جس کا تعلق کسی کے خونِ ناحق کی سازش سے ہو، دوسرے وہ جس کا تعلق کہیں کی عصمت و عفت لوٹنے کے مشورہ سے ہو، اور تیسرے وہ جس کا تعلق بچہ کسی حق کے کسی کا مال پھیننے سے ہو۔  
(سنن ابی داؤد)

(تفسیر صحیح) ان تین باتوں کو بھی صرف مثال سمجھنا چاہئے، ورنہ مشایہ ہے کہ اگر کسی مجلس میں کسی محبت اور ظلم کے لئے کوئی سازش اور کوئی مشورہ کیا جائے، اور تم کو بھی اس میں شریک کیا جائے، تو پھر ہرگز اس کو راز میں نہ رکھو، بلکہ اس سورت میں تمہاری دیانت داری اور امانت داری کا تقاضا یہ ہے کہ ظلم و محبت کے اس منصوبہ کو ناکام بنانے کے لئے جن کو اس سے باخبر کرنا تم ضروری سمجھو، ان کو ضرور باخبر کر دو، اگر ایسا نہ کر دے گے تو اللہ کے حق میں بھی خیانت ہوگی اور بندوں کے حق میں بھی۔

اختلاف اور فتنہ کو ختم کرنے کیلئے اپنی طرف کچھ کھدینا جھوٹ نہیں:۔۔

(۲۱۲) عَنْ أُمِّ كَلثُومٍ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبَسَ الْكَذَّابُ الدِّمِيَّ يُصَلِّي بَيْنَ النَّاسِ وَيُتْبَعُ خَيْرًا وَيَنْجُو خَيْرًا۔۔۔ (رواہ ابن ماجہ) ومسل۔

(ترجمہ) ام کلثوم (بنت عقبہ بن ابی معیط) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔۔۔ وہ آدمی جھوٹا اور گنہگار نہیں ہے جو باہم لڑنے والے آدمیوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرے، اور اس سلسلہ میں (ایک فریق کی طرف سے دوسرے فریق کو) خیر اور بھلائی کی باتیں پہنچائے، اور

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)  
 (کشمکش) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دو شخصوں یا دو پارٹیوں کے درمیان سخت نزاع اور  
 رنجش ہے اور ہر فریق دوسرے کو اپنا دشمن سمجھتا ہے اور پھر اس کے نتیجہ میں بڑے بڑے شر  
 اور فتنے پیدا ہوتے ہیں۔ بعض کبھی تو خون خرابا و قتل و غارت اور آبرو و بڑی تکذوبت پہنچ  
 جاتی ہے، ائمہ عداوت کے جوش میں ہر طرف سے ظلم اور تعدی کو اپنا حق سمجھا جاتا ہے، ان حالات  
 میں اگر کوئی شخص اور اپنے غصہ بندہ ان دونوں برسرِ جنگ فریقوں کے درمیان صلح کرانے کی  
 کوشش کرے، اور اس کے لئے وہ ضرورت محسوس کرے کہ ایک فریق کی طرف سے دوسرے  
 فریق کو ایسی خیر اندیشی کی باتیں پہنچانی جائیں جن سے جنگ و عداوت کی آگ بجھے اور خوشگامی  
 اور مصاکحت کی فضا پیدا ہو، تو اس مقصد کے لئے اگر اللہ کا وہ بندہ ایک فریق کی طرف سے  
 دوسرے فریق کو ایسی خوش کن اور صلح جو یا نہ باتیں بھی پہنچائے، جو واقعہ میں اُس فریق نے  
 نہ کی ہوں، تو اس شخص بندہ کا اسی کرنا اُس جھوٹ میں شمار نہ ہوگا، جو مصیبت اور گناہ کبیرہ کا  
 بس یہی اس حدیث کا منشا ہے۔ اور یہی مطلب ہے حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے  
 اس بقولہ کا کہ: "دو غصہ مصلحت آمیز بہ از۔ استی فتنہ انگیز۔"

### ایفاء و عہد اور وعدہ خلاقی :-

وعدہ کر کے پورا کرنا درحقیقت پیمانی ہی کی ایک عملی قسم ہے، اور وعدہ خلاقی ایک طرح کا  
 عملی جھوٹ ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اخلاقی تعلیم میں وعدہ خلاقی سے بچنے  
 اور ہمیشہ وعدہ پورا کرنے کی بھی سخت تاکید فرمائی ہے۔

چند ہی صفحے پہلے وہ حدیث گذر چکی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 چند اچھے اخلاق کا ذکر کر کے فرمایا کہ :- جو شخص ان باتوں کی پابندی کی ذمہ داری لے نہیں لے گا  
 لئے جنت کا ذمہ لیتا ہوں۔ اور ان میں آپ نے ایفاء و وعدہ کو بھی گنایا۔





صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَعْدَةُ دِينَ

(رواہ الطبرانی فی الاوسط)

(ترجمہ) حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- وعدہ بھی ایک طرح کا قرض ہے (لہذا اس کو ادا کرنا چاہئے)۔ (معجم الاوسط للطبرانی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو کچھ دینے کا یا اس کے ساتھ کوئی سلوک کرنے کا یا اسی طرح کا کوئی اور وعدہ کیا گیا ہے تو وعدہ کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اس کو اپنے پرفرض سمجھے اور اس کو پورا کرنے کی فکر کرے۔ لیکن اگر بالفرض کسی بڑے کام میں ساتھ دینے کا یا کسی اور ایسے کام کے کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے جو شرعاً صحیح نہیں ہے یا اس سے کئی سرے کی حق تلفی ہوتی ہے تو اس وعدہ کا پورا کرنا ضروری نہ ہوگا، بلکہ اسکے خلاف ہی کرنا ضروری ہوگا اور اس وعدہ خلافی میں کوئی گناہ نہ ہوگا، بلکہ اسے شرعیّت کا ثواب ہوگا۔

(۲۱۵) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي النُّعْمَاءِ قَالَ بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ يَبْعَثَ وَبَقِيتُ لَهُ بَقِيَّةٌ فَوَعَدَنِي أَنِ آتِيَنِي بِهَا فِي مَكَانِهِ فَتَنَسَّيْتُ قَدْ كُنْتُ بَعْدَ ثَلَاثِ أَيَّامٍ أَهْوَيْ مَكَانَهُ فَقَالَ لَقَدْ شَقَقْتَ عَلَيَّ أَنَا هُمَا هُنْدُ ثَلَاثِ أَنْتَ ظَنَنْتَ

(رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) عبداللہ بن ابی النعماء سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے (یعنی آپ کے نبی ہونے سے پہلے) آپ سے خرید و فروخت کا ایک معاملہ کیا (پھر جو کچھ مجھے دینا تھا اس کا کچھ حصہ تو میں نے وہیں سے لے لیا) اور کچھ ادا کرنا باقی رہ گیا، تو میں نے آپ سے وعدہ کیا کہ میں اسی جگہ لے کر آتا ہوں پھر میں بھول گیا، اور تین دن کے بعد مجھے یاد آیا (میں اسی وقت لے کر پہنچا) تو

دیکھا کہ آپ اسی جگہ موجود ہیں، آپ نے فرمایا کہ: تم نے مجھے بڑی شکل میں ڈالا۔  
اور بڑی رحمت دی، میں تمہارے انتظار میں تین دن سے یہیں ہوں۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) گویا نبی ہونے سے پہلے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وعدہ کی  
ایسی پابندی فرماتے تھے کہ تین دن تک ایک جگہ رہ کر ایک شخص کا انتظار فرماتے رہے۔  
واضح رہے کہ وعدہ کی اس حد تک پابندی کرنا شرعاً ضروری نہیں ہے (جیسا کہ اسکے بعد والی  
حدیث سے معلوم بھی ہو جائے گا) لیکن اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت میں  
جو ”خلق عظیم“ ودیعت فرمایا تھا، اس کا تقاضا یہی تھا۔

(۲۱۶) عَنْ زَيْدِ بْنِ أَوْفَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
قَالَ مَنْ وَعَدَ رَجُلًا فَلَمْ يَأْتِ أَحَدًا مِمَّا إِلَى وَفَّيَ الْمَسْلُوفَ وَ  
ذَهَبَ الَّذِي جَاءَ لِيُصَلِّيَ فَلَا رَأْيَ لِي

(رواہ ذہیب)

(ترجمہ) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی دوسرے شخص سے (کسی جگہ آکر ملنے کا)  
وعدہ کیا، پھر نہ آئے وقت تک ان میں سے ایک نہیں آیا (اور دوسرا وقت معین پر  
مقرر جگہ پر پہنچ گیا، اور نہ آنے والے کا انتظار کرنا، یہاں تک کہ نماز کا وقت  
آگیا) اور یہ پہنچ جانے والا نماز پڑھنے کے لئے مقررہ جگہ سے چلا گیا، تو اس کو  
کوئی گناہ نہ ہو گا۔

(زہیب)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جب وعدہ کے مطابق یہ شخص مقررہ جگہ پر پہنچ گیا، اور  
کچھ دیر تک دوسرے آدمی کا انتظار بھی کرتا رہا، تو اس نے اپنا حق ادا کر دیا، اب اگر نماز کا وقت  
آجائے پر یہ شخص نماز پڑھنے کے لئے پہنچ جائے، یا اپنی کسی دوسری ضرورت سے چلا جائے، تو

اس پر وعدہ خلافی کا الزام نہیں آئے گا۔ اور یہ گناہگار نہیں ہوگا۔

(۲۱۷) عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا دَعَاكَ الْوَحْلُ أَخَاهُ وَ مِنْ زَيْتَتِهِ أَنْ تَفِيَّ وَ كَمْ يَجِيئُ لِلْبَيْعَةِ فَذَكَرْنَا مِنْهُ عَلَيْهِ ————— رواه أبو داود و الترمذی (ترجمہ) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکل کر تھے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔ جب کسی آدمی نے اپنے کسی بھائی سے آنے کا وعدہ کیا، اور اس کی نیت یہی تھی کہ وہ وعدہ پورا کرے گا، لیکن (کسی وجہ سے) وہ مقررہ وقت پر آیا نہیں، تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص نے کوئی وعدہ کیا، اور نیت اس کو پورا کرنے کی ہی تھی، لیکن کسی وجہ سے وہ اپنا وعدہ پورا نہ کر سکا تو عنداں گناہگار نہ ہوگا، لیکن اگر نیت ہی وعدہ پورا کرنے کی نہ تھی، اور اس کا یہ وعدہ ایک طرح کا فریب تھا، تو اس کے گناہ ہونے میں شبہ نہیں۔

تواضع و خاکساری اور غرور و تکبر۔

تواضع یعنی فروتنی اور خاکساری ان خاص اخلاق میں سے ہے جن کی قرآن و حدیث میں بہت زیادہ تاکید فرمائی گئی ہے، اور بڑی ترغیب دی گئی ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ انسان بندگی اور بندہ کا حسن و کمال یہی ہے کہ اس کے عمل سے بندگی اور نیا زندگی ظاہر ہو، اور تواضع اور خاکساری بندگی اور عبدیت ہی کا منظر ہے، جیسے کہ اس کے بالکل برعکس تکبر و کبریا کی کا منظر ہے، اور اسی لئے وہ شاہن بندگی کے قطعاً خلاف اور صرف خدا ہی کے لئے زیبا ہے۔

(۲۱۸) عَنْ عِيَّاضِ بْنِ حِمَارٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ أَوْحَى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوا حَتَّى لَا يَبْتَغِيَ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ  
وَلَا يَفْتَضِلَّ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ \_\_\_\_\_ رواه ابوداؤد۔

(ترجمہ) عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی اور حکم بھیجا ہے کہ تواضع اور خاکساری اختیار کرو جس کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ کوئی کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرے، اور کوئی کسی کے مقابلہ میں فخر نہ کرے۔ (سنن ابی داؤد)

(۲۱۹) عَنْ مُحَمَّدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ وَهُوَ عَلَى الْوَيْسِ بْنِ يَاسٍ  
أَيْتُهَا النَّاسُ تَوَاضَعُوا فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ تَوَاضَعَ لِلَّهِ رَفَعَهُ اللَّهُ فَهُوَ فِي نَفْسِهِ صَغِيرٌ  
وَفِي أَعْيُنِ النَّاسِ عَظِيمٌ وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللَّهُ فَهُوَ فِي  
أَعْيُنِ النَّاسِ صَغِيرٌ وَفِي نَفْسِهِ كَبِيرٌ حَتَّى يَهْوَاهُ هَوْنٌ عَلَيْهِمْ  
مِنْ كُلِّ أَوْ خَيْرٌ \_\_\_\_\_ رواه البيهقي في شعبه الإيمان۔

(ترجمہ) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک دن خطبہ میں برسرِ منبر فرمایا: لوگو! فروتنی اور خاکساری اختیار کرو، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے: جس نے اللہ کیلئے (یعنی اللہ کا حکم سمجھ کر اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے) خاکساری کا رویہ اختیار کیا (اور بندگانِ خدا کے مقابلہ میں اپنے کو اونچا کرنے کے بجائے نیچا رکھنے کی کوشش کی) تو اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرے گا، جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ اپنے خیال اور اپنی نگاہ میں تو چھوٹا ہو گا، لیکن عام بندگانِ خدا کی نگاہوں میں اونچا ہو گا۔ اور جو بڑی تکبر اور بڑائی کا رویہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو نیچے گرا دے گا، جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ عام لوگوں کی نگاہوں

میں ذلیل و خقیق ہو جائے گا۔ اگر خود اپنے خیال میں ترا ہوگا لیکن دوسروں کی نظر میں وہ کتوں اور خنزیروں سے بھی زیادہ ذلیل اور بے وقعت ہو جائے گا۔  
(شعب الایمان المصیق)

۲۲۰ عَنْ مَارِیَةَ بْنِ ذَهَبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ كُلُّ ضَعِيفٍ مُتَضَعِّفٍ لَوْ أَنَّكُمْ عَلَى اللَّهِ لَبَزْتُمْ هَذَا أَجْرَكُمْ يَا أَهْلَ النَّارِ كُلُّ عَظِيمٍ يَجْزَاؤُكُمْ عَلَيْهِ

(ترجمہ) حضرت عمارت بن ذہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو بتاؤں کہ جنتی کون ہے؟ ہر وہ شخص جو (معاشرہ اور برتاؤ میں) اکثر اور سخت نہ ہو، بلکہ عاجزوں کمزوروں کا سا اس کا رویہ ہو۔ اور اسلئے لوگ اس کو کمزور کہنے ہوں (اور اللہ کے ساتھ اس کا تعلق ایسا ہو کہ اگر وہ اللہ پر قسم کھائے تو اللہ اس کی قسم پوری کر دکھائے۔ اور کیا میں تم کو بتاؤں کہ دوزخی کون ہے؟ ہر اکثر، بدخوا اور غرور شخص۔  
(بخاری و مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں اہل جنت کی صفت "ضعیف متضعف" بتلائی گئی ہے اس سے مراد وہ شخص دکروری نہیں ہے جو قوت و طاقت کے مقابلہ میں بولی جاتی ہے، کیونکہ وہ ضعف دکروری کوئی قابل تعریف صفت نہیں ہے، بلکہ ایک حدیث میں تو صراحت فرمایا گیا ہے کہ:   
الْمُؤْمِنُ الضَّعِيفُ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى مِنَ الْمُؤْمِنِ الْقَوِي الضَّعِيفُ (صح مسلم)  
(طاقتور مسلمان خدا کے نزدیک کمزور مسلمان سے زیادہ بہتر اور محبوب ہے)۔ بلکہ جیسا کہ ترجمہ میں واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے، یہاں ضعیف و متضعف سے مراد وہ شریف الطبع متواضع اور نرم خو شخص ہے جو معاشرہ اور برتاؤ میں عاجزوں اور کمزوروں کی طرح دوسروں سے

دب جائے، اور اسلئے لوگ اسے کمزور سمجھیں اور دبا لیا کریں۔ اسی لئے اس حدیث میں ضعیف و متضعف کے مقابلہ میں عقل، جو آظ مشکبہ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تواضع و نرمی اور عاجزی اہل جنت کی صفت ہے، اور غرور و استکبار اور اکھڑن دوزخیوں کے اوصاف ہیں۔

اس حدیث میں جنتیوں کی صفت میں ”ضعیف و متضعف“ کے ساتھ ایک بات یہ بھی فرمائی گئی ہے کہ اگر وہ بندہ اللہ پر قسم کھائے تو اللہ اس کی قسم پوری کر دے۔ بظاہر اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس طرف اشارہ فرمانا ہے کہ جب کوئی بندہ اللہ کے لئے اپنی خودی کو مٹا کر اللہ کے بندوں کے ساتھ عاجزی اور فروتنی کا رویہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ اتنا مقرب ہو جائے گا کہ اگر وہ قسم کھائے کہ فلاں بات یوں ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کی لاج رکھے گا، اور اس کی بات کو پورا کر دے گا، یا یہ کہ اگر وہ بندہ کسی خاص معاملہ میں اللہ کو قسم دے کر اس سے کوئی خاص دعا کرے گا، تو اللہ اس کی دعا ضرور قبول کرے گا۔

(۲۲۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي فُكْلِهِ وَثَقَالٌ ذَكَرَ مِنْ كَثْرٍ  
رواہ مسلم و البخاری۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔۔ وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔ (مسلم و بخاری)

(تفسیر صحیح) کبر باری اور بڑائی دراصل صرف اُس ذات پاک کا حق ہے جس کے ہاتھ میں سب کی موت و حیات اور عزت و ذلت ہے، جس کے لئے کبھی فنا نہیں، اور اس کے علاوہ سب کے لئے فنا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:۔۔

ذَٰلِكَ الْكِتَابُ بَرَاءٌ لِّغِيَابِ السَّمَوَاتِ اور اسی کے لئے کبر باری اور بڑائی ہو

وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ  
(جاتیہ ۲-۴) آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے  
زبردست اور حکمت والا۔

یہ اب جو پر غلط انسان کبریائی اور بڑائی کا دعویٰ کر رہا ہو، اور اللہ کے بندوں کے ساتھ غرور  
تکبر اس کا رویہ ہو، وہ گویا اپنی حقیقت بھول کر اللہ تعالیٰ کا حریف بننا ہے، اس لئے وہ  
بہت ہی بڑا مجرم ہے، اور اس کا جرم نہایت ہی سنگین ہے، اور اس حدیث میں رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا ہے کہ اپنی اس فرعونی صفت کی وجہ سے وہ جنت میں  
نہ جاسکے گا۔

یہ اصولی بات پوری تفصیل سے پہلے واضح کی جا چکی ہے کہ جن حدیثوں میں کسی بد عمل یا  
بد اخلاقی کا انجام یہ بتایا جاتا ہے کہ اس کا مرتکب جنت میں نہ جاسکے گا، ان کا مطلب عموماً  
یہ ہوتا ہے کہ یہ بد عمل یا بد اخلاقی اپنی اصل تاثیر کے لحاظ سے جنت سے محروم کر دینے والی  
اور دوزخ میں پہنچانے والی ہے۔

یہ مطلب ہوتا ہے کہ اسکے مرتکب پہنچے ایمان والوں کے ساتھ اور ان کی طرح سیدھے  
جنت میں نہ جاسکیں گے، بلکہ ان کو جہنم کا عذاب بھگتنا پڑے گا، اس لئے اس حدیث کا مطلب  
بھی اس اصول کی روشنی میں ہی سمجھنا چاہئے کہ غرور و تکبر اپنی اصلیت کے لحاظ سے جنت سے  
دور کر کے دوزخ میں ڈالنے والی صفت ہے، یا یہ کہ مغرور اور متکبر شخص سیدھا جنت میں نہ  
جاسکے گا، بلکہ اس کو دوزخ میں اپنے غرور و تکبر کی سزا بھگتنی پڑے گی، اور جب وہیں آگ میں  
تپا کے شے تکبر کے مادہ کو بنا دیا جائے گا، اور غرور کی گندگی سے اس کو پاک و صاف کر دیا  
جائے گا، تو اگر وہ صاحب ایمان ہے تو اسکے بعد جنت میں جاسکے گا۔

(۲۲۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ  
سَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا يَكْتُمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يُرَكِّبُهُمْ  
وَفِي رِوَايَةٍ وَلَا يُنْظَرُ إِلَيْهِمْ — وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ شَقِيمٌ





کی انتہائی گندگی اور خدا سے بے خوفی کی نشانی ہے۔۔۔۔۔ ایسے ہی کوئی دولت مند اگر  
 تکبر کرے، تو انسان کی عام فطرت کے لحاظ سے کچھ زیادہ مستبعد نہیں۔ ۶  
 ”چوبہ دولت برسی مست نہ مگر دی مردی“

لیکن گھر میں فقر و فاقہ کے باوجود اگر کوئی شخص غرور و تکبر کی چال چلتا ہے تو بلاشبہ یہ اُنکی انتہائی  
 زناوت اور کمینہ پن ہے۔۔۔۔۔ الغرض تنہوں قسم کے یہ مجرم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ  
 کی ہم کلاسی سے اور اس کی نظر کرم سے اور تزکیہ سے محروم رہیں گے، تزکیہ نہ کئے جانے کا مطلب  
 بظاہر یہ ہے کہ ان کے گناہ معاف نہیں کئے جائیں گے، اور صریح عقیدہ یا بعض اعمال صاحبہ کی  
 بنیاد پر ان کو مہینین صالحین کیساتھ شامل نہ کیا جائے گا، بلکہ ان کو سزا بھگتنی ہی پڑے گی۔ واللہ اعلم

## شرم و حیا :-

شرم و حیا ایک ایسا اہم فطری اور بنیادی وصف ہے جس کو انسان کی سیرت سازی میں  
 بہت زیادہ دخل ہے، یہی وہ وصف اور خلق ہے جو آدمی کو بہت سے بُرے کاموں اور بُری  
 باتوں سے روکتا، اور فواحش و منکرات سے اس کو بچاتا ہے، اور اچھے اور شریفانہ کاموں کیلئے  
 اکادہ کرتا ہے، الغرض شرم و حیا انسان کی بہت سی خوبیوں کی بنیاد اور فواحش و منکرات سے  
 اس کی حفاظت ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم و تربیت میں اس پر بہت  
 زیادہ زور دیا ہے۔

اس سلسلہ کے آپ کے چند ارشادات ذیل میں پڑھئے، اور اس وصف کو اپنے اندر پیدا کرنے  
 اور ترقی دینے کی کوشش کیجئے :-

(۲۲۳) عَنْ زَيْدِ بْنِ كَلْحَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِكُلِّ دِينٍ خُلُقًا وَخُلُقُ الْإِسْلَامِ الْحَيَاءُ۔

رَوَاهُ مَالِكٌ مِنْ سَلَا وَزَاوَادُ ابْنِ مَاحَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِسْلَامِ

عَنْ أَنَسٍ وَابْنِ غَثَّانٍ

(ترجمہ) زید بن طلحہ سے روایت ہے وہ نفل کرنے میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- ہر دین کا کوئی اختیار نہی وصف ہوتا ہے اور دین اسلام کا انیازی وصف جیسا ہے۔

(موطا امام مالک - سنن ابن ماجہ و شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ہر دین اور ہر شریعت میں اخلاق انسانی کے کسی خاص پہلو پر نسبتاً زیادہ زور دیا جاتا ہے، اور انسانی زندگی میں اُسی کو نمایاں اور غالب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم اور شریعت میں رحمہ لی اور غفور و درگزر پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ کبھی تعلیمات کا مطالعہ کرنے والے کو صاف محسوس ہوتا ہے کہ رحمہ لی اور غفور و درگزر ہی گویا ان کی شریعت کا مرکزی نقطہ اور ان کی تعلیم کی روح ہے (اس کا مطالعہ اسلام، یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت اور تعلیم میں جیسا کہ خاص زور دیا گیا ہے۔

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن حدیث کی اصطلاح میں جیسا کہ مفہوم بہت وسیع ہو ہمارے عرف اور محاورہ میں تو جیسا کہ تقاضا آتا ہی سمجھا جاتا ہے کہ آدمی فواحش سے بچے یعنی شرمناک باتیں اور شرمناک کام کرنے سے پرہیز کرے، لیکن قرآن و حدیث کے استعمالات پر غور کرتے سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسا کہ طبیعت انسانی کی اس کیفیت کا نام ہے کہ ہر نامناسب بات اور ناپسندیدہ کام سے اس کو انقباض اور اسکے ازکاب سے اذیت ہو، پھر قرآن و حدیث ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جیسا کہ تعلق صرف اپنے انبا و جنس ہی سے نہیں ہے، بلکہ جیسا کہ سب سے زیادہ مستحق وہ خالق و مالک ہے جس نے بندہ کو وجود بخشا اور جس کی پروردگاری سے وہ ہر آن حصہ پارہ ہے، اور جس کی نگاہ سے اس کا کوئی عمل اور کوئی حال چھپا نہیں ہے، اس کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ شرم و حیا کرنے والے انسانوں کو جب زیادہ شرم و حیا اپنے ماں باپ

کی۔ اور اپنے بڑوں اور محسنوں کی جوتی ہے، اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ سب بڑوں سے بڑا، اور سب محسنوں کا محسن ہے، لہذا بندہ کو جب زیادہ شرم و حیا اُسی کی ہونی چاہئے، اور اس حیا کا تقاضا یہ ہوگا کہ جو کام اور جو بات بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کے حکم کے خلاف ہو، آدمی کی طبیعت اُس سے خود انقباض اور اذیت محسوس کرے، اور اس سے باز رہے، اور جب بندہ کا یہ حال ہو جائے تو اس کی زندگی جیسی پاک اور اس کی سیرت جیسی پسندیدہ اور اللہ کی مرضی کے مطابق رہوگی ظاہر ہے۔

(اس حدیث کو امام مالک نے مؤطا میں زید بن طلحہ تابعی سے مرسل روایت کیا ہے) (یعنی اہل صحابی کا ذکر نہیں کیا، جن سے یہ حدیث زید بن طلحہ کو پہنچی تھی) لیکن ابن ماجہ اور بیہقی نے اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابیوں حضرت انس اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے)۔

(۲۲۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
مَرَّ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَهُوَ يَعْطُ أَخَاكَ فِي الْأُخْيَاءِ فَقَالَ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَاهُ فَإِنَّ الْأُخْيَاءَ مِنَ الْإِيمَانِ -  
(رواہ البخاری ومسل)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر انصار میں سے ایک شخص پر ہوا، اور وہ اُس وقت اپنے بھائی کو بھائے کے بارہ میں کچھ نصیحت و ملامت کر رہا تھا، تو آپ نے اُس سے فرمایا کہ:-  
اس کو اسکے حال پر چھوڑ دو، کیونکہ حیا تو ایمان کا جز یا ایمان کا پھل ہے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انصار میں سے کوئی صاحبِ حق تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے شرم و حیا کا وصف خاص طور سے عطا فرمایا تھا، جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے معاملات

میں رَم ہوں گے، سخت گیری کے ساتھ لوگوں سے اپنے حقوق کا مطالبہ بھی نہ کرنے ہوں گے، اور بہت سے موصوفوں پر اسی شرم و حیا کی وجہ سے کھل کر باتیں بھی نہ کر پاتے ہوں گے، جیسا کہ اہل حیا کا عموماً حال ہوتا ہے، اور اُن کے کوئی بھائی تھے، جو اُن کی اس حالت اور روش کو پسند نہیں کرتے تھے، ایک دن یہ بھائی اُن صاحبِ حیا بھائی کو اس پر ملامت اور سرزنش کر رہے تھے کہ تم اس قدر شرم و حیا کیوں کرتے ہو، اسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُن دونوں بھائیوں کو گزر ہوا، اور آپ نے اُن کی باتیں سن کر ملامت و نصیحت کرنے والے بھائی سے ارشاد فرمایا، کہ اپنے ان بھائی کو ان کے حال پر چھوڑ دو، ان کا یہ حال تو بڑا مبارک حال ہے، شرم و حیا تو ایمان کی ایک شاخ یا ایمان کا پھل ہے، اگر اس کی وجہ سے بالقرض دنیا کے مفادات کچھ فوت بھی ہوتے ہوں، تو آخرت کے درجے بے انتہا بڑھتے ہیں۔

(۲۲۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
الْإِيمَانُ مِنَ الْإِيمَانِ وَالْجَنَّةُ مِنَ الْجَنَّةِ وَالْبَكَاءُ مِنَ الْبَكَاءِ  
وَالْجَنَاحُ مِنَ الْجَنَاحِ

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔۔۔ حیا ایمان کی ایک شاخ ہے (یا ایمان کا ثمرہ ہے) اور ایمان کا مقام جنت ہے، اور بے حیائی و بے شرمی بدکاری میں سے ہے، اور بدی و فحش میں بے جاملے والی ہے۔  
(مسند احمد، جامع ترمذی)

**تشریح** اس حدیث میں اور اس سے پہلی حدیث میں بھی جو ”الْإِيمَانُ مِنَ الْإِيمَانِ“ فرمایا گیا ہے، بظاہر اس کا مطلب یہی ہے کہ شرم و حیا شجرِ ایمان کی خاص شاخ یا اس کا ثمرہ ہے، صحیحین کی ایک دوسری حدیث میں (جو کتاب الایمان میں گزر چکی ہے) فرمایا گیا ہے ”وَالْإِيمَانُ سَعْفَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ“ (اور حیا ایمان ہی کی ایک شاخ ہے) بہر حال حیا اور ایمان میں ایک خاص نسبت اور خاص رشتہ ہے، اور یہ سب اُسی کی تعبیریں ہیں۔۔۔ اور اُسی کی ایک تعبیر

وہ بھی ہے جو اس سے بعد والی حدیث میں آ رہی ہے۔

(۲۲۶) عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ  
إِنَّ الْحَيَاءَ وَالْإِيمَانَ قُنَا عَجَبِيغَا فَإِذَا رُفِعَ أَحَدُهُمَا  
رُفِعَ الْآخَرُ \_\_\_\_\_ رواه البيهقي في شعب الإيمان.

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ حیا اور ایمان یہ دونوں ہمیشہ ساتھ اور اکٹھے  
ہی رہتے ہیں۔ جب ان دونوں میں سے کوئی ایک اٹھایا جائے تو دوسرا بھی  
اٹھایا جاتا ہے۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ایمان اور حیا میں ایسا گہرا تعلق ہے کہ اگر کسی آدمی یا  
کسی قوم میں سے ان دونوں میں سے ایک اٹھایا جائے تو دوسرا بھی اٹھ جائے گا، الغرض  
کسی شخص یا جماعت میں حیا اور ایمان یا تو دونوں ہوں گے یا دونوں میں سے ایک بھی نہ ہوگا۔

(۲۲۷) عَنْ سُرَّانَ بْنِ حَصْبَنٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخِيَاءُ لَا يَأْتِي إِلَّا بِخَيْرٍ \_\_\_\_\_

(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ حیا صرف خیر ہی کو لاتنی ہے۔  
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) بعض اوقات سرسری نظر میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ شرم و حیا کی وجہ سے  
آدمی کو کبھی کبھی نقصان بھی پہنچ جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں  
اسی شبہ کا ازالہ فرمایا ہے، اور آپ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ شرم و حیا کے نتیجے میں کبھی کوئی  
نقصان نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ نفع ہی ہوتا ہے حتیٰ کہ جن مواقع پر ایک عام آدمی کو عیادتِ نقطہ نظر



صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں تصدیق فرمائی کہ یکساںہ اور نامساںہ مقولہ اگلی نبوت کی تعلیمات میں سے ہے۔

(۲۲۹) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اسْتَشِيعُوا مِنَ اللَّهِ حَتَّى الْخِيَاءُ قُلْنَا لَا تَأْتِيَنَّكَ حَيٌّ مِنَ اللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا تَحْسُدْ لِلَّهِ قَالَ لَيْسَ ذَلِكَ وَلَكِنَّ الْإِسْتِخْيَارَ مِنَ اللَّهِ حَتَّى الْخِيَاءُ أَنْ تَحْفَظَ الرِّأْسَ وَمَا عَلَى الْبَطْنِ وَمَا خَوَى وَتَذْكُرَ الْمَوْتَ وَالْبَلَى وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ تَرَكَ زِينَةَ الدُّنْيَا وَأَثَرَ الْآخِرَةَ عَلَى الْآوَلَى فَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ فَقَدْ اسْتَشِيعَ مِنَ اللَّهِ حَتَّى الْخِيَاءِ

(رواہ الشعمی)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے ایسی جیا کرو جیسی اُس سے جیا کرنی چاہئے۔ مخاطبین نے عرض کیا۔ الحمد للہ اہم اللہ سے جیا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ نہیں (یعنی جیا کا مفہوم اتنا محدود نہیں ہے جتنا کہ تم سمجھ رہے ہو) بلکہ اللہ تعالیٰ سے جیا کرنے کا حق یہ ہے کہ سر اور سر میں جو افکار و خیالات ہیں اُن سب کی نگہداشت کرو، اور پیٹ کی اور جو کچھ اُس میں بھرا ہے اُس سب کی نگرانی کرو (یعنی بُرے خیالات سے دماغ کی اور حرام و ناجائز غذا سے پیٹ کی حفاظت کرو) اور نبوت اور موت کے بعد قبر میں جو حالت ہوئی ہو اس کو یاد کرو، اور جو شخص آخرت کو اپنا مقصد بنائے، وہ دنیا کی آرائش و عشرت سے دستبردار ہو جائے گا، اور اس چند روزہ زندگی کے عیش کے مقابلہ میں آگے آنے والی زندگی کی کامیابی کو اپنے لئے پسند اور اختیار کرے گا۔



پس جس نے یہ سب کیا، سمجھو کہ اللہ سے جیا کرنے کا حق اُس نے ادا کیا۔

(جاسع ترمذی)

(تشریح) اس سلسلہ کی پہلی حدیث کی تشریح میں حکیمائے معنی کی وسعت کی طرف جو اشارہ کیا گیا تھا، ترمذی کی اس حدیث سے اس کی توثیق ہی نہیں، بلکہ مزید توضیح و تشریح بھی ہو جاتی ہے، نیز حدیث کے آخری حصہ سے ایک اصولی بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اللہ سے جیا کرنے کا حق وہی بندے ادا کر سکتے ہیں جن کی نظر میں اس دنیا اور اسکے عیش و عشرت کی کوئی قیمت نہ ہو، اور دنیا کو ٹھکرا کے آخرت کو انھوں نے اپنا صلح نظر بنالیا ہو، اور موت، اور موت کے بعد کی منزلیں ان کو ہمہ وقت یاد رہتی ہوں، اور جس کا یہ حال نہ ہو وہ خواہ کیسی ہی باتیں بھاتا ہو، اس حدیث کا فیصلہ ہے کہ اُس نے اللہ سے جیا کا حق ادا نہیں کیا۔

### قناعت و استغناء اور حرص و طمع :-

جن اخلاق کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کا محبوب اور اس دنیا میں بھی بہت بلند ہو جائے اور دل کی بے چینی اور کدھن کے سخت عذاب سے بھی اس کو نجات مل جاتی ہے، ان میں سے ایک قناعت اور استغناء بھی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کو جو کچھ ملے اس پر وہ رہنی ادا و مطمئن ہو جائے اور زیادہ کی حرص و لالچ نہ کرے۔ . . اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کو قناعت کی یہ دولت عطا فرمائے، بلاشبہ اُس کو بڑی دولت عطا ہوئی، اور بڑی نعمت سے نوازا گیا۔ . . اسکے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشاد اذیل میں پڑھئے۔

(۲۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَسْلَمَ وَرَزَقَ كِفَافًا وَفَضَّلَهُ اللَّهُ بِمَا آتَاهُ

رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:۔ کیا یاب اور بامراد ہوا وہ بندہ جس کو حقیقت اسلام نصیب ہوئی،  
اور اس کو روزی بھی بقدر کفالت ملی، اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اس قدر کفاف  
روزی پر تقاضے بھی بنادیا (صحیح مسلم)

(تشریح) بلاشبہ جس بندہ کو ایمان کی دولت نصیب ہو، اور ساتھ ہی اس دنیا میں  
گزارے کا کچھ ضروری سامان بھی، اور پھر اللہ تعالیٰ اسکے دل کو قناعت اور طمانیت کی  
دولت بھی نصیب فرمادے، تو اس کی زندگی بڑی مبارک اور بڑی خوشگوار ہے اور اس پر  
اللہ کا بڑا ہی فضل ہے۔ یہ قناعت اور دل کی طمانیت وہ کیا ہے جس سے  
فقیہ کی زندگی بادشاہ کی زندگی سے زیادہ لذیذ اور پُر مسرت بن جاتی ہے۔ ع  
یہ کیا ہے جتنی قاروں کو کند گردا

آدمی کے پاس اگر دولت کے ذخیرے ہوں، لیکن اس میں اور زیادہ کے لئے طمع اور  
حرص ہو، اور وہ اس میں اضافہ ہی کی فکر اور کوشش میں لگا رہے، اور "هل من مريد"  
ہی کے پھیر میں پڑا رہے تو اسے کبھی قلبی سکون نصیب نہ ہوگا، اور وہ دل کا فقیر ہی رہے گا  
برخلاف اسکے اگر آدمی کے پاس صرف جینے کا مختصر سامان ہو، مگر وہ اس پر مطمئن اور قانع ہو  
تو فقر و افلاس کے باوجود وہ دل کا غنی رہے گا، اور اس کی زندگی بڑے اطمینان اور آسویگی  
کی زندگی ہوگی۔ اس حقیقت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری  
حدیث میں ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے۔

(۲۳۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
قَالَ كَيْسَ الْغَنِيِّ عَنْ كَثْرَةِ الْعُسْرِ وَجِنِّ دَلِكِنَّ الْغَنِيِّ غِنَى النَّفْسِ۔

(رواہ البخاری)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ دولت مندی مال و اسباب سے حاصل

نہیں ہوتی، بلکہ اعلیٰ دولت مندی دل کی بے بازی ہے۔ (صحیح بخاری)  
 اور اس سے بھی زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ یہی حقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 ایک دفعہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مخاطب بنا کر اس طرح سمجھائی :-

(۲۳۲) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 يَا أَبَا ذَرٍّ تَهْوَى كُنُوزَ الْمَالِ الْغَنَى قُلْتُ نَعَمْ قَالَ تَهْوَى  
 فَلَئِنْ الْمَالِ الْفَقْرُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ ذَلِكَ ثُلُوكُنَا ثُمَّ قَالَ  
 أَتَغْنَى فِي الْغَلَبِ وَالْفَقْرُ فِي الْغَلَبِ

(رواہ الطبرانی فی المعجم)

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم نے ایک دن مجھ سے ارشاد فرمایا :- ابوذر! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مال زیادہ  
 ہونے کا نام تو نگرہی ہے؟ میں نے عرض کیا :- ہاں حضور! (ایسا ہی سمجھا جاتا ہے)  
 پھر آپ نے فرمایا :- کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ مال کم ہونے کا نام فقیری اور محتاجی  
 میں نے عرض کیا :- ہاں حضور! (ایسا ہی خیال کیا جاتا ہے) یہ بات آپ نے مجھ سے  
 تین دفعہ ارشاد فرمائی۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا :- اعلیٰ دولت مندی دل کے  
 اندر ہوتی ہے، اور اعلیٰ محتاجی اور فقیری بھی دل ہی میں ہوتی ہے۔

(معجم کبیر للطبرانی)

(تشریح) حقیقت یہی ہے کہ تو نگرہی اور محتاجی خوشحالی اور بد حالی کا تعلق روپیہ  
 پیسہ سے زیادہ آدمی کے دل سے ہے، اگر دل غنی اور بے نیاز ہے، تو آدمی بخت اور خوشحال ہے  
 اور اگر دل خرس و طح کا گرفتار ہے، تو دولت کے ڈھیروں کے باوجود وہ خوشحالی سے محروم اور  
 محتاج و پریشاں حال ہے۔ سعدی علیہ الرحمہ کا مشہور قول ہے :-

”تو نگرہی بدل ست نہ مال“

(۲۳۳) عَنِ ابْنِ سَعْدٍ اَنَّ النَّاسَ مِنْ اَكْثَرِ مَا لَوْ اَسْأَلَ اللّٰهُ بِسْمِ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَطَاهُمْ ثُمَّ سَأَلُوهُ  
فَاَعْطَاهُمْ حَتّٰى اِذَا نَبَذَ مَا عِنْدَهُ قَالَ مَا يَكُوْنُ عِنْدِي مِنْ  
خَيْرٍ قُلْتُ اِذَا خَرَجْتُمْ تَشْكُرُوْنَ وَمَنْ كَسَفَتْ بَعْفُهُ اللّٰهُ وَمَنْ يَسْتَعِزُّ  
بِعِزِّ اللّٰهِ وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يَصْبِرْهُ اللّٰهُ وَمَا اَعْطَا اَحَدٌ مِنْ عَطَايِ  
اَوْ سَخَّرَ مِنْ اَنْصَابٍ رواه ابو داود

(ترجمہ) حضرت ابو سعد حدیسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصاروں نے  
کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک نفع کچھ طلب کیا، آپ نے  
ان کو عطا فرمایا ان کے مانگ ختم نہیں ہوئی اور انہوں نے پھر طلب کیا،  
آپ نے پھر ان کو عطا فرمایا، یہاں تک کہ جو کچھ آپ کے پاس تھا وہ سب  
ختم ہو گیا، اور کچھ نہ رہا، تو آپ نے ان انصاریوں سے فرمایا: بنو! جو مال دولت  
بھی میرے پاس ہو گا، او کہیں سے آئے گا، میں اس کو تم سے بچاؤ نہیں کھواؤ گا  
اور اپنے پاس ذخیرہ جمع نہیں کروں گا، بلکہ تم کو دیتا رہوں گا، لیکن یہ بات خوب  
سمجھ لو کہ اس طرح مانگ مانگ کر حاصل کرنے سے آسودگی اور خوشحالی حاصل  
نہیں ہوگی، بلکہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ جو کوئی خود غصیف بننا چاہتا ہے  
یعنی دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے اپنے کو بچاؤ چاہتا ہو تو اللہ تعالیٰ  
اس کی مدد فرماتا ہے اور سوال کی دولت سے اس کو بچا دیتا ہے، اور جو کوئی بندہ  
کے سامنے اپنی محتاجی ظاہر کرنے سے بچنا چاہتا ہے، یعنی اپنے کو بندوں کا  
محتاج اور نیازمند بنانا نہیں چاہتا، تو اللہ تعالیٰ اس کو بندوں سے بے نیاز  
کر دیتا ہے، اور جو کوئی کسی دشمن موقع پر اپنی طبیعت کو مضبوط کر کے صبر کرنا چاہتا ہے  
تو اللہ تعالیٰ اس کو صبر کی توفیق دیتا ہے، اور صبر کی حقیقت اس کو نصیب

ہو جاتی ہو) اور کسی بندہ کو بھی صبر سے زیادہ وسیع کوئی نعمت عطا نہیں ہوئی۔

(سنن ابنی داؤد)

(تشریح) اس حدیث کا خاص سبق یہی ہے کہ بندہ اگر چاہتا ہے کہ وہ دوسرے بندوں کا محتاج نہ ہو، اور ان کے ہمارے اس کو دست سوال دراز کرنا نہ پڑے، اور مصائب و مشکلات اس کو اپنی جگہ سے ہٹانے سکے، تو اسے چاہئے کہ اپنی استطاعت کی حد تک وہ خود ایسا بننے کی کوشش کرے، اگر وہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی پوری پوری مدد فرمائے گا اور یہ سب چیزیں اس کو نصیب ہو جائیں گی۔

حدیث کے آخری حصے میں فرمایا گیا ہے کہ "کسی بندے کو صبر سے زیادہ وسیع کوئی نعمت عطا نہیں ہوئی۔" واقعہ یہی ہے کہ "صبر" دل کی جس کیفیت کا نام ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نہایت وسیع اور نہایت عظیم نعمت ہے، اسی لئے قرآن مجید کی آیت "وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ" اور نہایت عظیم نعمت ہے، اسی لئے قرآن مجید کی آیت "وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ" میں "صبر" کو صلوٰۃ یعنی نماز پر بھی مقدم کیا گیا ہے۔

(۲۳۴) عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْطَانِي ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِي ثُمَّ قَالَ لِي يَا حَكِيمُ إِنَّ هَذَا الْمَالُ خَيْرٌ مِنْ جُلُودِ نَفْسٍ أَخَذَتْ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ يُؤْرِكُ لَهُ فِيهِ وَمَنْ أَخَذَتْ بِهَذَا شَرَّافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارِكْ لَهُ فِيهِ وَكَانَ كَالَّذِي أَخْلَدَ وَلَا يُشْبِعُ وَالْبَدُّ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَسْرِ الشُّعْلَى قَالَ حَكِيمٌ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا أَرَى أَحَدًا بَعْدَكَ شَيْئًا حَتَّى أَفَارِقَ الدُّنْيَا

(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مال طلب کیا، آپ نے مجھے عطا فرما دیا، میں نے پھر مانگا،

آپ نے پھر حلف فرمادیا پھر آپ نے مجھے نصیحت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ:۔۔۔ اے حکیم! یہ مال سب کو بھلی لگنے والی اور لذت و شیریں چیز ہے پس جو شخص اس کو بغیر حرم و طبع کے حیرش ہو اور نفس کی فیاضی کے ساتھ لے سکے واسطے اس میں برکت دی جائے گی اور جو شخص دل کے لالچ کے ساتھ لے گا اُسکے واسطے اس میں برکت نہیں ہوگی اور اُس کا حال جو ع البقر کے اس مریض کا سا ہو گا جو کھائے اور پیٹ نہ بھرے۔۔۔۔۔ اور اور والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بستر ہے (یعنی دینے والے کا مقام اونچا ہے اور ہاتھ پھیلا کر لینا ایک گھٹیا بات ہے لہذا جہان نکٹ سکے ہیں سے بچنا چاہئے)۔۔۔۔۔ حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ (حضورؐ کی یہ نصیحت سن کر) میں نے عرض کیا:۔۔۔ یا رسول اللہ! قسم ہے اُس پاک ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے اب آپ کچھ بعد مرنے دم تک میں کسی سے کچھ نہ لوں گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اسی حدیث کی صحیح بخاری ہی کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حکیم بن حزام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو عہد کیا تھا اُس کو پھر ایسا بنا ہا کہ حضورؐ کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے اپنے اپنے دور خلافت میں (جب کہ سب ہی کو وظیفے اور عیالے دیئے جاتے تھے) ان کو بھی ہلا کر بار بار کچھ وظیفہ یا عطیہ دینا چاہا لیکن یہ لینے پر آمادہ ہی نہیں ہوئے۔۔۔۔۔ اور فتح الباری میں حافظ ابن حجر نے سند اسحاق بن راہویہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ شیخین کے بعد حضرت عثمان اُحد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے زمانہ خلافت و امارت میں بھی انھوں نے کبھی کوئی وظیفہ یا عطیہ قبول نہیں کیا، یہاں تک کہ حضرت معاویہ کے دور امارت میں ایک سو بیس سال کی عمر میں ۵۴ھ میں وفات پائی۔

(۲۳۵) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ خُطِبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّا لَنُؤْتِيكُمْ مَالًا مَلَكٌ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِاللَّحْرِ أَمْرُهُم بِالْبَغْلِ قَبِضُوا وَأَمْرُهُم بِالْقَطِيعَةِ فَقَطَّعُوا وَأَمْرُهُم بِالْفَجْورِ

خَفَّجُوا ..... رواہ ابو داؤد

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ دیا اور اس میں ارشاد فرمایا کہ: حرص و طمع سے بچو کیونکہ تم سے پہلی قومیں اسی حرص سے تباہ ہوئیں، اسی نے ان کو بخل کرنے کو کہا تو انہوں نے بخل اختیار کیا اسی نے ان کو قطع رحمی یعنی حقوق قربابت کی پامالی کے لئے کہا تو انہوں نے قطع رحمی اختیار کی، اسے ان کو بدکاری کے لئے کہا تو انہوں نے بدکاریاں کیں۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) یعنی حرص و طمع صرف ایک بڑی خصلت ہی نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ سے انسانی معاشرہ میں دوسری بھی نہایت تباہ کن خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں جو بالآخر قوموں کو بے ڈھرتی ہیں، اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ اس خطرناک اور تباہ کن جذبہ سے اپنے دلوں اور سینوں کی پوری پوری حفاظت کریں۔

(۲۳۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

سَقَى مَا فِي بَطْنِ نَجْلٍ مِثْقَالَ حَبَّةٍ خَالِدًا ..... رواہ ابو داؤد۔

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ ارشاد فرماتے تھے کہ:۔ انسان میں سب سے بڑی بات کر دھانی والی

حرص اور گھبرادینے والی بزدلی ہے۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) یہ حقیقت ہے کہ حرص اور لالچی آدمی ہر وقت اس غم میں گھلتا اور کھٹکتا رہتا ہے

کہ یہ نہیں ملا، وہ نہیں ملا، فلاں کے پاس یہ ہو میرے پاس یہ نہیں ہے، اسی طرح زیادہ بزدل

آدمی خواہ مخواہ ہو جو خطرات سے بھی ہر وقت گھبراتا رہتا ہے اور اس کو اطمینان کے سانس لینے

نصیب نہیں ہوتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کے دل کی ان دونوں کیفیتوں کو بدترین

کیفیت بتلایا، اور فی الحقیقت یہ بدترین اور ذلیل ترین خصلتیں ہیں۔

صبر و شکر :-

اس دنیا میں دکھ اور رنج بھی ہے اور آرام اور خوشی بھی، شادی بھی ہے اور غمی بھی، شیرینی بھی اور تلخی بھی، سردی بھی ہے اور گرمی بھی، خوشگوار بھی ہے اور ناخوشگوار بھی، اور سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اور اشی کے حکم اور فیصلہ سے جو تاسے، اے سائل اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے بندوں کا حال یہ ہونا چاہئے کہ جب کوئی دکھ اور مصیبت پیش آجائے تو وہ مایوسی اور سرکشیگی کا شکار نہ ہوں بلکہ ایمانی صیوثبات کے ساتھ اس کا استقبال کریں اور دل میں اس یقین کو تازہ کریں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، جو ہمارا حکیم اور کریم رب ہے، اور وہی ہم کو اس دکھ اور مصیبت سے نجات دینے والا ہے۔ اسی طرح جب ان کے حالات سازگار ہوں اور ان کی چاہتیں ان کو مل رہی ہوں اور خوشی اور شادمانی کے سامان میسر ہوں تو بھی وہ اس کو اپنا کمال اور اپنی قوت بازو کا نتیجہ نہ سمجھیں بلکہ اس وقت اپنے دل میں اس یقین کو تازہ کریں کہ یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی بخشش ہے، اور وہ جب چاہے اپنی بخشی ہوئی ہر نعمت چھین بھی سکتا ہے، اے ہر نعمت پر اس کا شکر ادا کریں۔

یہ اسلام کی خاص تعلیمات میں سے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طرح طرح سے اس کی ترغیب اور تعلیم دی ہے، اس تعلیم پر عمل کرنے کا ایک نتیجہ تو یہ ہوتا ہے کہ بندہ ہر حال میں خدا سے وابستہ رہتا ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کبھی مصیبتوں اور نا کامیوں سے شکست نہیں کھاتا اور رنج و غم کے تسلسل سے بھی اس کی جان نہیں گھٹتی اور مایوسی اور دل شکستگی اس کی عملی قوتوں کو ختم نہیں کر سکتی۔

اس سلسلہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند حدیثیں ذیل میں درج ہیں:-

(۲۳۶) عَنْ مُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِبَادًا

لَا كُفْرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّ أَمْرَهُمْ عَلَىٰ لَهُ خَيْرٌ وَلَهُمْ ذَٰلِكَ لِأَحْسَنِ الْأَلْبَانِ

إِنْ أَصَابَكُمْ سُلُوكٌ فَكُنْ خَيْرًا لَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضُرٌّ فَاصْبِرْ

فَكَانَ خَيْرًا لَهُ \_\_\_\_\_ رَوَاهُ مُسْلِمٌ



(ترجمہ) حضرت مصیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔۔۔ بنفۃ مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے اس کے ہر معاملہ اور ہر حال میں اس کے لئے خیر ہی خیر ہے، اگر اس کو خوشی اور راحت و آرام پہنچے تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے، اور یہ اس کے لئے خیر ہی خیر ہے، اور اگر اسے کوئی دکھ اور رنج پہنچا ہے تو وہ (اس کو بھی اپنے حکیم و کریم رب کا فیصلہ اور اس کی مشیت یقین کرتے ہوئے) اس پر صبر کرتا ہے اور یہ صبر بھی اس کے لئے سراسر خیر اور موجب برکت ہوتا ہے۔

(مسلم)

(تشریح) اس دنیا میں عینیت اور آرام تو سب ہی کے لئے ہے لیکن اس تکلیف اور آرام سے اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنا یہ صرف اُن الہی ایمان ہی کا حصہ ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا ایمانی رابطہ قائم کر لیا ہے کہ وہ چین و آرام اور مسرت و خوشی کی ہر گھڑی میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور جب کسی رنج اور دکھ میں مبتلا کئے جاتے ہیں اور کوئی ناخوشگواری ان کو پیش آتی ہے تو وہ بندگی کی پوری شان کے ساتھ صبر کرتے ہیں۔۔۔۔۔ اور چونکہ دکھ سکھ اور خوشی و ناخوشی ایسی چیزیں ہیں جن سے انسان کی زندگی کسی وقت بھی خالی نہیں رہتی اس لئے ان بندگانِ خدا کے قلوب بھی صبر و شکر کی کیفیات سے ہمہ دم معمور رہتے ہیں۔

(۲۳۸) عَنْ ابْنِ أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقُولُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَا ابْنَ آدَمَ مَا نَ صَبَرْتَ وَاحْتَسَبْتَ عِنْدَ الصَّغَرِ مِنَ الْكَوْنِ لَمَّا أَذْنُكَ لَكَ قَوْلًا يَأْذُنُ الْجَنَّةِ۔۔۔۔۔ رواہ ابن ماجہ۔

(ترجمہ) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ:۔۔۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے فرزندِ آدم! اگر تھے شروع صدقہ صبر کیا اور میری رضا اور ثواب کی نیت کی تو میں نہیں راضی ہوں گا کہ جنت سے کم اور اس کے سوا کوئی ثواب تجھے دیا جائے۔ (ابن ماجہ)

(تشریح) جب کوئی صدمہ کسی نئی کو پہنچتا ہے اس کا زیادہ اثر ابتدا ہی میں ہوتا ہے، درنہ کہ دن گزرنے کے بعد تو وہ اثر خود بخود بھی نائل ہو جاتا ہے، ایسے صبر دراصل وہی ہے جو صدمہ پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ کا خیال کر کے افسوس کی رضا اور ثواب کی امید پر کیا جائے، اُسی کی فضیلت ہے اور اسی پر ثواب کا وعدہ ہے، بعد میں طبعی طور پر جو صبر آ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں اسکی کوئی قیمت نہیں ہے۔

ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان فرمایا ہے کہ جو صاحب ایمان بندہ کسی صدمہ کے پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کی نیت سے صبر کرے گا تو اللہ اس کو جنت ضرور عطا فرمائے گا اور جنت کے سوا اور اس سے کم درجہ کی کوئی چیز اسے صبر کے ثواب میں دینے پر خود خدایتعالیٰ راضی نہ ہوگا۔ اللہ اکبر! کس قدر کریمانہ انداز ہے، براہ راست بندہ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ اے ابن آدم جب تجھے میرے تقدیری حکم سے کوئی صدمہ پہنچے اور تو اس وقت میری رضا اور ثواب کی امید پر اس صدمہ کا استقبال صبر سے کرے تو تجھے جنت دیئے بغیر میں راضی نہ ہوں گا۔ گویا اس صبر کی وجہ سے نیکو کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو ایسا خاص تعلق ہو جائے گا کہ اس بندہ کو جنت دیئے بغیر اللہ تعالیٰ راضی اور خوش نہ ہوں گے۔

(ف) جب کسی بندہ خدا کو کسی قسم کا کوئی صدمہ پہنچے تو اگر اس وقت اس حدیث کو اہل اللہ تعالیٰ کے اس کریمانہ وعدہ کو یاد کر کے صبر کرے تو انشاء اللہ اس صبر میں ایک خاص لذت اور عطاوت ملے گی، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یقیناً جنت بھی عطا ہوگی۔

(۲۳۹) عَنْ زَيْنَبِ عَجَّائِينَ كَفَعَتْ مَنْ أَحْبَبَتْ بِمُصِيبَتِهِ فِي مَالِهِمْ أَوْ فِيهِمْ  
فَقِيْلَ فَلَمَّا دَلَّكُمْ يَشْكُرُهَا إِلَى الثَّانِي كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ.

رواه الطبرانی فی الاوسط

(ترجمہ) حضرت عجمہ الشربین عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ، جو بندہ کسی مالی مصیبت میں

بتلا ہو اور وہ کسی سے اس کا اظہار نہ کرے اور نہ لوگوں سے شکوہ شکایت کرے، نہ  
 اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے کہ وہ اس کو بخش دیں گے (بحکم اوسط الی  
 (تشریح) صبر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنی مصیبت اور تکلیف کا کسی سے اظہار بھی نہ ہو  
 اور ایسے صابروں کے لئے اس حدیث میں مغفرت کا پختہ وعدہ کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے انکی بخشش  
 کا ذکر لیا ہے۔۔۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ ان کو عید پر یقین اور ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق  
 عطا فرمائے۔

(۲۳۹) عَنْ أَسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ أَدْرَسْتُ إِبْنَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ  
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيْهَاتِ ابْنَانِي قُبُضَ فَأَتَانَا فَارْسَلُ يَقْرَأُ السَّلَامَ وَدُ  
 بَقُولُ إِنَّ لِلَّهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَهْلَى وَكُلُّ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُّسَمًّى فَلَقَبُورُ  
 وَكُنْتُ خَنَسِيَةً فَأَدْرَسْتُ الْبَيْهَاتِ تَقْسِيمُ عَلَيْهِ لِيُخَيِّرَهَا فَقَامَ مَعَهُ مُعَلِّمُ  
 عِبَادَةِ وَمَعَاذُ بْنُ بَكِيلٍ وَأَبْنَى نَنْ كَعْبٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَرَجَالُ  
 فَرَفَعُوا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَصْبِيَّ وَنَفْسُهُ تَتَفَعَّفُ  
 فَفَاضَتْ حَيْنًا فَقَالَ سَعْدُ بْنُ كَارِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ مَا هَذَا فَقَالَ هَذِهِ نَحْمَةٌ  
 جَعَلَهَا اللَّهُ فِي قُلُوبِ عِبَادِهِ فَإِنَّمَا بَرَحِمًا اللَّهُ مِنْ عِبَادِهِ الرَّحَمَاءِ۔  
 (رواه البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم کی صاحبزادی (حضرت زینب رضی اللہ عنہا) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
 کے پاس کھلا کے بھیجا کہ میرے بچے کا آخری دم ہے اور چل چلاؤ کا وقت ہے، لہذا آپ  
 اس وقت تشریف لے آئیں، آپ نے اس کے جواب میں سلام کھلا کے بھیجا اور پیام دیا کہ  
 بیٹی! اللہ تعالیٰ کسی سے جو کچھ لے وہ بھی اسی کا ہے، اور کسی کو جو کچھ دے وہ بھی اسی کا ہے۔  
 انفرض ہر چیز پر حال میں اُسی کی ہے (اگر کسی کو دیتا ہے تو اپنی چیز دیتا ہے اور کسی سے

یہ ہے تو اپنی چیز لیتا ہے) اور ہر چیز کیلئے اس کی طرف سے ایک مدت اور وقت مقرر  
 (اور اس وقت کے آجانے پر وہ چیز اس دنیا سے اٹھالی جاتی ہے) پس ہمارے کہ تم  
 صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے اس صدمہ کے اجر و ثواب کی طالب بنو۔ صاحبزادی صاحبہ  
 نے پھر آپ کے پاس پیام بھیجا اور قسم دی کہ اس وقت حضور ضرور ہی تشریف لے آئیں  
 پس آپ اٹھ کر چل دیے اور آپ کے اصحاب میں سے سعد بن عبادہ اور معاذ بن جبل  
 اور ابی بن کعب اور زید بن ثابت اور بعض اور لوگ بھی آپ کے ساتھ ہوئے، پس وہ کچھ  
 اٹھا کر آپ کی گود میں دیا گیا، اور اس کا سانس اٹھ رہا تھا، اس کے اس حال کو دیکھ کر  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اس پر سعد بن عبادہ نے  
 عرض کیا: حضرت یہ کیا؟ آپ نے فرمایا: کہ: یہ رحمت کے اس جذبہ کا اثر ہے  
 جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھ دیا ہے، اور اللہ کی رحمت ان ہی  
 بندوں پر ہوگی جن کے دلوں میں رحمت کا یہ جذبہ ہو (اور جن کے دل سخت اور  
 رحمت کے جذبہ سے بالکل خالی ہوں، وہ خدا کی رحمت کے مستحق نہ ہوں گے)۔

(بخاری و مسلم)

(تشریح) حدیث کے آخری حصے سے معلوم ہوا کہ کسی صدمہ سے دل کا متاثر ہونا، اور  
 آنکھوں سے آنسو بہنا صبر کے منافق نہیں، صبر کا تقضی صرف اتنا ہے کہ بندہ مصیبت اور صدمہ کو  
 اللہ تعالیٰ کی مشیت یقین کرتے ہوئے اس کو بندگی کی شان کے ساتھ انگیز کرے، اور اللہ تعالیٰ کی  
 رحمت سے مایوس اور اس کا شاک نہ ہو اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود کا پابند رہے۔  
 باقی طبعی طور پر دل کا متاثر ہونا اور آنکھوں سے آنسو بہنا تو قلب کی رقت اور اس جذبہ رحمت کا  
 لازمی نتیجہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کی فطرت میں ودیعت رکھا ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے  
 اور جو دل اس سے خالی ہو وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ رحمت سے محروم ہے۔ سعد بن عبادہ نے حضور کی  
 آنکھوں سے آنسو بہتے دیکھ کر تعجب کے ساتھ سوال اسلئے کیا کہ اس وقت تک ان کو یہ بات معلوم نہیں



موقع دیا، اور جب اُس کی شہادت ہوئی اسی اس امانت کو تم سے واپس لے لیا، اور وہ تم کو اس کا راز انجودینے والا ہے۔ اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور اس کی طرف سے ہدایت (کی تم کو بشارت ہے) اگر تم نے ثواب اور رضا، اُسی کی نیت سے صبر کیا پس اے معاذِ صبر کرو اور ایسا نہ ہو کہ جزع و فرح تمہارے اجر کو غارت کر دے، اور پھر تعجب نہ مانت ہو کہ صدمہ بھی پہنچا اور اجر سے بھی محرومی ہی! اور یقین رکھو کہ جزع و فرح سے کون مرنے والا واپس جس آقا اور نہ اس سے دل کا رخ و غم دور ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم اترتا ہے وہ جو کرینے والا بلکہ یقیناً ہو چکا ہے۔ والسلام۔

(مجم کبیر و مجمع اوسط)

(تشریح) قرآن مجید میں مصائب پر صبر کرنے والے بندوں کو تین چیزوں کی بشارت دی گئی

ارشاد ہے: "أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَواتٌ مِن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ" (ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص نوازش اور عنایت ہوگی اور وہ رحمت سے نوازے جائیں گے، اور وہ ہدایت یاب ہوں گے)۔۔۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعزیت نامہ میں اُسی قرآنی بشارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ: "اگر تم نے ثواب اور رضائے اُسی کی نیت سے اس صدمہ پر صبر کیا، تو تمہارے لئے اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور ہدایت کی بشارت ہے؟"

(ف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تعزیت نامہ میں ہر اُس صاحبِ ایمان مندرے کے لئے تعزیت و نصیحت اور تسلی تشفی کا پورا سامان ہے جس کو کوئی صدمہ پہنچے، کاش اپنی نصیحتوں میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ایمان افروز تعزیت و نصیحت سے سکون حاصل کریں اور صبر و شکر کو اپنا شعار بنائیں۔

(۲۴۴) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا الْقَاسِمِ يَقُولُ سَمِعْتُ

أَبَا الْقَاسِمِ عَلَى اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَقُولُ إِنَّ اللَّهَ كَبَّارُكَ وَتَعَالَى مَالُكَ  
يَا حُفَظَةُ إِنِّي بَايَعْتُ مَنْ يُعْبِدُكَ أُمَّةً لَا إِذَا أَصَابَهُمْ مَا يُحِبُّونَ  
حَمْدُكَ وَاللَّهُ فَطَنَ أَصَابَهُمْ مَا يَكْرَهُونَ اخْتَسَبُوا رَحِمَكَ وَ  
ذَلَّحِلْمَهُ وَلَا عَقْلَ فَقَالَ بَارِبِّ كَيْفَ تَكُونُ هَذِهِ أُمَّةٌ لَا حِلْمَ  
وَلَا عَقْلَ قَالَ أُعْطِيَهِمْ مِنْ جِلْدِي وَعِلْيَیْ ..

(رواہ البیہقی فی شعبہ الامان)

(ترجمہ) حضرت ابو الذر داء کی بیوی ام الذر داء سے روایت ہے، وہ بیان کرتی  
ہیں کہ مجھ سے میرے شوہر ابو الذر داء نے بیان کیا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ  
علیہ وسلم سے سنا، آپ بیان فرماتے تھے کہ :- اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ سے فرمایا کہ  
اے عیسیٰ! میں تمہارے بعد ایک اُمت پیدا کروں گا جس کی سیرت یہ ہوگی کہ جب  
ان کو ان کی چاہت اور خواہش کے مطابق نعمتیں ملیں گی تو وہ جذبہ شکر سے  
معمور ہو کر اللہ کی حمد و ثنا کریں گے اور جب ان پر ناخوشگوار احوال آئیں گے تو  
وہ صبر سے اُن کا استقبال کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کے طالب ہوں گے  
حالانکہ ان میں کوئی خاص درجہ کی بردباری اور دانشمندی نہ ہوگی۔

حضرت عیسیٰ نے عرض کیا کہ :- جب ان میں بردباری اور دانشمندی نہ ہوگی تو  
اُن سے خوشحالیوں میں شکر اور مصائب پر صبر کیونکر ہوگا؟۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا  
میں اُن کو اپنے علم اور اپنے علم میں سے کچھ حصہ دوں گا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) مصیبت میں مایوس، دل شکستہ اور سراسیمہ ہو جانا اور نعمت اور خوشحالی میں  
مست ہو کر اپنی اصل حقیقت کو اور خدا کو بھی بھول جانا انسانوں کی عام کمزوری ہے، اسی کو قرآن مجید  
میں فرمایا گیا ہے :- إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ  
مُنُوعًا۔ اب اگر کسی اُمت اور کسی گروہ کی سیرت ایسی ہو کہ وہ مصیبتوں میں صابر اور نعمتوں پر

شکر ہو تو اللہ تعالیٰ کا اس پر خاص فضل ہے اور یہ اس کا بڑا امتیاز ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مام صحابہ اور قرونِ مابعد کے صلحا، مومنین کو اللہ تعالیٰ نے جو خاص روحانی صفات عطا فرمائیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کو صبر و شکر کی دولت سے بہرہ ور فرمایا، اور ان کے اس صبر و شکر کا سرچشمہ ان کی عقلیت اور علم کی وسعت نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ اُنہیں اپنے علم و علم کے کچھ ذرے ان بندوں کو عطا فرمادیئے ہیں اور یہ صبر و شکر اُنہی کے ثمرات ہیں۔

جس طرح اس امت کے اور بہت سے امتیازات اور خصوصیات کا ذکر اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء و سابقین سے فرمایا، اسی طرح صبر و شکر میں اسکے امتیاز کا ذکر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تاکہ انہیں معلوم ہو کہ انسانوں کی روحانی تربیت اور سیت سازی کا جو کام انہوں نے اور ان سے پہلے اللہ کے پیغمبروں نے کیا اس کی تکمیل ان کے بھلائے والے اللہ کے پیغمبر کے ذریعہ ہونے والی ہے اور اُس کے نتیجہ میں ایک ایسی امت کی آمد نمود میں آنے والی ہے جو صبر و شکر کے مقام پر فائز ہوگی، اور اللہ تعالیٰ کے علم و علم سے وہ بہرہ یاب ہوگی

### توکل اور رضا بالقضاء۔

ہم انسانوں کو حقیقتیں حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ معلوم ہوئی ہیں، ان میں سے ایک اہم حقیقت یہ بھی ہے کہ اس کا رخائے ہستی میں جو کچھ ہوتا ہے اور جس کو جو کچھ ملتا یا نہیں ملتا ہے، سب براہِ راست اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلہ سے ہوتا ہے، اور ظاہری اسباب کی حیثیت اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ چیزوں کے ہم تک پہنچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے مقررہ کردہ ذریعے اور راستے ہیں، جس طرح لاگھروں میں پانی جن نلوں کے ذریعہ پہنچتا ہے وہ پانی پہنچانے کے صرف راستے ہیں، پانی کی تقسیم میں ان کا اپنا کوئی دخل اور کوئی حصہ نہیں ہے، اسی طرح اس عالم وجود میں کار فرمائی اسباب کی بالکل نہیں ہے، بلکہ کار فرما اور موثر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کا حکم ہے اس حقیقت پر دل سے یقین کر کے اپنے تمام مقاصد اور کاموں میں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر



اعتماد اور بھروسہ کرنا، اسی سے لو لگانا، اسی کی قدرت اور اسی کے کرم پر نظر رکھنا، اسی سے امید یا خوف ہونا اور اسی سے دعا کرنا، بس اسی طرز عمل کا نام دین کی اصطلاح میں توکل ہے۔  
 توکل کی اصل حقیقت بس اتنی ہی ہے۔ ظاہری اسباب و تدابیر کا ترک کر دینا، یہ توکل کیسے لازم نہیں ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام خاص کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام اور ہر دویکے عارفین کاملین کا توکل یہی تھا، یہ سب حضرات اس کا رخنہ ہستی کے اسبابی سلسلے کو اللہ تعالیٰ کے امر و حکم کے ماتحت اور اس کی حکمت کا تقاضا جانتے ہوئے عام حالات میں اسباب کا بھی استعمال کرتے تھے، لیکن دل کا اعتماد اور بھروسہ صرف اللہ ہی کے حکم پر ہوتا تھا، اور جیسا کہ عرض کیا گیا وہ اسباب کو پانی کے نلوں کی طرح صرف ایک راستہ اور ذریعہ ہی جانتے تھے، اور اسی واسطے وہ ان اسباب کے استعمال میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے احکام کی تعمیل کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے، نیز یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ان اسباب کی پابند نہیں ہے، وہ اگر چاہے تو ان کے بغیر بھی سب کچھ کر سکتا ہے، اور کبھی کبھی وہ اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کا مشاہدہ اور تجربہ بھی کرتے تھے۔

الغرض ترک اسباب نہ توکل کی حقیقت میں داخل ہے نہ اس کے لئے شرط ہے، ہاں اگر غلبہ حال سے اللہ کا کوئی صاحب یقین بندہ ترک اسباب کرنے سے تو قابل اعتراض بھی نہیں، بلکہ ان کے حق میں یہ کمال ہی ہوگا، اسی طرح اگر اسباب سے دل کا تعلق توڑنے کے لئے اور بھائے اسباب کے اللہ پر یقین پیدا کرنے کے لئے یاد و سروں کو اس کا مشاہدہ اور تجربہ کرانے کیلئے کوئی بندہ خدا ترک اسباب کا رویہ اختیار کرے، تو یہ بھی بالکل درست ہوگا، لیکن توکل کی اصل حقیقت صرف اسی قدر ہے جو اوپر عرض کی گئی، اور قرآن و حدیث میں اسی کی ترغیب و دعوت دی گئی ہے اور اسی کے حاملین کی لوح و ثنا کی گمشدگی ہے، اور بلاشبہ یہ توکل، ایمان اور توحید کے کمال کا لازمی ثمرہ ہے، جس کو توکل نصیب نہیں، یقیناً اس کا ایمان اور اس کی توحید کالی نہیں ہے

پھر توکل سے بھی آگے رضا بالقضائے مقام ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ سے پر جو بھی

اچھے یا بُرے احوال آئیں وہ یہ نصیحت کرنے ہوئے کہ ہر حال کا بھیجئے والا میرا مالک ہی ہے، اس کے حکم اور فیصلہ پر دل سے راضی ہو۔ شاد رہو اور راحت و عافیت کے دنوں کی طرح تکلیف و مصیبت کی گھڑیوں میں بھی اس کے خدا آشناد دل کی صدا بھی ہو کہ۔۔۔

”ہر چیز از دوست میر سدا نیکوست“

ان تہیدی سطروں کے بعد توکل اور رضا بالقضاء کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند حدیثیں پڑھئے :-

(۲۴۲) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
يُذْ شَلُّ الْجَمْعَةِ مِنْ أَمْتِيْ سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ هُمُ الَّذِينَ لَا  
تُشْفِقُونَ وَلَا يَتَطَلَّحُونَ دَخَلُ رَبِّهِمْ يَكُونُ مَهْلَكُونَ ه

(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میری امت میں سے ستر ہزار بغیر حساب کیے جنت میں جائیں گے، وہ وہ بندہ گناہ خدا ہوں گے جو منتر نہیں کرتے، اور شگون بد نہیں لیتے، اور اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں۔

(بخاری و مسلم)

(تشریح) اس حدیث کا مطلب صحیح طور پر سمجھنے کیلئے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت مبعوث ہوئے اس وقت اہل عرب میں دوسری بہت سی چھوٹی بڑی قبائل و اصلاح برائیوں کے علاوہ یہ دو برائیاں بھی عام طور پر رائج تھیں۔۔۔۔ ایک یہ کہ جب وہ خود یا ان کے بچے کسی بیابان، اور کھدروں میں مبتلا ہوتے، تو اس وقت کے منتر کرنے والوں سے منتر کراتے اور سمجھتے کہ یہ جنت منتر دکھ اور بیماری کو بھگانے کی ایک اسمان تدبیر ہے (اور یہ منتر عموماً جاہلیت کے زمانہ ہی کے تھے) اور دوسرے یہ کہ جب وہ کوئی ایسا کام کرنے کا ارادہ کرتے جس میں نفع اور نقصان، ہمارا و حیثیت و دنوں کا احتمال ہوتا تو شگون لیتے اور اگر شگون بُرا نکلتا تو سمجھتے کہ یہ کام ہم کو راست نہیں آئے گا، اسلئے پھر اس کو

نہیں کرتے تھے، الغرض شگون کو بھی وہ نقصان سے بچنے کی ایک آسان تدبیر جانتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں چیزوں کی مختلف توقعوں پر مذمت فرمائی اور تعلیم دی کہ بیماری دور کرنے کے لئے منتر نہ کرائے جائیں، اور شگون بدلنے اور اس کا اثر قبول کرنے کا طریقہ بھی چھوڑا جائے، اور یقین رکھا جائے کہ بیماری اور تندرستی اور نفع نقصان سب کچھ اللہ ہی کے اختیار میں ہے، لہذا اس پر بھروسہ کیا جائے اور اپنے مقاصد اور ضروریات کے لئے صرف وہی اسباب اور تدابیر استعمال کی جائیں جو اس کی مرضی کے خلاف نہیں ہیں، کیونکہ اصل کارفرما اور مؤثر اسباب نہیں ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کا حکم ہے، لہذا کسی مقصد کے لئے ایسے اسباب استعمال کرنا جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں بہت حماقت کی بات ہے۔

پس اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ جنت میں بے حساب جانے والے پر بندہ گاہی حسد اور ہوں گے جنہوں نے اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کر کے منتر اور شگون بدل کے ان غلط طریقوں کو چھوڑ دیا۔ بعض لوگوں نے اس حدیث سے یہ سمجھا ہے کہ یہ لوگ اسباب کا استعمال مطلقاً ترک کر کے توکل کرنے والے ہوں گے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اگر یہ مقصد ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی صراحت فرماتے، اس موقع پر اسباب میں سے صرف ان ہی دو چیزوں (منتر اور شگون بدل کے) کو کھنکھنے سے (جو کہ شریعت میں خود ہی ممنوع ہیں) صاف معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کا مطلب یہی ہے کہ یہ بندے وہ ہوں گے جو اپنے مقاصد اور ضروریات میں اللہ تعالیٰ ہی پر اعتماد اور بھروسہ کرنے کی وجہ سے اور اسی کی مشیت اور اسی کے حکم کو اصل کارفرما اور مؤثر سمجھنے کے سبب سے ان اسباب کو استعمال نہیں کرتے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ پس یہ حدیث خود ہی اس کی دلیل ہے کہ جو اسباب اللہ تعالیٰ نے جن مقاصد کے لئے اپنی حکمت سے مقرر فرمائے ہیں اور شریعت نے ان کی اجازت دی ہے ان کا ترک کر دینا توکل کا مقتضی نہیں ہے، بلکہ صرف ان اسباب اور تدابیر کا ترک کرنا توکل کا اقتضا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں، اور شریعت نے جن کو غلط قرار دیا ہے۔

۱۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ "حجۃ اللہ البالغہ" میں اس حدیث کو توکل ہی کے بیان میں نقل کرنے (فقہ حنفیہ پر)

البتہ توکل کے لئے یہ ضروری ہے کہ اسباب کو بس ایک راستہ اور اللہ کی حکمت کا پردہ سمجھیں اور دل کا تعلق بس اللہ ہی سے ہو اور یہی چیز متوکل اور غیر متوکل کے طرز عمل میں ایک محسوس فرق بھی پیدا کرتی ہے۔

اس حدیث میں جنت میں بے حساب داخل ہونے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلیوں کی تعداد ستر ہزار بتلائی گئی ہے، یہ تعداد صرف ان کی ہے جو اس فضیلت کے درجہ اول میں ستم ہوں گے، ورنہ ایک دوسری حدیث میں یہ اضافہ بھی آیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار اور بھی بے حساب ہی جنت میں داخل کئے جائیں گے۔ علاوہ ازیں یہ بات کئی دفعہ ذکر کی جا چکی ہے کہ عربی زبان اور محاورات میں یہ عدد صرف کثرت اور غیر معمولی بہتات کے اظہار کیلئے بھی استعمال کیا جاتا ہے، اور اس حدیث میں بھی غالباً ایسا ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

یہ حدیث صرف ایک پیشین گوئی اور آخرت میں پیش آنے والے ایک واقعہ کی صرف خبر نہیں ہے بلکہ حدیث کا اصل فضا یہ ہے کہ آپ کے جن اہلیوں کو یہ حدیث پہنچے سوہ اپنی زندگی کو توکل الی زندگی بنانے کی کوشش کریں، تاکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جنت میں بے حساب داخل ہونے والوں کی فہرست میں ان کا نام بھی چرچہ بن جائے۔

(۲۴۳) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَوْ أَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُونَ عَلَى اللَّهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَزُقُّ الطَّلُورُ تَغْدُو وَحِمَا صَاوِتْرُ وَهُمْ بِطَانًا

(رواہ الترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ

(ﷺ) کا یہ بیان سنا کہ بعد لکھے ہیں۔ اقول انما وصفهم التي صلى الله عليه وسلم

بعض الذين يقول هم الذين لا يستترون ولا يتطيرون (الخ) علماً بان اشرار التوكل ترك الاسباب

(التي هي الشرع عنها لا ترك الاسباب التي سها الله تعالى لعباده - بحمد الله اليا لعمري ۹۰

صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ ارشاد فرماتے تھے کہ :- اگر تم لوگ اللہ پر ایسا توکل اور  
اعتماد کرو جیسا کہ اس پر توکل کرنے کا حق ہے، تو تم کو وہ اس طرح روزی دے جس طرح کہ  
پُر مردوں کو دیتا ہے، وہ صبح کو بھوکے اپنے آشیانوں سے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر  
واپس آتے ہیں۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

(تشریح مع) مطلب یہ ہے کہ اگر بنی آدم روزی کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر ایسا اعتماد اور بھروسہ  
کریں، جیسا کہ انہیں کرنا چاہئے، تو اللہ کا معاملہ ان کے ساتھ یہ ہو کہ جس طرح وہ چڑیوں کو سولت سے  
ارزق دیتا ہے کہ انہیں آدمیوں کی سی محنت و مشقت کے بغیر معمولی نقل و حرکت سے روزی مل جاتی ہے،  
صبح کو وہ خالی پیٹ نکلتی ہیں اور شام کو پیٹ بھر آشیانوں میں واپس آتی ہیں، اسی طرح پھر  
اللہ تعالیٰ آدمیوں کو بھی سولت سے روزی پہنچائے، اور انہیں زیادہ کد و کاوش نہ اٹھانی پڑے، جیسا  
آب اٹھانی پڑتی ہے۔

(۲۴۴) عَنْ عَبْدِ بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ ابْنُ آدَمَ يَحْكُلُ دَاخِلَهُ شُعْبَةٌ فَمِنْ أَتَمَّهَا قَلْبُهُ الشَّعْبُ  
عَلَيْهَا كَأَنَّهُ يُبَالِ اللَّهُ بِأَجْرِ فَاذِ احْكُمْكَ وَمَنْ تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ كَفَاهُ الشَّعْبُ.  
(رواہ ابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- آدمی کے دل کیسے ہر میدان میں ایک شاخ ہے (یعنی ہر  
میدان میں آدمی کے دل کی خواہشیں پھیلی ہوئی ہیں، ایسے جو آدمی اپنے دل کو ان سب  
شاخوں اور خواہشوں میں لگا دے گا، اور فکے گھوڑے ہر طرف دھڑائے گا تو اللہ کو  
پروردہ ہوگی کہ کس وادی اور کس میدان میں اس کی بلاغت ہو، اور جو آدمی اللہ پر بھروسہ  
کرے اور اپنی حاجتیں اسکے سپرد کرے، اور اپنی زندگی کو اس کا تابع فرماں بنادے،  
تو اللہ تعالیٰ اس کی ساری ضرورتوں کیسے کفایت کرے گا (اور اس کو دل کی اطمینان

سکون کی وہ دولت نصیب ہوگی جو اس دنیا کی سب سے بڑی دولت و نعمت ہے۔  
 (تشریح) حدیث کا تفسیر مطلب ترجمہ کے ساتھ واضح کیا جا چکا ہے، حاصل اور اصل پیغام  
 اس حدیث کا یہ ہے کہ بندہ اپنی ساری ضروریات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے، اور اس پر توکل و اعتماد  
 کرے، اور اس کے احکام کا پابند ہو کر زندگی گزارے، اور دنیوی ضرورتوں کے سلسلہ میں اپنی جدوجہد  
 کو بھی ایسے کہ احکام کے تحت کرے، پھر اللہ اس کے لئے کافی ہوگا اور وہی اس کی ضرورتیں پوری  
 کرتا رہے گا۔

(۲۳۵) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ يَا لَهْلَاءُ أَحْضِرِ اللَّهُ يَخْفِظُكَ، أَحْضِرِ  
 اللَّهُ يَحْمَدُكَ بِمَا هَكَذَا إِذَا سَأَلْتَ فَأَسْئَلِ اللَّهَ فَمَادَ اللَّهُ فَسَأَلْتُ  
 فَأَسْتَعِينُ بِاللَّهِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوا  
 بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوا شَيْئًا إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ لَكَ، وَلَوْ اجْتَمَعُوا  
 عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ  
 عَلَيْكَ رَفَعْتَ الْأَقْلَامَ وَجَعَلْتَ الْقُصْفَ

(ردہ احمد والترمذی)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن میں  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی سواری پر آپ کے پیچھے سوار تھا کہ آپ  
 مجھے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔ اے لڑکے تو اللہ تعالیٰ کا خیال رکھ (یعنی  
 اس کے احکام کی تعمیل اور اس کے حقوق کی ادائیگی سے غافل نہ ہو) اللہ تعالیٰ تیرا خیال  
 فرمائے گا، اور دنیا و آخرت کی آفات و بلیات سے تیری حفاظت کرے گا، تو اللہ کو  
 یاد رکھ جیسا کہ یاد رکھنا چاہئے، اس کو تو اپنے سامنے پائے گا، اور جب تو کسی چیز کو  
 مانگا چاہے تو میں اللہ سے مانگ، اور جب کسی ضرورت اور محم میں تو مدد کا محتاج ہو

طالب ہو تو اللہ ہی سے امداد و اعانت طلب کر، اور اس بات کو دل میں بٹھالے کہ اگر ساری انسانی برادری بھی باہم متفق ہو کر اوجڑ کر چاہے کہ تجھ کو کسی چیز سے نفع پہنچا تو صرف اُسی چیز سے تجھ کو نفع پہنچا سکے گی جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے مقدر کر دی ہے اسکے سوا کسی چیز سے نہیں، اور اسی طرح اگر ساری انسانی دنیا تجھ کو کسی چیز سے نقصان پہنچانا چاہے تو صرف اُسی چیز سے نقصان پہنچا سکے گی جس سے نقصان پہنچانا اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ہی تیرے لئے مقدر کر دیا ہے، اسکے سوا کسی چیز سے تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا جاسکے گا، اٹھ پکے قلم اور خشک بھی ہونے چلے بیٹھے

(مسند احمد و جامع ترمذی)

(تشریح) حدیث کا مطلب و منشاء اس کی روح ہی ہے کہ ہر قسم کا نفع و نقصان اللہ کے ہاتھ میں ہے، اسکے سوا کسی کے بس میں کچھ بھی نہیں، حتیٰ کہ اگر ساری دنیا کے انسان مل کر کسی بندہ کو کوئی نفع یا نقصان، یا دکھ یا آرام پہنچانا چاہیں تب بھی اللہ کے حکم اور اسکے فیصلے کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے، وجود میں وہی آئے گا اور وہی ہو گا جس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہو، اور قلم تقدیر جس کو اُس کے بہت پہلے لکھ کر فارغ ہو چکا ہے، اور اس کی تحریر خشک بھی ہو چکی ہے۔۔۔۔۔ ایسی صورت میں اپنی حاجات کے لئے کسی مخلوق سے سوال کرنا اور اس سے مدد مانگنا صرف نادانی اور گمراہی ہو، لہذا جو مانگنا ہو اللہ سے مانگو اور اپنی حاجات کے لئے اُسی کے آگے ہاتھ پھیلاؤ، اور اُس سے لینے کی صورت یہ ہو کہ اس کو اور اسکے احکام و حقوق کو یاد رکھو، وہ تمہیں یاد رکھے گا اور تمہاری ضرورتیں پوری کرے گا، اور دنیا و آخرت میں تم پر فضل فرمائے گا۔

چونکہ کتاب الایمان میں تقدیر کے بیان میں پوری وضاحت اور تفصیل سے بتلایا جا چکا ہے کہ ”تقدیر“ کا مطلب کیا ہے، اور تقدیر کو ماننے کے باوجود عمل اور تدبیر کی ضرورت کیوں ہے، اسکے اس شبہ اور وسوسہ کے متعلق یہاں کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ ناظرین میں سے اگر کسی کو

اس باب سے میں غلجبان ہو تو معارف احمدیہ جلد اول میں تقدیر کا بیان پڑھ لیا جائے۔

(۲۳۶) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
لَيْسَ مِنْ شَيْءٍ يُقَرَّبُكُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ إِلَّا قَدْ  
أَمَرْتُكُمْ بِهِ، وَلَيْسَ شَيْءٌ يُقَرَّبُكُمْ مِنَ النَّارِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ  
إِلَّا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ، وَإِنَّ الدُّوْخَ الْأَمِينُ (وَفِي ذِكَايَتِهِ) وَإِنَّ  
دُوْخَ الْقُدْسِ (نَفْسٌ فِي دُوْخٍ) أَنْ تَقْسَا لَنْ تَمُوتَ حَتَّى تَشْكُرَ  
رِزْقَهَا أَلَا فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاجْعَلُوا فِي الطَّلَبِ وَلَا يَحْمِلَنَّكُمْ  
اسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ أَنْ تَطْلُبُوهُ بِمَعَاصِي اللَّهِ فَإِنَّكَ لَا يَدْرُكُ  
مَا عِنْدَ اللَّهِ إِلَّا بِطَاعَتِهِ

(رداء البغوی فی شرح السنن والبیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے ارشاد فرمایا کہ: اے لوگو! نہیں ہو کوئی چیز ایسی جو جنت سے تم کو قریب اور  
دوزخ سے تم کو بعید کرے، مگر اس کا حکم میں تم کو بے چکا ہوں، اور اسی طرح نہیں ہے  
کوئی چیز ایسی جو دوزخ سے تم کو قریب اور جنت سے بعید کرے، مگر میں تم کو اس سے  
منع کر چکا ہوں (یعنی کوئی نیکی اور ثواب کی بات ایسی باقی نہیں رہی جس کی تعلیم  
میں نے تم کو نہ دی ہو، اور کوئی بدی اور گناہ کی بات ایسی نہیں رہی جس کی  
میں نے تم کو ممانعت نہ کر دی ہو، اس طرح ادا مردنواہی کی پوری تعلیم میں تم کو بے چکا  
ہوں، اور اللہ کے تمام مثبت و منفی احکام جو مجھے ملے تھے وہ میں تم کو پہنچا چکا ہوں)  
اور الدُّوْخُ الْأَمِينُ نے اور ایک روایت میں ہے کہ روح القدس نے اور دونوں سے  
مراد جبریل امین ہیں) ابھی میرے دل میں یہ بات ڈالی ہو (یعنی اللہ کی طرف سے  
یہ وحی پہنچائی ہو) کہ کوئی تنفس اس وقت تک نہیں مرنے کا جب تک کہ اپنا رزق



پورا نہ کر لے (یعنی ہر شخص کو اسکے مرنے سے پہلے اس کا مقدر رزق ضرور بالضرور مل جاتا ہے، اور جب تک رزق پورا نہ ہو جائے اس کو موت آہی نہیں سکتی ہے) لہذا لمے لوگو! خدا سے ڈرو اور تلاش رزق کے سلسلہ میں نیکی اور پرہیزگاری کا روتہ اختیار کرو، اور روزی میں کچھ تاخیر ہو جانا تمہیں اس پر آمادہ نہ کرنے کہ تم اللہ کی نافرمانیوں اور نامشروع طریقوں سے اسکے حاصل کرنے کی فکر کو بخش کرنے لگو، کیونکہ جو کچھ اللہ کے قبضہ میں ہے وہ اس کی فرمانبرداری اور طاعت گزاری ہی کے ذریعہ اس سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

(شرح السنۃ شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) حدیث کا ابتدائی حصہ صرف تمہید ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر دراصل وہی خاص بات اپنے مخاطبین کو بتلانا اور پہنچانا چاہتے تھے جو جبریل امین نے اُس وقت آپ کے دل میں ڈالی تھی، لیکن مخاطبین کے ذہنوں کو پوری طرح متوجہ کرنے کے لئے آپ نے پہلے ارشاد فرمایا کہ لوگو! حلال و حرام اور گناہ و ثواب کی پوری تسلیم میں تم کو دے چکا ہوں، اب ایک اہم تکمیلی بات جو ابھی جبریل امین نے مجھے پہنچائی ہے، میں تم کو بتانا چاہتا ہوں۔

اس تمہید کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مخاطبین کے ذہنوں کو بیدار اور متوجہ کیا، اور اسکے بعد وہ خاص بات ارشاد فرمائی جس کا حاصل یہ ہی ہے کہ ہر شخص کا رزق مکتوب اور مقدر ہو چکا ہے، وہ مرنے سے پہلے پہلے اس کو لی کر رہے گا، اور جب معاملہ یہ ہو تو آدمی کو چاہئے کہ اگر روزی میں کچھ تنگی اور تاخیر بھی ہو جب بھی وہ اسکے حاصل کرنے کے لئے کوئی ایسا قدم نہ اٹھائے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو، اور جس میں اس کی نافرمانی ہوتی ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر یقین رکھتے ہوئے صرف حلال اور مشروع طریقوں ہی سے اسکے حاصل کرنے کی کوشش کرے، کیونکہ اللہ کا فضل و انعام اس کی فرمانبرداری اور اطاعت کا

ہی کے راستہ سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

اس کو ایک جڑی مثال کے انداز میں آسانی سے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ فرض کیجئے اللہ کا کوئی بندہ تنگ دستی میں مبتلا ہو اور اس کو اپنا پیٹ بھرنے کے لئے کچھ پیسوں کی ضرورت ہو، اس موقع پر وہ ایک شخص کو دیکھتا ہے کہ وہ سو رہا ہے، شیطان اسکے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ اس سونے والے شخص کی کوئی چیز اٹھالے اور ابھی ہاتھ کے ہاتھ بیچ کر روزی حاصل کر لے، ایسے وقت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے کہ یقین رکھو جو روزی تم کو پہنچنے والی ہے وہ پہنچ کے رہے گی، پھر کمپوں چوری کر کے اپنے اللہ کو ناراض، اپنے ضمیر اور اپنی روح کو ناپاک، اور اپنی عاقبت کو خراب کرتے ہو، بجائے چوری کرنے کے کسی حلال اور جائز ذریعہ سے روزی حاصل کرنے کی کوشش کرو، حلال کا میدان ہرگز تنگ نہیں ہے۔

(۲۴۷) عَنْ ابْنِ مَرْثُومَةَ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ عَلَى أَهْلِهِ فَلَمَّا رَأَى مَا بِهِمْ مِنَ الْحَاجَةِ خَرَجَ إِلَى الْبَرِيَّةِ فَلَمَّا رَأَتْ امْرَأَتُهُ قَامَتْ إِلَى الرَّجُلِ فَوَضَعَتْهَا إِلَى النَّوْرِ فَسَبَحَتْهُ ثُمَّ قَالَتْ اللَّهُمَّ ارْزُقْنَا فَنَظَرْتُ فَإِذَا الْجُفْنَةُ قَدْ امْتَلَأَتْ قَالَ وَذَهَبَتْ إِلَى النَّوْرِ فَوَجَدَتْهُ مُمْتَلِئًا قَالَ فَرَجَعَهُ الزَّوْجُ قَالَ أَصَبْتُمْ بَعْدِي شَيْئًا قَالَتْ امْرَأَتُهُ نَعَمْ مِنْ كَيْفَانَا وَقَامَ إِلَى الرَّجُلِ فَذَكَرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَمَا إِنَّهُ لَوُكُمُ يَرْفَعُهَا لَكُمْ تَزُونُ تِلْكَ وَنَدَانِي يَوْمَ الْقِيَمَةِ

رواہ احمد۔

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ :-

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں) اللہ کا ایک بندہ اپنے اہل و عیال کے پاس پہنچا جب اس نے ان کو فقر و فاقہ کی حالت میں دیکھا تو (احاج کے ساتھ اللہ سے دعا کرنے کے لئے) جنگل کی طرف چل دیا، جب اس کی نیک بی بی نے دیکھا کہ شوہر

اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے لئے گئے، تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ کر کے اس نے تیاری شروع کر دی (وہ اٹھ کر چکی کے پاس آئی اور اس کو تیار کیا) تاکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کہیں سے کچھ غلہ آئے تو جلدی سے اس کو پیسا جاسکے) پھر وہ نور کے پاس گئی اور اس کو گرم کیا (تاکہ آٹھا پس جانے کے بعد پھر روٹی پکانے میں دیر نہ لگے) پھر اس نے خود بھی دعا کی اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے مالک! یہیں بقی ہے! اب اس کے بعد اس نے دیکھا کہ چکی کے گرد آگے آٹے کے لئے جو بگہ بنی ہوئی ہے (جس کو چکی کا گڑاٹھا اور کہیں کہیں چکی کی پھر بھی کہتے ہیں) وہ آٹے سے بھری ہوئی ہے، پھر وہ نور کے پاس گئی تو دیکھا کہ تنور بھی روٹیوں سے بھرا ہوا ہے (اور جتنی روٹیاں اس میں لگ سکتی ہیں، لگی ہوئی ہیں) اسکے بعد اس بیوی کے شوہر واپس آئے اور بیوی سے پوچھا کہ میرے جانے کے بعد تم نے کچھ پایا؟ بیوی نے بتایا کہ ہاں! ہم اپنے پروردگار کی طرف سے ملا ہے (یعنی براہ راست خزانہ غیب کے اس طبع ملا ہے) یہ سن کر یہ بھی چکی کے پاس گئے (اور اس کو اٹھا کر دیکھا، یعنی تعجب و شوق میں غالباً اس کا پاٹ اٹھا کر دیکھا) پھر جب یہ ماجرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ معلوم ہونا چاہئے کہ اگر یہ اس کو اٹھا کر نہ دیکھتے تو چکی قیامت تک یوں ہی چلتی رہتی، اور اس سے ہمیشہ آٹھا نکلتا رہتا۔

(مسند احمد)

(تشریح) اس روایت میں جو واقعہ نقل کیا گیا ہے وہ خوارق کے قبیل سے ہے، اس دنیا میں عام طور پر اللہ تعالیٰ کی عطا میں اسباب ہی کے سلسلہ سے ملتی ہیں، لیکن کبھی کبھی اللہ کی قدرت کا یہ تماشا بھی ظہور میں آتا ہے کہ عالم اسباب کے عام دستور کے خلاف براہ راست اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ایسے واقعات ظاہر ہوتے ہیں۔ ————— بیشک اللہ تعالیٰ جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے، اس کے لئے یہ کچھ بھی مشکل نہیں۔ ————— پھر اس قسم کے واقعات

اگر اللہ کے کسی پیغمبر کے ہاتھ پر ظاہر ہوں تو ان کو معجزہ دکھاتا ہے، اور اگر ان کے کسی شیخ امتی کے ہاتھ پر ایسے واقعہ کا ظہور ہو تو اس کو کرامت دکھاتا ہے۔

ان دونوں میاں بیوی نے اللہ تعالیٰ پر پوری طرح یقین کر کے اس سے روزی مانگی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو اس طرح قبول کیا کہ خادق عادت طریقہ سے ان کے لئے روزی کا سامان بھیجا، غیب سے چکی میں آگیا، اور تنور میں روٹیاں لگ گئیں۔

جو لوگ یقین اور توکل کی دولت سے محروم اور اللہ کی قدرت کی وسعتوں سے نا آشنا ہیں ان کے دلوں میں شاید اس قسم کی روایات پر شبہات اور وساوس پیدا ہوتے ہوں، لیکن اللہ کے جن بندوں کو یقین و توکل اور اللہ تعالیٰ کی صفات کی معرفت کا کچھ حصہ ملا ہے ان کے لئے تو

ایسے واقعات میں کوئی اچھبے کی بات نہیں۔۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے: "وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ" (سورہ طلاق)۔ اور جو کوئی اللہ پر توکل کرے (جیسا کہ توکل کا حق ہے) تو اللہ اس کے لئے اور اس کے کام نبھانے کے لئے کافی ہے۔

(۲۴۸) عَنْ سَعْدِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
مَنْ سَعَادَ قَوْلَ ابْنِ أَدَمَ رَحْمَةً بِمَا قَضَى اللَّهُ لَهُ وَمِنْ شَقَاؤِهِ ابْنِ  
أَدَمَ كَرْهَهُ إِسْتِفْزَارَةَ اللَّهِ وَمِنْ شَقَاؤِهِ ابْنِ أَدَمَ سَهْطُهُ بِمَا  
قَضَى اللَّهُ لَهُ۔۔۔۔۔ رواہ احمد والترمذی

(ترجمہ) حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: آدمی کی نیک بختی اور خوش نصیبی میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے جو فیصلہ ہو وہ اس پر راضی رہے، اور آدمی کی بد بختی اور بد نصیبی میں سے یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے خیر اور بھلائی کا طالب نہ ہو اور اس کی بد نصیبی اور بد بختی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے باپے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے ناخوش ہو۔  
(مسند احمد جامع ترمذی)

(تشریح) اللہ کے فیصلہ اور اس کی تقدیر سے بعض اوقات بندہ پر ایسے حالات آتے ہیں جو اس کی طبیعت اور جاہلیت کے خلاف ہوتے ہیں۔ ایسے موقع پر بندہ کی سعادت انہیں گنتی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علیم کل اور حکیم مطلق اور رؤف باعباد یقین کرتے ہوئے اس کے فیصلہ پر رضی ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: "عَسَىٰ اَنْ تَكُوْنُوْا شِيْئًا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ اَنْ يَّخُوْجُوْا شَيْئًا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" (ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو برا سمجھو اور حقیقت اور انجام کے لحاظ سے اس میں تمہارے لئے بہتری ہو، اور اسی طرح ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو اور چاہو اور حقیقت اور انجام کے لحاظ سے اس میں تمہارے لئے برائی اور خرابی ہو، علم حقیقی صرف اللہ کو ہے اور تم بے خبر ہو)۔

دوسری بات اس حدیث میں یہ فرمائی گئی ہے کہ بندہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے برابر یہ دعا کرتا رہے کہ اس کے نزدیک بندہ کے لئے جو خیر ہو اسی کا اس کے لئے فیصلہ کیا جائے حضور نے فرمایا کہ بندہ کا اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے خیر نہ مانگنا بندہ کی بڑی بد نصیبی اور بد بختی ہے۔ اسی طرح یہ بھی بد بختی اور بد نصیبی ہے کہ بندہ اللہ کی قضا و قدر اور اس کے فیصلوں سے ناخوش اور ناراض ہو۔

ظاہر ہے کہ "رضا بالقضا" کا یہ مقام بندہ کو جب ہی حاصل ہو سکتا ہے جب کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی اُن صفات کمال و جمال پر پورا پورا ایمان و یقین حاصل ہو جو قرآن مجید نے اُوّل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائی ہیں، اور پھر اس معرفت اور اس ایمان و یقین کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے دل میں رچ بس گئی ہو۔ ایمان و محبت کے اس مقام پر پہنچ جانے کے بعد بندہ کے دل کی صدا یہ ہوتی ہے۔

زندہ کنی عطائے تو در کشی فدائے تو دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

## اخلاص و للہیت اور نام و نود

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انسانی دنیا کو اخلاق حسنہ کی جو تعلیم و ہدایت ملی ہے، اس عاجز کے نزدیک اُس کی تکمیل اخلاص و للہیت کی تعلیم سے ہوتی ہے یعنی اخلاص و للہیت کتاب اخلاق کا آخری تکمیل سبق اور روحانی و اخلاقی بلندی کا آخری ذریعہ ہے۔

اس اخلاص و للہیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر اچھا کام یا کسی کے ساتھ اچھا برتاؤ صرف اسلئے اور اس نیت سے کیا جائے کہ ہمارا خالق پروردگار ہم سے راضی ہو، ہم پر رحمت فرمائے اور اس کی نافرمانی اور نضیب ہم محفوظ رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا با ہے کہ تمام اچھے اعمال و انفاق کی روح اور جان ہی اخلاص نیت ہے۔ اگر بظاہر اچھے سے اچھے اعمال و اخلاق اس سے نالی ہوں اور ان کا مقصد رضا آئی نہ ہو، بلکہ نام و نود یا اور کوئی ایسا ہی جذبہ ان کا محرک اور باعث ہو تو اللہ کے نزدیک انکی کوئی قیمت نہیں اور ان پر کوئی ثواب ملنے والا نہیں۔۔۔ اسی کو دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ

اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کا ثواب جو اعمال صاحبہ اور اخلاق حسنہ کا اصل سلسلہ اور نتیجہ ہے اور جو انسانوں کا اصل مطلوب و مقصود ہونا چاہئے وہ صرف اعمال و اخلاق پر نہیں ملتا بلکہ جب ملتا ہے

جبکہ ان اعمال و اخلاق سے اللہ تعالیٰ فی رضا ہوئی اور اخروی ثواب کا ارادہ بھی کیا گیا ہو اور وہی ان کے لئے اصل محرک ہو۔۔۔ اور ایسا ہی ہونا بھی چاہئے اپنے معاملات میں خود

ہمارا بھی یہی اصول ہو۔۔۔۔۔ فرض کیجئے کوئی شخص آپ کی بڑی خدمت کرتا ہے۔

آپ کو ہر طرح آرام پہنچانے اور خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہو لیکن پھر کسی ذریعہ سے آپ کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اُسے آپ کے ساتھ کوئی خلوص نہیں ہے، بلکہ اُس کا یہ برتاؤ اپنی فلاح ذاتی

غرض کے لئے ہو، یا آپ کے کسی دوست، باعزت و عزیز سے وہ اس کو دے گا نہ کھانا یا بتا دے اور صرف اس کے دکھانے کیلئے آپ کے ساتھ اس کو یہ برتاؤ ہے، نوچھ آپ کے دس میں اس کی اور سنیے اس برتاؤ کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہتی۔

ہاں یہو، معاذ اللہ تعالیٰ کا یہ فرق انا جو کہ ہم دروہ کے دلوں کا حال نہیں جانتے، اور اللہ تعالیٰ بہت دوس اور ان کی غیبتوں کا ماں پانتا ہی پس اس کے جن بندوں کا یہ حال ہو کہ وہ اُنکو غمشو دی اور رحمت کی طلب میں اچھے اعمال کرتے ہیں وہ ان کے ان اعمال کو قبول کر کے ان سے راضی ہوتا اور ان پر رحمتیں نازل کرتا ہو، اور آخرت ہو دارا بھرا ہے اس میں اُنکی اس رضا اور رحمت کا پورا ظہور ہو گا۔ اور جو لوگ اپنے اعمال و اخلاق کا مظاہرہ دنیا والوں کی داد و تحسین اور نیک نامی و شہرت طلبی کے لئے کیا کرتے ہیں، ان غرضی مقاصد کیلئے کرتے ہیں اُن کو یہ دوسرے مقاصد چاہئے: دنیا میں حاسل ہو جائیں لیکن وہ اللہ کی رضا اور رحمت سے محروم رہیں گے، اور ان کی اس غرضی کا پورا پورا ظہور بھی آخرت ہی میں ہو گا۔

اس باب میں اہل نبیاد تونہ دل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشورہ حدیث: **رَأَيْتُكَ اِنَّكَ مَانِ بِالْبَيِّنَاتِ**، الحدیث: **ہو جو جملہ اول کے مالک شروع میں درج ہو** اور وہیں اسکی تشریح بھی بسط و تفصیل سے کی جا چکی ہو، آئیے یہاں اس کے احادیث کی ضرورت نہیں، اب اس کے علاوہ اس سلسلہ کی دوسری چند حدیثیں یہاں درج کی جا رہی ہیں: **اِنَّ اَبَدِيَّ حَدِيثٍ اِنْ يَرِىْ حَبْلًا دُوْمَ اَشْمَقٍ يُّوْرِيْ** ہے۔

(۲۴۹) **عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلَى مَنْ رَزَقَهُ فَاَمَّا وَاَلَيْكُمْ زَالَتِ يَدُكَ اِلَى فُلُوْ بِكُمْ وَاعْمَالِكُمْ**۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا، لیکن تمہارے دلوں اور تمہارے عملوں کو دیکھتا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں مقبولیت کا معیار کسی کی شکل و صورت یا اس کی دوت مندی میں ہے بلکہ ان کی درستی اور نیک کرداری پر، وہ کسی بندے کیلئے رہنما اور رحمت کا فیصلہ اس کی شکل و صورت یا اس کی دوت مندی کی بنیاد پر نہیں کرتا، بلکہ اس کے دل یعنی اس کی نیت کے صحیح رخ اور اس کی نیک کرداری کی بنیاد پر کرتا ہے۔

بلکہ اس حدیث کی بعض روایتوں میں جاتے مذکورہ بالا الفاظ کے یہ الفاظ ہیں :-

وَاللّٰهُ لَا يَنْظُرُ إِلَىٰ آبْنَةٍ وَلَا بَنَةٍ	اللہ تعالیٰ تعالیٰ جموں اور تمہاری صورتوں کو
وَلَا إِلَىٰ صُورَةٍ وَلَا إِلَىٰ عَمَلٍ	اور تمہاری صورت ظاہری اعمال کو نہیں دیکھتا
يَنْظُرُ إِلَىٰ قُلُوبِكُمْ	بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔

الفاظ اس حقیقت کے ادا کرنے کیلئے زیادہ واضح اور زیادہ صریح ہیں کہ مقبولیت کا اصل دار مدار دل کے رخ کی صحت یعنی نیت کی درستی پر ہے، پس اگر کسی شخص کا عمل بظاہر اچھے سے اچھا ہو لیکن اس کا دل اخلاص سے خالی ہو، اور اس کی نیت درست نہ ہو، تو وہ عمل ہرگز قبول نہ ہوگا۔

## اخلاص کی برکت اور تاثیر و طاقت :-

(۲۵۰) عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَمَا ثَلَاثَةٌ يَخْرُجُونَ أَخَذَهُمُ الْخَطَرُ فَأَمَّا الْوَالِي غَارٍ فِي الْجَبَلِ فَأَخْبَطَ عَلَى فِئْرٍ غَارِهِمْ صَخْرَةً مِنْ الْجَبَلِ فَأَطْبَقَتْ عَلَيْهِمْ فَقَالَ لَعْزْمُهُمْ لِبَعْضٍ أَنْظَرُوا أَعْمَالَكُمْ لَمْ تَعْمَلُوا لِلَّهِ صَالِحَةً فَأَذْهَبُوا اللَّهُ بِهَا لَعَلَّهُ يُعْرِجُهَا فَقَالَ أَحَدُهُمْ اللَّهُمَّ إِنَّكَ كَانَتْ لِي وَلَدٌ إِنْ شِئْتَ كَبِيرًا وَلِي صَبِيَّةٌ صَخْرَةً كُنْتُ أَدْعِي عَلَيْهِمْ فَإِذَا رَحْتُ عَلَيْهِمْ فَحَكَمْتُ بَدَأْتُ بِوَالِدِي أَسْقِيهِمَا قَبْلَ وَلَدِي وَإِنَّكَ قَدْ نَأَى



فِي الشَّحْرِ كَمَا أَتَيْتُ حَتَّى أَمْسَيْتُ فَوَحَّدْتُهِمَا قَدْ أَنَا مَا تَحَنَّنْتَ  
 كَمَا كُنْتُ أَحْبَبْتُ فَمَدُّتُ بِالْجَلَابِ فَقَعْتُ مَنُذَرُوسِهِمَا أَكْرَهُ  
 أَنْ أَوْقِظَهَا وَأَكْرَهُ أَنْ أَبْدَأُ بِالْعُصْبَةِ قَبْلَهُمَا وَالْعُصْبَةُ تَسَاعُونَ  
 عِنْدَكَ كُلُّكُمْ مَزَلْ ذَلِكَ دَأْبِي وَدَأْبُهُمْ حَتَّى طَلَعَ الْفَجْرُ فَإِنْ  
 كُنْتُ تَعْلَمُ إِنِّي فَعَلْتُ ذَلِكَ ابْتِغَاءً وَجْهِكَ فَأَفْرِجْ لَنَا فُرْجَةً  
 تَرَى مِنْهَا السَّمَاءَ فَقَرَّبَ اللَّهُ لَهُمْ حَتَّى بَرَوْنَ السَّمَاءَ قَالَ الثَّانِي  
 اللَّهُمَّ إِنَّكَ كَانَتْ لِي يَتُّ عَمِيًّا جَمْعًا كَأَشَدِّ مَا يُحِبُّ الرِّجَالُ  
 النِّسَاءَ فَلَقَبْتُ إِلَهُهَا نَفْسَهَا فَأَنْتَ حَتَّى آتَيْتَهَا بِوَالِدِي دِينَارٍ  
 فَسَعَيْتُ حَتَّى جَمَعْتُ مِائَةَ دِينَارٍ فَلَقَيْتُهَا بِمَا فَكَلَفَا فَعَدْتُ  
 بَيْنَ رِجْلَيْهَا قَالَتْ يَا عَبْدَ اللَّهِ إِنْ لِيَ اللَّهُ وَلَا تَفْتِمِ الْخَائِمَ  
 فَقَعْتُ عَنْهَا اللَّهُمَّ فَإِنْ كُنْتُ تَعْلَمُ إِنِّي فَعَلْتُ ذَلِكَ ابْتِغَاءً  
 وَجْهِكَ فَأَفْرِجْ لَنَا مِنْهَا فُقْرًا لَهُمْ فُرْجَةً وَقَالَ الْآخَرُ  
 اللَّهُمَّ إِنِّي كُنْتُ اسْتَأْجَرْتُ أَحْيَرًا بِفَقْرِي أُرِيَّ فَلَكَ قَضِي  
 عَمَلُهُ قَالَ أَعْطِنِي حَقِّي فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ حَقَّهُ فَأُتِرَكَهُ وَ  
 رَغِبَ عَنْهُ فَلَمَّا زَلْ أُرْعُهُ حَتَّى جَمَعْتُ مِنْهُ بَقَرًا وَرَاعِيَهَا  
 فَجَاءَنِي فَقَالَ إِنْ لِيَ اللَّهُ وَلَا تَظْلِمْنِي وَأَعْطِنِي حَقِّي فَقُلْتُ  
 اذْهَبْ إِلَى الْبَقَرِ وَرَاعِيَهَا فَقَالَ إِنْ لِيَ اللَّهُ وَلَا تَظْلِمْنِي فَقُلْتُ  
 إِنِّي لَا أَهْزَأُ بِكَ تَحُدُّ ذَلِكَ الْبَقَرُ وَرَاعِيَهَا فَأَخَذَ قَانِطَلِقَ  
 بِهَا فَإِنْ كُنْتُ تَعْلَمُ إِنِّي فَعَلْتُ ذَلِكَ ابْتِغَاءً وَجْهِكَ فَأَفْرِجْ  
 مَا بَقِيَ فَقَرَّبَ اللَّهُ عَنْهُمْ

رواه البخاري ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: "نن آدمی کہیں چلے جا رہے تھے کہ انکو مینہ نے آلیا۔ وہ پہاڑ کے ایک غار میں گھس گئے۔ پہاڑ سے غار کے منہ پر ایک پتھر کی چٹان آ پڑی اور غار کو بند کر دیا۔ تینوں میں سے ایک نے دوسروں سے کہا، اپنے اُن نیک عملوں پر نظر ڈالو جو خاص طور پر خدا کے لئے کئے ہوئے، اور اُس عمل کے وسیلہ سے خدا سے دعا مانگو، امید ہے کہ خداوند تعالیٰ اس پتھر یا اس مصیبت کو دور کرے۔ ایک نے ان میں سے کہا کہ اے اللہ! میرے ماں باپ بہت بوڑھے تھے اور میرے کئی چھوٹے بچے تھے۔ میں بکریاں وغیرہ چرایا کرتا تھا کہ ان کا دودھ ان سب کو پلاؤں جب تمام ہو جاتی تو میں گھر آتا دودھ دوہتا اور سب سے پہلے اپنے ماں باپ کو پلاتا پھر بچوں کو دیتا۔ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ چراگاہ کے درخت مجھ کو دوڑے گئے یعنی بکریوں کو پراتا پراتا میں دوڑا گیا اور وقت پر میں گھر واپس نہ آ سکا یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ جب گھر پہنچا تو دیکھا کہ میرے ماں باپ دونوں سو گئے ہیں، میں نے حسب معمول دودھ دوہا پھر دودھ کا برتن لیکر ماں باپ کے پاس پہنچا، اور اُن کے سامنے کھڑا ہو گیا، مجھ کو اُن کو جگانا بھی بُرا معلوم ہوا، اور یہ بھی کہ ماں باپ سے پہلے بچوں کو دودھ پلا دوں، بچے میرے پاؤں کے پاس پڑے بھوک سے روتے اور چلاتے تھے، اور میں دودھ لئے کھڑا تھا، صبح تک یہی کیفیت رہی، یعنی میں دودھ لئے کھڑا رہا، اور بچے روتے رہے، اور ماں باپ پڑے سوتے رہے، اے اللہ! اگر تو جاننا ہے کہ میں نے یہ کام محض تیری رضا مندی اور خوشنودی کیلئے کیا تھا تو تو اس پتھر کو اتنا کھول دے کہ ہم آسمان کو دیکھ سکیں، چنانچہ خداوند تعالیٰ نے پتھر کو اتنا ہٹا دیا کہ آسمان نظر آنے لگا۔ دوسرے شخص نے کہا کہ اے اللہ! میرے چچا کی ایک بیٹی تھی میں اُس سے انتہائی محبت رکھتا تھا، ایسی محبت جیسی کسی مرد کو کسی عورت کے ساتھ زیادہ سے زیادہ ہو سکتی ہے، میں نے اُس سے جماع کی خواہش

ظاہر کی، اٹھنے کہا کہ سب تک ہوا شرقی مزدو کے ایسا نہیں ہو سکتا میں نے کوشش شروع کی، اور سواشر فیاں جمع کر لیں، اور ان کو لیکر میں اُسکے پاس پہنچا، چھ سیب میں اُس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گیا (یعنی جماع کیلئے)، تو اٹھنے کہا کہ لے خدا کے بندے خدا سے ڈرا اور قہر کو نہ توڑ! میں خدا کے خوف سے فوراً اٹھ کھڑا ہوا (یعنی اُس سے جماع نہیں کیا) لے اللہ! اگر تیرے نزدیک میرا فعل محض تیری رضا مندی اور خوشنودی کیلئے تھا، تو اس پتھر کو ہٹا دے اور ہمارے لئے راستہ کھول دے، خداوند تعالیٰ نے پتھر کو تھوڑا سا اور ہلکا کر دیا، تیسرے شخص نے کہا لے اللہ! میں نے ایک شخص کو مڑی پر لگایا تھا، ایک فرق (سپائن) چاول کے معاوضہ پر، جب وہ شخص اپنا کام ختم کر چکا تو کہا میری مزدوری مجھ کو دلائیے؟ میں اُس کی مزدوری دے دے لگا، وہ اس کو چھوڑ کر چلا گیا، اور پھر اپنے حق کے لئے کیلئے نہ آیا، تو میں نے اس کی مزدوری کے چاولوں سے کاشت شروع کر دی، اور ہمیشہ کاشت کرتا رہا، یہاں تک کہ اُن چاولوں کی قیمت سے میں نے بہت سے بیل اور اُن کے چرواہے جمع کر لئے، پھر مدت کے بعد وہ مزدور میرے پاس آیا اور کہا، خدا سے ڈرا اور مجھ پر ظلم نہ کر، اور میرا حق میرے خوالہ کر، میں نے کہا کہ ان بیلوں اور چرواہوں کو بے جا کہہ وہ تیرا حق ہے) اٹھنے کہا بندے خدا سے ڈرا اور مجھ سے مذاق نہ کر، میں نے کہا کہ میں تجھ سے مذاق نہیں کرتا، ان بیلوں اور چرواہوں کو بے جا، یہ سب تیرے ہی ہیں، چنانچہ اٹھنے اُن سب کو بیع کیا اور لیکر چلا گیا لے اللہ! اگر تیرے نزدیک میرا فعل محض تیری خوشنودی اور رضا مندی کے لئے تھا، تو تو اس پتھر کو بالکل ہٹا دے، چنانچہ خداوند تعالیٰ نے پتھر کو ہٹا دیا، اور راستہ کھول دیا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں جن تین صاحبوں کا قصہ بیان فرمایا ہے، بظاہر کسی اگلے پیغمبر کے اتنی تھے، حضور نے اپنی امت کی سبق آموزی کیلئے اس قصہ کو

بیان فرمایا اس واقعہ میں اللہ کے نبیوں نے حسن اعمال کو خدا کے حضور میں پیش کر کے اس سے دعا کی ہے انکی خصوصیتیں قابلِ ملاحظہ ہیں۔

سب سے پہلی اور سب سے اہم خصوصیت جس کا ذکر میں صراحتہ ذکر بھی ہے یہ ہے کہ تینوں علیٰ حضرت اللہ کی رضا جوئی میں کئے گئے تھے اور ان اعمال کی اسی خصوصیت کی بنا پر ان نبیوں نے اللہ کے حضور میں ان کو پیش کیا تھا۔

دوسری ایک خصوصیت یہ ہے کہ تینوں علیٰ اللہ کے حکم و مرضی کے مقابلے میں اپنے آپ کی چاہت کو دبانے اور قربان کرنے کی اعلیٰ مثال ہیں۔ ذرا سوچئے پہلے شخص کا مجاہدہ نفس کشنا سخت بڑا دن بھر وہ جانوروں کو جگل میں چراتار رہا ہے اور شام کو دیر سے تھکا ہوا آیا ہے، قدرتی طور پر اس کا پی سونے کو مجید یا ہوتا ہوگا، بلکہ وہ سونے کیلئے مضطر اور مقید رہے گا، لیکن چونکہ ماں باپ کو وہ بچے سو گئے تھے، اور یہ اللہ کی رضا اسی میں سمجھتا تھا کہ جس وقت نیند سے اٹکی آنکھ کھلے، یہ اُن کو دودھ پلا دے، اسلئے یہ شخص رات بھر رونہ، بڑبڑانے لگے، ان کے سر پرانے کھڑا رہا۔ اور پھر اسکے بچے اسکے فتنوں میں پڑے، بھوک سے روتے چلاتے رہے، لیکن اسنے ماں باپ کے حق کو مقدم جان کر اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے یہ مجاہدہ بھی کیا کہ بڑھے ماں باپ سے پہلے اپنے پیارے بچوں کو بھی دودھ نہ پلایا، یہاں تک کہ اسی حال میں حق مہر گئی۔

اسی طرح دوسرے شخص کے علیٰ کی خصوصیت بھی ظاہر ہے، ایک جوان ایک لڑکی سے عشق و کھٹا اور جب ایک بیش قرار رقم ملے ہو جاتی ہے اور کسی طرح وہ رقم حیا کر کے اس کو دے بھی دیتا ہو اور زندگی کی سب سے بڑی تمنا پوری کرنے کا سہ پورا موقع مل جاتا ہے اور کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہتی تو ٹھیک اُس وقت اللہ کا نام بیچ میں آتا ہے اور وہ بندہ اپنے نفس کی خواہش پوری کئے بغیر اللہ سے ڈر کر اور اس کی رضا طلبی میں اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ ہر نفس رکھنے والا انسان اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ کتنا سخت مجاہدہ ہے، اور اللہ کی رضا کے مقابلے میں خواہش نفس قربان کرنے کی کتنی اعلیٰ مثال ہے۔

اسی طرح تیسرے شخص کے علیٰ کی یہ خصوصیت بھی ظاہر ہے۔ ایک مزدور کے چند بچے

اچا دل ایک شخص کے پاس رہ گئے، اٹھنے انہی چاولوں کو اپنی زمین میں بودیا پھر پوسیدوار ہوئی اس کو اٹھنے اسی مزدور کی ملکیت قرار دینے فراموشی کے حساب میں اس کو لاگاتا اور بڑھاتا رہا یہاں تک کہ اس نے اتنی دولت فراہم ہو گئی کہ جانوروں کا ایک ریوڑ کا ریوڑ ہو گیا۔ پھر جب کچھ مدت کے بعد وہ مزدور آیا تو اس امانت دار اور نیک کردار بندہ نے وہ ساری دولت جو خواص کی اپنی محنت اور توہم سے فراہم ہوئی تھی وہ سب کی سب اس مزدور کے حوالہ کر دی۔ ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ اس وقت شیطان نے دل میں کیسے کیسے دوسرے ڈالے ہوں گے اور اپنے نفس کی کتنی شدید خواہش ہوگی کہ یہ دولت جو صرف اپنی محنت سے پیدا کی گئی ہے اور جس کا اس مزدور کو کوئی علم بھی نہیں ہے اس کو اپنے ہی پاس کھا جائے لیکن اللہ کے اس بندے سے رضا و انکس کی طلب میں اپنے نفس کی اس خواہش کو فراموش کیا اور وہ ساری دولت اس بیچارے مزدور کے حوالے کر دی۔

اسی طرح ان تینوں عبادوں کی ایک خصوصیت یہ بھی قابلِ ملاحظہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اصطلاحی اور عرفی عبارت نہیں ہے بلکہ ایک کا تعلق بابِ معاشرت سے ہے ایک کا بابِ محالیت سے اور ایک کی نوعیت یہ ہے کہ اللہ کے ایک بندہ نے خدا سے ڈر کر اس کی رضا جوئی میں ایک ایسے گناہ کو چھوڑا ہے جو اس کی انتہائی تمنا اور خواہش تھی اور جس کے سارے اسباب بھی اٹھنے فراہم کر لئے تھے۔

اس وحدیت سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اگر بندہ اپنے کسی نہیک عمل کے تعلق یہ اندازہ رکھتا ہو کہ وہ اخلاص کی کیفیت کے ساتھ ادا ہوا ہے تو اپنی دعا میں بطور وسیلہ کے اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کو پیش کر سکتا ہے۔

**ربا ایک درجہ کا شرک اور ایک قسم کا نفاق ہے :-**

اخلاص و اللہیت (یعنی ہر نیک عمل کا اللہ کی رضا اور رحمت کی طلب میں کرنا) جس طرح ایمان و توحید کا تقاضا اور عمل کی جان ہے اسی طرح ربا و شریک یعنی مخلوق کے دکھاوے اور دنیا میں شہرت اور ناموری کے لئے نیک عمل کرنا ایمان و توحید کے منافی اور ایک قسم کا شرک ہے۔

(۲۵۱) مَنْ شَكَ ابْنِ آدَمَ قَالَ حَوَّلَتْهُ مَلَكُوتُ اللَّهِ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى بِزَانٍ فَقَدْ أَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ بِزَانٍ  
فَقَدْ أَشْرَكَ وَمَنْ نَصَبَ نِيزَانٍ فَقَدْ أَشْرَكَ

(ردلہ احمد)

(ترجمہ) شدہ بن آدم نے روایت یہ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے۔ جس نے دکھاوے کے لئے نماز پڑھی اُس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لئے روزہ رکھا اُس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لئے صدقہ خیرات کیا اُس نے شرک کیا۔

(مسند احمد)

(تشریح) حقیقی شرک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات یا اس کے افعال اور اس کے خاص حقوق میں کسی حد سے گزر کر شرک کیا جائے یا اللہ کے ساتھ کسی اور کی بی جہاد کی جائے یہ وہ شرک حقیقی ہے اور شرک جلی اور شرک کبر ہے جس کے تعلق قرآن مجید میں اعلان فرمایا گیا ہے اور ہم مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ ہے کہ اس کا کرنے والا ہرگز ہرگز نہیں بخشا جائے گا۔ لیکن بعض اعمال اور اخلاق ایسے بھی ہیں جو اگرچہ اس معنی کے شرک نہیں ہیں لیکن ان میں اس شرک کا قصداً بہت شائبہ ہے، ان ہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اللہ کی عبادت یا کوئی اور نیک کام اللہ کی رضا جوئی اور اس کی رحمت طلبی کے بجائے لوگوں کے دکھاوے کے لئے کرے یعنی اس غرض سے کرے کہ لوگ اس کو عبادت گزار اور نیکو کار سمجھیں اور اس کے عقیدہ و جہاد میں اسی کو تکیا کیا جاتا ہے، یہ اگرچہ حقیقی شرک نہیں ہے لیکن ایک درجہ کا شرک اور ایک قسم کا اتفاق اور سخت درجہ کا گناہ ہے۔ ایک دوسری حدیث میں اس کو "شرک خفی" اور ایک اور حدیث میں "شرک صغیر" کہا گیا ہے (یہ دونوں حدیثیں آگے درج کیا جا رہی ہیں)۔

واضح رہے کہ اس حدیث میں نماز، روزہ اور صدقہ و خیرات کا ذکر صرف مثال کے طور پر کیا گیا ہے، دوسرے ان کے علاوہ بھی جو نیک عمل لوگوں کے دکھاوے کے لئے اور انکی نظروں میں عزیز و محترم بننے کے لئے یا ان سے کوئی نئی نئی فائدہ حاصل کرنے کے لئے کیا جائے گا وہ بھی ایک درجہ کا

شرک ہی ہوگا، اور اس کا کرنے والا بجائے ثواب کے خدا کے سخت عذاب کا مستحق ہوگا۔

(۲۵۲) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَتَذَكَّرُ الْمَسِيحَ الدَّجَالَ فَقَالَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَا هُوَ أَخَوْتُ عَلَيْكُمْ عِنْدِي مِنَ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ فَقُلْنَا بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ الشِّرْكُ الْخَفِيُّ أَنْ تَقُومَ الرَّجُلُ يُصَلِّيَ فَيَزِيدُ صَلَاتَهُ لِمَا يَرَى مِنْ نَظَرِ رَجُلٍ

(رواہ ابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اپنے بھڑ مبارک سے) نکل کر ہماری پاس تشریف لائے اُس وقت ہم لوگ آپس میں مسیح و جال کا کچھ تذکرہ کر رہے تھے تو آپ نے ہم سے فرمایا: کیا میں تم کو وہ چیز بتاؤں جو میرے نزدیک تمہارے لئے و جال سے بھی زیادہ خطرناک ہے ہم نے عرض کیا: حضور! متروک تلاش وہ کیا چیز ہے! آپ نے فرمایا: وہ شرک خفی ہے (جس کی ایک مثال یہ ہے) کہ آدمی نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو، پھر اپنی نماز کو اسلئے لمبا کرے کہ کوئی آدمی اس کو نماز پڑھتا دیکھ رہا ہے۔

(سنن ابن ماجہ)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب غالباً یہ تھا کہ و جال جس کھلے شرک و کفر کی دعوت دے گا اور جس کے لئے وہ لوگوں کو مجبور کرے گا، مجھے اس کا زیادہ خطرہ نہیں ہے کہ میرا کوئی سچا امتی اس کی بات ماننے کے لئے آمادہ ہوگا، لیکن مجھے اس کا خطرہ ضرور ہے کہ شیطان تم کو کسی ایسے شرک میں مبتلا کر دے جو بالکل کھلا ہوا شرک نہ ہو، بلکہ خفی قسم کا شرک ہو جس کی مثال آپ نے یہ دی کہ نماز کو اسلئے لمبا کر دے اور بہتر ٹیڑھی جائے کہ دیکھنے والے معتقد ہو جائیں۔

سنن ابن ماجہ ہی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص اپنی امت کے شرک میں مبتلا ہونے کا خطرہ ظاہر فرمایا تو بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا ایسا ہوگا کہ آپ کے خدا آپ کی امت شرک میں مبتلا ہو جائے؟ آپ نے فرمایا:۔۔ یہ تو اطمینان ہے کہ برسہ امتی چاند سورج کو اور پتھروں اور تہوں کو نہیں پوچھیں گے، لیکن یہ ہو سکتا ہے اور ہوگا کہ ریاء والے شرک میں وہ مبتلا ہوں۔

(۲۵۳) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ لَبِيدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَخَوْفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكَ الْأَصْغَرَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا الشِّرْكَ الْأَصْغَرُ؟ قَالَ الرِّيَاءُ —  
(رواہ احمد)

(ترجمہ) محمد بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔۔ مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خطرہ ”شرک اصغر“ کا ہے بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ”شرک اصغر“ کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا:۔۔ ریاء (یعنی کوئی نیک کام لوگوں کے دکھاوے کے لئے کرنا)۔۔ (مسند احمد)

(تفسیر صحیح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کا اصل مقصد دنیا واسنے امتیوں کو اس خطرہ سے خبردار کرنا ہے تاکہ وہ ہوشیار رہیں اور اس غی قسم کے شرک سے بھی اپنے دلوں کی حفاظت کرتے رہیں، ایسا نہ ہو کہ شیطان ان کو اس غی قسم کے شرک میں مبتلا کر کے تباہ کر دے۔

جس عمل میں شرک کی ذرا بھی آمیزش ہوگی وہ قبول نہ ہوگا۔

(۲۵۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى أَنَا غَنِي الشُّرَكَاءِ عَنِ الْوُزُرِ خَسَنَ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَكَ فِيهِ مَعَ غَيْرِي تَرْكُهُ وَتَرْكُهُ —



وَفِي رِكَابَةٍ قَا نَامِنَةٌ بَوْحَى هُوَ الَّذِي عَمِلَهُ —

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں شرک اور شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں (یعنی جس طرح اور شرک اور شرک پر راضی ہو جاتے ہیں اور اپنے ساتھ کسی کی شرک منظر کر لیتے ہیں اس طرح میں راضی نہیں ہوتا اور کسی کی ادنیٰ شرک گوارا نہیں کر سکتا، ہر قسم کی شرک سے بالکل بے نیاز اور سخت بیزار ہوں) پس جو شخص کوئی عمل (عبادت وغیرہ) کہے جس میں میرے ساتھ کسی اور کو بھی شریک کہے (یعنی اُس سے اس کی غرض میری رضا اور رحمت کے علاوہ کسی اور سے بھی کچھ حاصل کرنا یا اس کو مستفد بنانا ہو) تو میں اُس کو اور اُس کے شرک کو دونوں کو چھوڑ دیتا ہوں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میں اُس سے بیزار اور بے تعلق ہوں، وہ عمل (میرے لئے بالکل نہیں، بلکہ) صرف اس دوسرے کے لئے ہے جس کے لئے اُس نے کیا (یعنی جس کو اُس نے شریک کیا)۔

(صحیح مسلم)

(۲۵۵) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ بْنِ أَبِي فَضَالَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا جُنِعَ اللَّهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِيَوْمِ لَا يُبْقِيَهُ كَادَىٰ مَنْ كَانَ أَشْرَكَ فِي عَمَلٍ عَمِلَهُ لِلَّهِ أَحَدًا فَلْيُطْلَبْ ثَوَابُهُ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ أَخَذَ الشُّرَكَاءَ عَنِ الشُّرَكِ — رواه احمد

(ترجمہ) ابو سعید بن ابی فضالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن، جس کے آنے میں کوئی شرک نہیں ہے سب آدمیوں (اولیٰں و آخرین) کو جمع کرے گا تو ایک منادی یہ اعلان کرے گا کہ

جس شخص نے اپنے کسی ایسے عمل میں جو اُس نے اللہ کیلئے کیا کسی اور کو بھی شریک کیا تھا وہ اُس کا ثواب اُسی دو سسرے سے جا کر طلب کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ سب شرکار سے زیادہ بے نیاز ہے شرک سے۔ (مسند احمد)

(تفسیر صحیح) دونوں حدیثوں کا حاصل اور پیغام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اُس نیک عمل کو قبول کرتا ہے اور اُسی پر ثواب دے گا جو اخلاص کی کیفیت کے ساتھ صرف اُس کی رضا اور رحمت کی طلب میں کیا گیا ہو اور اُس کے سوا کسی کو بھی اُس میں شریک نہ کیا گیا ہو، اور اس کے برخلاف جس عمل سے اللہ کے سوا کسی اور کی بھی خوشنودی یا اُس سے کسی قسم کی نفع اندوزی مطلوب و مقصود ہو تو اللہ تعالیٰ اُس کو بالکل قبول نہ کرے گا، وہ نہایت بے نیاز اور شرک کی لگاوٹ سے بھی بیزار ہے۔

یہ انجام تو ان اعمال کا ہے جو اللہ کے لئے کئے جائیں لیکن نیت میں پورا خلوص نہ ہو بلکہ کسی طور پر اللہ کے سوا کسی اور کی بھی لگاوٹ ہو لیکن جو ”نیک اعمال“ محض یہاں نہ طور پر کئے جائیں، جن سے صرف نام و نمود، دکھاوا اور شہرت اور لوگوں سے خراج عقیدت وصول کرنا ہی مقصود ہو، تو وہ نہ صرف یہ کہ مردود قرار دئے کران عمل کرنے والوں کے منہ پر مار دیئے جائیں گے، بلکہ یہ ریاکار اپنے ان ہی اعمال کی وجہ سے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

## ریا کاروں کو فضیحت اور رسوائی کی سزا:-

(۲۵۶) عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَتَعَ سَتَعَ اللَّهُ بِهِ وَمَنْ يُرَائِي يُرَائِي اللَّهُ بِهِ

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کوئی عمل منانے اور شہرت دینے کیلئے کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو شہرت دے گا، اور جو کوئی دکھاوے کیلئے کوئی نیک عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو خوب دکھائے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ دکھاوے اور شہرت کی غرض سے نیک اعمال کرنے والوں کو ایک سزا کے اس عمل کی مناسبت سے یہ بھی دی جائے گی کہ انکی اس ریاکاری اور منافقت کو خوب مشہور کیا جائے گا اور سب کو مشاہدہ کرا دیا جائے گا کہ یہ بد بخت لوگ یہ نیک اعمال اللہ کیلئے نہیں کرتے تھے۔ بلکہ نام و نمود اور دکھاوے اور شہرت کے لئے کیا کرتے تھے۔۔۔ الغرض جہنم کی عذاب سے پہلے ان کو ایک سزا پہنچے گی کہ ہر عمر انکی ریاکاری اور منافقت کا پردہ چاک کر کے سب کو انکی بد باطنی دکھا دی جائے گی۔ اللہم اَحْفَظْنَا

دین کے نام پر دنیا کمانے والے ریاکاروں کو سخت تنبیہ :-

۱۲۵۷۱ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
يَخْرُجُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ رِجَالٌ يَخْتَلِفُونَ الدِّينَ بَالِغِ الْفِتْنَةِ يَلْمُسُونَ  
لِلنَّاسِ حُلُومَ الصَّالِحِينَ الَّذِينَ أَلْسِنَتُهُمْ أَهْلُ مِنَ السُّكُودِ  
قُلُوبُهُمْ قُلُوبُ الذَّنَابِ نَقُولُ اللَّهُ أَبَى يَذَّاتُونَ أَمْرًا عَلَى  
بُخْتٍ ذَنْبِي حَلَفْتُ لَا نَعْتَرُ عَنْ أَزْوَاجٍ مِنْهُ فِتْنَةٌ  
نَدْعُو الْخُلَيْصَ فِيهِمْ حَذَرًا .  
رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے :- کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : آخری زمانہ میں کچھ ایسے مکار لوگ پیدا ہوں گے جو دین کی آڑ میں دنیا کا شکار کریں گے وہ لوگوں پر اپنی درویشی اور سبکدوشی ظاہر کرنے اور ان کو تباہ کرنے کے لئے بھیڑوں کی کھال کا لباس پہنیں گے انکی زبانیں شکر سے زور بیٹھی ہوں گی مگر ان کے سینوں میں بھیڑیوں کے سے دل ہوں گے (انکے بارے میں) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : کیا یہ لوگ میرے ڈھیلے دینے سے دھوکہ کھا رہے ہیں یا مجھ سے ڈر رہے ہیں میرے مقابلے میں جرأت کر رہے ہیں پس مجھے اپنی قسم ہے کہ میں ان مکاروں کو

اُنہی میں سے ایسا فتنہ کھڑا کروں گا جو اُن میں کے عقلمندوں اور داناؤں کو بھی حیران بنا کے چھوڑے گا۔  
(جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ریاکاری کی یہ خاص قسم کہ عابدوں و زاہدوں کی صورت بنا کر اور اپنے اندرونی حال کے بالکل برعکس اُن خاصانِ خدا کی سی نرم و شیریں باتیں کر کے اللہ کے سادہ لوح بندوں کو اپنی عقیدت کے جال میں پھانسا جائے، اور ان سے دنیا کمائی جائے، بدترین قسم کی ریاکاری ہے، اور ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی نبیہ ہے کہ وہ مرنے سے پہلے اس دنیا میں بھی سخت فتنوں میں مبتلا کئے جائیں گے۔

ریا کار عابدوں اور عالموں کو جہنم کا سخت ترین عذاب :-

(۲۵۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ جُبِّ الْحُزْنِ! قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا جُبُّ الْحُزْنِ؟ قَالَ قُلْتُ فِي جَهَنَّمَ يَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمُ كُلُّ يَوْمٍ أَرْبَع مِائَةِ مَرَّةٍ، قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَنْ يَدْخُلُهَا؟ قَالَ الْفُقَرَاءُ الْمَرَاؤُونَ بِأَعْمَالِهِمْ۔۔۔۔۔ رواه الترمذی

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم لوگ ”جُبِّ الْحُزْنِ“ (جہنم کے کنوئیں یا غم کے خندق) سے پناہ مانگا کرو۔ بعض صحابہ نے عرض کیا: حضرت! جُبِّ الْحُزْنِ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: جہنم میں ایک وادی (یا خندق) ہے (جس کا حال اتنا بُرا ہوگا) خود جہنم ہر دن میں چار سو مرتبہ اُس سے پناہ مانگتی ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! اُس میں کون لوگ جائیں گے؟ آپ نے فرمایا: وہ بڑے عبادت گزار اور زیادہ زیادہ قرآن پڑھنے والے جو دوسروں کو دکھانے کے لئے اچھے اعمال کرتے ہیں۔  
(جامع ترمذی)

(تشریح) جہنم کے اس خندق "جُبُّ النُّحُورِ" میں ڈالے جانے والوں کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "الْقُرْآنُ" کا لفظ بولا ہے، اس کے معنی زیادہ عبادت کرنے والے کے بھی ہو سکتے ہیں، اور قرآن کے علم اور قرآن پڑھنے میں خصوصیت اور امتیاز رکھنے والے کے بھی ہو سکتے ہیں۔ پس حضور کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جہنم کے اس خاص کنوئیں یا خندق میں وہ لوگ جھونکے جائیں گے جو بظاہر اعلیٰ درجہ کے دیندار و علم قرآن کے سرمایہ دار اور بڑے عباد و مگنزار ہوں گے لیکن حقیقت میں اور باطن کے لحاظ سے اُن کی یہ ساری دینداری اور عباد و مگنزاری ریا کا رانہ ہوگی۔ قیامت کے دن دونوں میں ڈالے جانے کا پہلا فیصلہ ریا کار عالم و عابد، ریا کار مجاہد و شہید اور ریا کار سخی کے بارہ میں کیا جائیگا :-

(۲۵۹۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَأَوَّلِ النَّاسِ يُعْضَى عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ رَحْلٌ أَمْشَتْهُدًا فَأَتَى بِهِ فَعَرَفَهُ نِعْمَتُهُ فَعَرَفَهَا فَقَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا؟ قَالَ قَاتَلْتُ فِيكَ حَتَّى اسْتَشْهِدْتُ قَالَ كَذَبْتَ وَلَكِنَّكَ فَاكَلْتَ لِأَنْ يُقَالَ جَرِيٌّ فَقَدْ قِيلَ ثُمَّ أَمْرٌ بِهِ مَسْجَبٌ عَلَى وَجْهِهِ حَتَّى أَتَى فِي النَّارِ وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهُ وَقَرَأَ الْقُرْآنَ فَأَتَى بِهِ فَعَرَفَهُ نِعْمَتُهُ فَعَرَفَهَا فَقَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا؟ قَالَ تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهُ وَقَرَأْتُ فِيكَ الْقُرْآنَ، قَالَ كَذَبْتَ وَلَكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ أَتَاكَ عَالِمٌ وَقَرَأْتَ الْقُرْآنَ لِيُقَالَ هُوَ قَارِئٌ فَقَدْ قِيلَ ثُمَّ أَمْرٌ بِهِ مَسْجَبٌ عَلَى وَجْهِهِ حَتَّى أَتَى فِي النَّارِ وَرَجُلٌ وَفَعَلَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَعْطَاهُ مِنْ أَصْحَابِ الْمَالِ كُلِّهِ فَأَتَى بِهِ فَعَرَفَهُ نِعْمَتُهُ فَعَرَفَهَا فَقَالَ

فَمَا عَمِلْتُ فِيهَا قَالَ مَا نَزَعْتُ مِنْ سَيْبِلٍ شُحَّتْ أَنْ يَبْقَى فِيهَا  
إِلَّا أَنْفَقْتُ فِيهَا لَكَ قَالَ كَذَبْتَ وَلَكِنَّكَ قَعَلْتَ لِبِقَالٍ هُوَ  
جَوَادٌ فَقَدْ قِيلَ ثُمَّ أَمْرٌ بِهِ مُتَّبَعٌ عَلَى وَجْهِهِ ثُمَّ أَلْقَى  
فِي النَّارِ

رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے فرمایا: سب سے پہلا شخص جسکے خلاف قیامت کے دن (دوزخ میں ڈالے جانے کا)  
فصلہ عدالت خداوندی کی طرف سے دیا جائے گا، ایک آدمی ہوگا جو میدانِ جہاد میں  
شہید کیا گیا ہوگا، یہ شخص خدا کے سامنے لایا جائے گا پھر خداوند تعالیٰ اس کو بتائے گا  
کہ میں نے تجھے کیا کیا نعمتیں دی تھیں، وہ اللہ کی دی ہوئی سب نعمتوں کا اقرار کرے گا،  
پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا بتاؤ نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ (اور کن مقاصد  
کے لئے ان کو استعمال کیا) وہ کہے گا (میں نے آخری عمل یہ کیا ہے) کہ میں نے تیری  
راہ میں جہاد کیا، یہاں تک کہ میں شہید کر دیا گیا، اور اس طرح میں نے سب سے عزیز و قیمتی  
چیز اپنی جان بھی تیری راہ میں قربان کر دی) اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہو تو نے تو  
جہاد میں حصہ لے لے اور اس نیت سے لیا تھا کہ تیری بہادری کے چرچے ہوں، سو تیرا مقصد  
حاصل ہو چکا اور دنیا میں تیری بہادری کے چرچے ہوئے، پھر اس کیلئے خداوندی حکم ہوگا  
اور وہ خداوندی منہ گھسیٹ کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اور اسی کیساتھ  
ایک دوسرا شخص ہوگا جسے علم دین حاصل کیا ہوگا، اور دوسروں کو اس کی تعلیم بھی ہوئی  
اور قرآن بھی خوب پڑھا ہوگا، اس کو بھی خدا کے سامنے پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو  
بھی اپنی بخشی ہوئی نعمتیں بتائے گا، وہ سب کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس سے  
پوچھے گا، بتاؤ نے میری ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ (اور ان کو کن مقاصد کیلئے استعمال کیا)  
وہ کہے گا خداوند! میں نے آپ کا علم حاصل کیا اور دوسروں کو سکھا با اور آپ ہی کی رضا

کے لئے آپ کی کتاب پاک قرآن میں مشغول رہا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے یہ بات جھوٹ  
 کہی، تو نے تو علم دین اس لئے حاصل کیا تھا، اور قرآن تو اس لئے پڑھتا تھا کہ تجھ کو عالم  
 قاری اور عابد کہا جائے، سو (تیرا یہ مقصد تجھے حاصل ہو چکا اور دنیا میں) تیرے  
 عالم و عابد اور قاری قرآن ہونے کا بڑا چا خوب ہو لیا، پھر اس کے لئے بھی خدا تعالیٰ کا  
 حکم ہو گا، اور وہ بھی اوندھے منہ گھسیٹ کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

اور اسی کے ساتھ ایک تیسرا شخص ہو گا جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھرپور دولت دی  
 ہوگی، اور ہر طرح کا مال اس کو عطا فرمایا ہو گا، وہ بھی خدا کے سامنے پیش کیا جائے گا،  
 اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنی نعمتیں تہلکے گا (کہ میں نے دنیا میں تجھے یہ یہ نعمتیں دی تھیں)  
 وہ سب کا اقرار کرے گا پھر اللہ تعالیٰ اس سے بھی پوچھے گا کہ تو نے میری ان نعمتوں سے  
 کیا کام لیا؟ (اور کن مقاصد کے لئے ان کو استعمال کیا)۔ وہ عرض کرے گا خداوند!  
 جس جس راستہ میں اور جن جن کاموں میں خرچ کرنا تجھے پسند ہے میں نے تیرا دیا ہوا مال  
 ان سب ہی میں خرچ کیا ہے، اور صرف تیری رضا جوئی کے لئے خرچ کیا ہے، اللہ تعالیٰ  
 فرمائے گا تو نے یہ جھوٹ کہا، درحقیقت یہ سب کچھ تو نے اس لئے کیا تھا کہ دنیا میں تو سخی  
 مشہور ہو (اور تیری فیاضی اور داد و دہش کے خیرے ہوں) سو (تیرا یہ مقصد تجھے حاصل  
 ہو گیا، اور دنیا میں) تیری فیاضی اور داد و دہش کے خیرے خوب ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ  
 کی طرف سے اس کے لئے بھی حکم ہو گا، اور وہ بھی اوندھے منہ گھسیٹ کے دوزخ میں  
 ڈال دیا جائے گا۔  
 (صحیح مسلم)

(تفسیر) العظمتہ للہ، اس قدر لرزادینے والی ہے یہ حدیث، اسی کی بعض روایتوں  
 میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو بیان کرتے وقت کبھی کبھی بیہوش ہو جاتے تھے  
 ۔ اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ ان کے سامنے یہ حدیث  
 بیان کی گئی تو وہ بہت روئے اور روتے روتے بے حال ہو گئے۔

اس حدیث میں جن تین اعمال کا ذکر ہے یعنی علم دین کی تحصیل، تعلیم، قرآن مجید میں مشغولیت اور  
 طہ وضو میں جالی اور مالی قربانی۔ ظاہر ہے کہ یہ تینوں اعلیٰ درجہ کے اعمال صالحہ میں سے ہیں اور اگر اخلاص  
 کے ساتھ یہ عمل ہوں تو پھر ان کا صلہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کے اعلیٰ درجات ہیں، لیکن یہی  
 اعمال جب دکھاوے اور شہرت کے لئے یا اسی قسم کے دوسرے دنیوی مقاصد کیلئے کئے جائیں تو اللہ  
 کے نزدیک یہ اس درجہ کے گناہ ہیں کہ دوسرے سب گنہگاروں (چندوں، ڈاکوؤں اور زنا کاروں)  
 سے بھی پہلے جہنم کا فیصلہ ان ہی کے لئے کیا جائے گا، اور یہی سب سے پہلے جہنم میں جھونکے جائیں گے۔  
 اللَّهُمَّ احْفَظْنَا۔

اعمال صالحہ کی وجہ لوگوں میں اچھی شہرت، اللہ کی ایک نعمت ہے۔

(۲۶۰) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قِيلَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 أَرَأَيْتَ الرَّجُلَ يَعْمَلُ الْعَمَلَ مِنَ الْخَيْرِ وَيُحْمِلُهُ النَّاسُ عَلَيْهِ  
 وَفِي رُفَاتِهِ وَيُحْمِلُهُ النَّاسُ عَلَيْهِ قَالَ —————

تِلْكَ مَا جُلُّ بُسْرَى الْمُؤْمِنِ ————— رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 سے دریافت کیا گیا کہ کیا ارشاد ہے ایسے شخص کے بارے میں جو کوئی اچھا عمل کرتا ہو اور  
 اس کی وجہ سے لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں؟ ————— اور ایک ہدایت میں ہے  
 کہ پوچھنے والے نے یوں عرض کیا کہ کیا ارشاد ہے ایسے شخص کے بارے میں جو کوئی اچھا  
 عمل کرتا ہے اور اس کی وجہ سے لوگ اس سے محبت کرتے ہیں؟ ————— آپ نے  
 ارشاد فرمایا:۔۔۔ یہ تو مومن بندہ کی نقد بشارت ہے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) (۱) کیا اور شہرت طلبی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا  
 قسم کے ارشادات نے صحابہ کرام کو متاثر کیا تھا کہ ان میں سے بعض کو یہ شبہ ہونے لگا کہ جس نیک



عمل پر دنیا کے لوگ عمل کرنے والے کی تعریفیں کریں اور اس کی نیکی کا بڑا چاہو۔ اور لوگ اس کو اللہ کا نیک بندہ سمجھ کر اس سے محبت کرنے لگیں۔ تو شاید وہ عمل بھی اللہ کے یہاں مقبول نہ ہو گا۔ کیونکہ اس عمل کرنے والے کو دنیا میں شہرت اور محبت کا سلسلہ مل ہی گیا۔۔۔۔۔ اسی کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا گیا تھا جس کے جواب میں آپ نے فرمایا: **رَبَّنَا عَابِدُكَ لَدُنِيَ اللَّهُ جَنِّ جَرَّ كَامَلِب** یہ ہے کہ کسی شخص کی نیک عمل کی شہرت ہو بانا اور لوگوں کا اس کی تعریف یا اس سے محبت کرنا کوئی بُری بات نہیں ہے، بلکہ سمجھنا چاہئے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آخرت میں ملنے والے اہل انعام سے ملے اس دنیا میں نقدِ سلسلہ اور اس بندہ کی مقبولیت و محبوبیت کی ایک خوشخبری اور علامت ہے۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ کو ایک دفعہ یہ تمہ پیش آیا کہ وہ اپنے گھر میں نماز پڑھ رہے تھے اسی میں ایک شخص آیا اور اس نے ان کو نماز پڑھتا ہوا دیکھا وہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں اس بات سے خوشی پیدا ہوئی کہ اس شخص نے مجھے نہ جیسے اچھے کام میں مشغول پایا، انہوں نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا (ناکہ خدا نخواستہ اگر یہ بھی ریا کاری کی کوئی شاخ ہو تو اس سے توبہ مستفاد کیا جائے) آپ نے ان کو اطمینان دلایا کہ یہ یا نہیں ہے بلکہ تم کو اس صورت میں خلوت کی نیکی کا بھی ثواب ملے گا اور خلوت کی نیکی کا بھی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو اعمال صائمہ اخلاص کیسا تھ اللہ ہی کیلئے کئے جائیں لیکن عمل کرنے والے کے ارادہ اور کوشش کے بغیر اللہ کے دوسرے بندوں کو ان کا علم ہو جائے اور پھر اس کو اس سے خوشی ہو تو یہ اخلاص کے منافی نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کوئی نیک عمل اس لئے لوگوں کے سامنے کرتا ہے کہ وہ اس کی اقتدا کریں اور اس کو سیکھیں تو یہ بھی ریا نہ ہو گا بلکہ اس صورت میں اللہ کے اس بندہ کو تعلیم و تبلیغ کا بھی ثواب ملے گا، بہت سی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کے بہت اعمال میں یہ مقصد بھی ملحوظ ہوتا تھا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقیقتِ اخلاص نصیب فرمائے، اپنا مخلص بندہ بنائے اور ریا و تمہدہ جیسے مہلکات سے ہمارے قلوب کی حفاظت فرمائے۔ **اَللّٰهُمَّ اٰمِیْن ! (جلد ثانی ختم ہوئی)**

فَاَتُحَمَّدُ لِلّٰهِ اَلَّذِیْ یُعِزُّ رُتَبَهُ وَجَلَّ لِیْهِ تَتَقَدُّ الصَّالِحَاتُ